القول الجمیل

فی

تفسیر القرآن العظیم

﴿سورۃ الحجرات تا سورۃ النجم﴾

جلد اول

تألیف

محمد نعمان رضا بابر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

إنَّ الْحَمْدَ لِلهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَ هَادِىَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ

﴿ التحريم : ٦ ﴾

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وآله وسلم، وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، **وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ، وَكُلَّ ضَلاَلَةٍ فِى النَّار**

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

کچھ میرے بارے میں :

۲۷ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ بمطابق ۱۳ نومبر ۲۰۰۱ کو ایک منہاجی بریلوی حنفی کے گھر صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے، جسکا اول نام تاجدار کائناتﷺ کی نسبت سے محمد رکھا جاتا ہے، درمیانہ نام امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی نسبت سے نعمان اور احمد رضا خان بریلوی کی نسبت سے رضا رکھا جاتا ہے، یعنی محمد نعمان رضا بابر۔

جیسا کہ آپ قارئین کرام کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ وہ بچہ کون تھا اور اس کی پرورش کرنے والوں کا تعلق کس مسلک سے تھا۔ جیسے جیسے مجھے میرے والدین عقائد و نظریات سے متعلق آگاہی دیتے جاتے، میں اسے من و عن قبول کرتا جاتا، درباروں مزاروں پر حاضری کے آداب و احکام، پیر و مرشد کے احکامات کو حرفِ آخر سمجھنا، خصوصاً شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی عزت و احترام بنا لانا، ان سے ملاقات کے وقت انکے قدموں میں بیٹھنا اور پھر حالت رکوع میں جاکر دست بوڈی کرنا، پھر اپنی تمام مرادوں کو فوت شدگان بزرگانِ دین کی قبروں پرلے کر جانا، تعویذ گنڈے اور منت کے دھاگے وغیرہ وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ ان جملہ شرکیہ عقائد و اعمال نے میرے دل میں ایسے ایسے سوال ابھارے کہ جن کا تسلی بخش جواب نہ تو گھر والوں سے ملا، نہ طاہر القادری صاحب کے ویڈیو لیکچر سے، نہ دیگر بریلوی علماء کرام سے۔ بلآخر میں مسلک بریلویہ سے بہت متنفر

ہوگیا اور میں نے بریلویت کو خیر آباد کردیا اور شیعت کو قبول کرلیا کیونکہ بریلوی مسلک والے سوالات کے جوابات تلاش کرتے کرتے میں نے جب اہل تشیع کو (علمی و تحقیقی طریقہ سے نہیں بلکہ) جزباتی انداز میں اپنے فرقے کا دفاع کرتے دیکھا تو بہت متاثر ہوا۔ خطہ برصغیر کے اہل تشیع ذاکرین کا مکمل بیان محض آئمہ اہل بیت کی سیرت مبارکہ کے جذباتی پہلو (معجزات و کرامات ، فضائل و مناقب) سے شروع ہوتا ہے اور انکے مصائب ہی پر ختم ہوتا ہے، انکے بیانات میں تبرہ، لعن، معجزات، مصائب، فضائل کے علاؤہ اور کچھ بیان نہیں ہوتا سوائے چند ایک کے۔ میں نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، جہاد کے بارے میں کبھی نہ سنا تھا لیکن شیعت کے ساتھ میری وابستگی محض جزباتی وابستگی تھی، فقہ جعفریہ سے ابھی تک ناواقف تھا۔ اس جزباتی وابستگی میں محض نیلی پیلی انگوٹھیاں پہننا، کڑے پہننا، دھاگے باندھنا، کالے کپڑے پہننا اور نوحے سننا شامل تھا۔ نماز جعفریہ اور روزہ ۱۰ منٹ تاخیر سے کھولنے والی علمی مباحث سے میرا کوئی سروکار نہ تھا۔

پھر ایک کرماں والا دن ایسا آیا کہ مجھے اس فرقہ پرستی کی زنجیروں سے نجات حاصل ہوئی۔ ہوا یوں کہ میں یوٹیوب پر مختلف مکاتب فکر کے دلائل سن رہا تھا کہ ماتم جائز ہے یا اس کی کوئی ممانعت قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ وڈیوز اوپر نیچے کرتے ایک نیا چہرہ میرے سامنے آیا، جب میں نے اس کی ویڈیو سنی تو ایسا محسوس ہوا کہ جس کی تلاش تھی، آخر وہ بندہ مل گیا اور اسکا نام ہے **انجینئر محمد علی مرزا**۔ اس انسان کے الفاظ میرے نزدیک ایک ایسی تاثیر رکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تعصب کی عینک اتار کر اس کے دلائل پر غور کرے تو وہ اسے قائل کرلے گا۔ میں نے اس

بندے کو ہر وقت سننا شروع کردیا، کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے یہاں تک کہ کالج سے گھر آتے ہوئے دوران سفر بھی۔ اس بندہ کا ایک ہی مشن معلوم ہوتا تھا کہ ہر نوجوان کے ہاتھوں میں ترجمہ قرآن ہو جسے وہ پڑھے اور اپنے دل میں اتارے اور اس پر عمل کرے نہ کہ فرقہ پرستی میں پڑے اور اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کی بجائے درباروں مزاروں یا پیروں فقیروں کا ملنگ بن جائے۔ لہٰذا میں نے بھی ٹھان لیا کہ اب میں قرآن مجید کو ترجمہ سے پڑھوں گا اور پھر اس کے بعد احادیث بھی۔ میں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آسان ترجمہ قرآن خریدا اور پڑھنا شروع کردیا۔ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا میرے دماغ کی گرہیں کھلتی جاتی۔ مجھے اپنے ننھیال اور ددھیال دونوں خاندانوں میں پہلی بار قرآن مجید کو ترجمہ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، اب یہاں مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں اسے اپنے لیے اعزاز تصور کروں یا باعث شرمندگی۔

بہرحال، جیسے ہی میں نے فرقہ پرستی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرآباد کہا اور قرآن و حدیث کے مطابق عقائد و نظریات اپنائے، نماز حنفی چھوڑ کر نماز نبویﷺ پڑھنا شروع کی، خالص عقیدہ توحید کو اپنایا تو میرے گھر والے میرے جانی دشمن بن گئے اور مجھ پر طرح طرح کی عجیب و غریب پابندیاں عائد کردی گئیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ میں دین اسلام کو محض صوم و صلوٰۃ، زکوۃ اور عمرہ و حج تک رکھوں۔ قرآن پڑھنا ہو تو محض ڈاکٹر طاہر القادری کا عرفان القرآن پڑھنا ہے، اس کے سوا کوئی نہیں وغیرہ وغیرہ ۔ بہرحال، مختصر یہ کہ میں نے چھپ چھپ کر اپنا مطالعہ جاری رکھا اور کئی مکاتب فکر کے علماء سے ترجمہ و تفسیر پڑھا، منہاج القرآن سے ڈپلومہ ان حدیث سٹڈیز بھی کیا۔ بلآخر



میں نے سوچا کہ ان کم و بیش ۹ یا ۱۰ سال میں جو کچھ سیکھا ہے اسے آگے بھی سکھاؤں لیکن میرے گھر والوں کی پابندیاں مجھے یہ کرنے نہیں دیتیں تو پھر میں نے سوچا کہ کم از کم اسے ایک کتابی شکل میں محفوظ کرلیا جائے، شائد سو میں سے کوئی ایک آدھا اسے پڑھ لے اور میری آنے والی نسلیں اس سے اپنے عقائد و نظریات صحیح کرسکیں۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر کے معنی :

لفظ تفسیر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں واضح کرنا، کھول کر بیان کرنا، وضاحت کرنا، مراد بتانا اور بے حجاب کرنا ہے۔ سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰﷺ پر نازل ہوے کلام مقدس کی تشریح و وضاحت کے علم کو تفسیر کہتے ہیں اور یہ عمل خیر انجام دینے والے کو مفسر کہتے ہیں۔

تفسیر القرآن کے مآخذ :

- تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن کریم کی کسی آیت یا لفظ کی تشریح قرآن ہی کی کسی دوسری آیت یا لفظ سے کی جائے۔

- تفسیر القرآن بالاحادیث النبویہﷺ

قرآن مجید کے کسی آیت کی وضاحت آنحضرت ﷺ کے کسی قول یا فعل سے کی جائے۔

- تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قرآن پاک کے کسی آیت کی تشریح حضرات صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کے قول سے کی جائے، تفسیری شرائط کے ساتھ۔

- تفسیر القرآن باقوال التابعین رحمہم اللہ

قرآن مجید کے کسی آیت کی وضاحت حضرات تابعین میں سے کسی تابعی کے قول سے کی جائے، تفسیری شرائط کے ساتھ۔

- تفسیر القرآن بلغۃ العرب

قرآن مجید کے کسی آیت یا کسی لفظ کی تشریح اہل عرب کے اشعار اور عربی محاورات کے مطابق کی جائے، تفسیری شرائط کے ساتھ۔

- تفسیر القرآن بعقل السلیم

قرآن مجید کی تشریح وتوضیح اپنی صحیح سمجھ بوجھ اور منشائے خداوندی کو ملحوظ رکھ کر علوم اسلامیہ کی روشنی میں، حالات وواقعات، مواقع ومسائل پر اس کا صحیح انطباق کرنا اور اس کے اسرار و رموز کو کھولنا اور بیان کرنا تفسیر القرآن بعقل سلیم کہلاتا ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن العظیم :

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غير المغضوب عَلَيْهِمْ ولا الضالين (الفاتحہ : ۶-۷)

ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستے پر کہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ جن پر انعام کیا گیا ہے اس کی تفسیر سورۃالنساء کی درجِ ذیل آیت میں کی گئی ہے

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیا

صدیقین، شہداءاور صالحین اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

(النساء : ۶۹)

تفسیر القرآن بالاحادیث النبویہﷺ :

قرآن پاک کی تفسیر رسول اکرمﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں کرنا تفسیر القرآن بالحدیث والسیرۃ کہلاتا ہے، خود قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آپﷺ کے دنیا میں بھیجے

جانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپﷺ اپنے اقوال وافعال اور عملی زندگی سے آیات قرآنیہ کی تفسیر وتشریح فرمائیں۔ (النحل: ۴۴)

بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپﷺ تو قرآنِ مجسم تھے۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک تابعی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے پاس کچھ مسئلہ دریافت کرنے گئے اور پھر ان سے پوچھنے لگے کہ رسول اللہﷺ کی سیرت و اخلاق بتائیں تو ام المومنین فرمانے لگیں انکا اخلاق قرآن تھا۔

(مسند احمد : ۸۵۷۷)

سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ(البقرة: ۱۸۷)

اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہوکرتم پر واضح (نہ) ہو جائے۔

آپﷺ نے خیط ابیض اور خیط اسود کی مراد کو اپنے ارشاد مبارک سے واضح فرمایا " إِنَّمَا ذَلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَار"۔ کہ خیط ابیض سے مراد صبح صادق اور خیط اسود سے مراد صبح کاذب ہے۔

(صحیح بخاری : ۱۷۸۳)

تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ :

صحابہ کرام اور اہل بیت چونکہ بجا طور پر خیر امت کہلانے کے مستحق ہیں جنھوں نے رسول اکرمﷺ سے براہ راست قرآن کریم کی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی اس کام کے لیے وقف کر دیں کہ قرآن کریم اوراس کی تفسیر وتاویل کو بلاواسطہ آپﷺ سے حاصل کریں، اہل زبان ہونے کے باوجود ان کو صرف زبان دانی پر بھروسا نہ تھا۔ صحابہ کرام اسبابِ نزول اور ناسخ و منسوخ سے باخوبی واقف تھے اور سب سے اہم نکتا یہ کہ صحابہ کرام اور اہل بیت طرح طرح کی بدعتوں اور مشرکانہ عقائد و نظریات سے پاک صاف تھے جو کہ عجمی خطے میں اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ اسلام میں آہستہ آہستہ داخل ہوتے گئے۔

تفسیر القرآن باقوال التابعین :

تابعین سے مراد تمام ہی تابعین نہیں ہیں بلکہ وہ تابعین جنھوں نے صحابہ کرام کی صحبت اٹھائی ہو اور ان کی صحبت سے خوب علمی استفادہ کیا ہو، اہل علم میں اس بات پر بھی اختلاف ہے کہ تفسیر قرآن کے بارے میں اقوال تابعین حجت ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی تابعی کسی صحابی سے تفسیر نقل کر رہے ہوں تو اس کا حکم صحابی کی تفسیر جیسا ہوگا اور اگر خود تابعی اپنا قول بیان کریں تو

دیکھا جائے گا کہ دوسرے کسی تابعی کا قول ان کے خلاف تو نہیں اگر خلاف میں کوئی قول ہو تو پھر اس تابعی کے قول کو حجت نہیں قرار دیا جائے گا۔

تفسیر القران بعقل السلیم :

عقل سلیم جس کی اہمیت وضرورت سے کسی کو انکار نہیں، دنیا کے ہر کام میں اس کی اہمیت ہوتی ہے اور پچھلے مآخذ سے فائدہ اٹھانا بغیر عقل سلیم کے معتبر نہیں اس ماخذ کو علاحدہ لکھنے کی ضرورت محض اس لیے پڑتی ہے کہ قرآن کریم کے معارف ومسائل، اسرارورموز یقیناً ایک بحر بیکراں ہیں اور پچھلے مآخذ سے ان کو ایک حد تک سمجھا جا سکتا ہے ؛لیکن کسی نے بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کی کہ قرآن کریم کے اسرار ومعارف کی انتہا ہو گئی اور مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہی، یہ بات خود قرآن کریم کی صریح آیتوں کے خلاف ہوگی، فرمان خدا وندی ہے: "قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ، الخ"۔ (الکہف: ۱۰۹)

کہہ دو کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے، تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اس سے پہلے سمندر ختم ہو چکا ہوگا، چاہے اس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لیے ہم ویسا ہی ایک سمندر کیوں نہ لے آئیں۔

گویا اس آیت میں وضاحت ہے کہ ساری مخلوق مل کر بھی کلمات الٰہی کا احاطہ کرنا چاہے تو ممکن نہیں سارا سامان تسوید ختم

ہوجائیگا اور لامتناہی کسی طرح بھی متناہیوں کی گرفت میں نہ آسکے گا، متناہی صفات والے لا متنا ہی صفات والی ہستی کو کیونکر اپنی گرفت میں لاسکتے ہیں اور یقیناً قرآن کریم بھی صفات باری میں سے ایک ہے لہذا عقل سلیم کے ذریعہ ان حقائق اور اسرار پر غور و فکر کا دروازہ قیامت تک کھلاہوا رہے گا اور جس شخص کو بھی اللہ تعالی نے علم و عقل اور خشیت و تقوی اور رجوع الی اللہ کی صفات سے مالا مال کیا وہ تدبیرکے ذریعہ نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے؛چنانچہ ہر دور کے مفسرین کی تفسریں اس بات کی واضح دلیل ہیں۔ اور نبی اکرمﷺ کی دعاجو ابن عباس کے لیے تھی:

"اَللّٰهُمَّ عِلْمُہٗ الْكِتَابَ وَفقهُ فِی الدِّیْنِ"۔ (صحیح بخاری : ۱۴۰)

ترجمہ: اے اللہ ان کو تاویل یعنی تفسیر قرآن اور دین کی سمجھ عطا فرما۔ یہ دعا بھی اشارہ کرتی ہے کہ اس باب میں راہیں کھلی ہیں البتہ اہل علم نے اس معاملہ میں یہ اصول ضرور بتلایا ہے کہ عقل سلیم کے ذریعہ مستنبط ہونے والے وہی مسائل اور معارف معتبر ہوں گے جو سابق مآخذ سے متصادم نہ ہوں، یعنی ان سے نہ ٹکراتے ہوں، اصول شرعیہ کے خلاف کوئی نکتہ آفرینی کی جائے تو اس کی کوئی قدر وقیمت نہ ہوگی۔ ہم کو ایمان رکھنا چاہیے کہ کل کائنات خدا کی بنائی ہوئی اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، لہذاقرآن کریم کی بعض آیتوں سے اگرکوئی ڈاکٹریا سائنس داں معلومات کو اخذ کرتا ہے اور وہ معلومات مذکورہ اصولوں سے متصادم نہ ہوں توایسی تفسیر بھی قابل اعتبار ہوگی۔

سُوْرَةُ الْحُجُرَاتِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ﴿١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا
تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا
تَشْعُرُونَ ﴿٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ
امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ
مِن وَرَاء الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ
إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءكُمْ
فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ
﴿٦﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ
اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ
وَالْعِصْيَانَ أُوْلَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴿٧﴾ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ
﴿٨﴾ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا
عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءتْ
فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾ إِنَّمَا
الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾ يَا
أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا
نِسَاء مِّن نِّسَاء عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا
بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ
﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا
تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا

فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن
ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ
اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ
أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ
وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ هُمُ
الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا
عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾
إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

تعارف :

یہ سورۃ مبارکہ دو رکوع اور ۱۸ آیات پر مشتمل ہے، اس سورۃ کا نام اس کی چوتھی آیت سے لیا گیا ہے۔ اس سورۃ کا ترجمہ پڑھ کر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ سورۃ مبارکہ مختلف موقعوں پر نازل شدہ احکامات و ممنوعات کا مجموعہ ہے۔ اگر چہ اس سورۃ کی آیات کم ہے مگر بہت سے اہم موضوعات کا مجموعہ ہے۔ جن میں اعتقادات، اخلاقیات اور انسانی کردار کو سنوارنے کے احکامات شامل ہیں۔
مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو خوشگوار اور ان کے باہمی تعلقات کو استوار کرنے کے اعلیٰ اصولوں پر مشتمل ہے۔

اس سورۃ میں ہم پڑھیں گے :

- اللہ تعالیٰ اور اسکے محبوبﷺ سے پیش قدمی کی ممانعت
- اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم
- ذاتِ مصطفیٰﷺ کی تعظیم و تکریم
- فرمانِ مصطفیٰﷺ کا ادب و احترام
- اسمِ محمدﷺ کی توقیر و تکریم
- گستاخانِ بارگاہِ نبوتﷺ کا انجام
- معاملات کی تحقیق
- کوئی بھی قول بغیر سند کے قابل قبول ؟
- اصلاح بین المسلمین کے ضابطے
- صحابہ کرام کا ایمان
- استہزاء اور تمسخر کی ممانعت
- عیب جوئی کرنے کی ممانعت
- بدگمانی سے اجتناب و پرہیز
- کسی کے عیوب تلاش کرنے کی مذمت
- غیبت اور چغلی کی ممانعت
- مساواتِ انسانی

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١﴾

اے ایمان والوں ! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

شان نزول :

بنو تمیم کے چند سوار نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمارا کوئی امیر منتخب کر دیجئے۔ سیدنا ابوبکر نے کہا کہ سیدنا قعقاع بن معبد بن زرارہ کو امیر منتخب کر دیجیے۔ سیدنا عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! بلکہ آپ سیدنا اقرع بن حابس کو ان کا امیر منتخب فرما دیجیے۔ اس پر سیدنا ابوبکر نے سیدنا عمر سے کہا کہ تمہارا مقصد صرف مجھ سے اختلاف کرنا ہے۔ سیدنا عمر نے کہا کہ نہیں میری غرض مخالفت کی نہیں ہے۔ دونوں اتنا جھگڑے کہ آواز بلند ہو گئی۔ اسی پر سورۃ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی «یا أیها الذین آمنوا لا تقدموا» آخر آیت تک۔

(صحیح بخاری : ۴۳۶۷)

تفسیر :

اس سورۃ مبارکہ کی شروعات ہوتی ہے " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا " سے یعنی " اے ایمان والو ! " یعنی رب العالمین اہل ایمان سے ڈائیریکٹ مخاطب ہے۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تو اپنے کان کھڑے کرلو (اپنی توجہ کو مزید بڑھا دو) کیونکہ اللہ تعالیٰ یا تو کسی چیز کا واضح حکم فرمانے والا ہے یا پھر کسی امر سے روکنے والا ہے۔ (الزہد بن مبارک : ۳۶)

ایک تو ویسے ہی ہم پر فرض ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو کان لگا کر توجہ سے سنیں بلکہ جب خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

وَإِذَا قُرِىءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُواْ لَهُ وَأَنصِتُواْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

"جب قرآن مجید پڑھا جا رہا ہوں تو خاموشی اختیار کرو اور سنو اور اسی میں تمہارے لیے رحمت کی امید ہے۔" (الاعراف : ۲۰۵)

لہٰذا کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ اس عمل کو کچھ مواقع کے ساتھ مخصوص کردیا جائے بلکہ جہاں جہاں بھی قرآن پڑھا جائے وہاں اس کے ساتھ یہی حسن سلوک ہونا چاہئے۔ نفس انسان کو ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور یہ ادب اور احترام اس بات کا ضامن ہے کہ انسان پر دنیا و آخرت میں رحم ہو۔

لیکن جب اللہ رب العالمین ڈائریکٹ اہل ایمان کو مخاطب کریں تو اپنی توجہ کو زیادہ سے زیادہ بڑھا دینا چاہئیے کیونکہ کوئی عام ہستی ہمیں مخاطب نہیں کر رہی بلکہ دو جہانوں کا پالنے والا، آدم و

عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کرنے والا، نوح کا بیڑا اٹھانے والا، نارِ نمرود کو ابراھیم کیلئے گلزار میں بدلنے والا، قومِ لوط و ھود کو بچھاڑنے والا ہم سے مخاطب ہے۔

اس کے بعد سب سے پہلا سوال یہاں یہ اٹھتا ہے کہ اللہ نے اہل ایمان کو مخاطب کیا ہے تو کیا ہم ایمان والے ہیں بھی یا نہیں ؟ ایمان ہمارے دلوں میں ہے بھی یا نہیں ؟ کس کس پر ایمان لانے سے ہم ایمان والو کی فہرست میں شامل ہوں گے ؟

وہ یہ چھ اعتقادات ہیں جن پر پختہ یقین ہونا اول شرط ہے :

- توحید
- رسالت
- ملائکہ
- آسمانی کتب
- آخرت
- اچھی بری تقدیر

اس کے علاؤہ ایک اور اصول یہ بھی ہے کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جنکی عدم موجودگی ہمارے دلوں میں ایمان کی کمی کا باعث بنتی ہے اور کچھ برائیاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

اہل ایمان کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی ممانعت فرمائی وہ یہ ہے کہ اللہ اور اسکے رسولﷺ سے آگے نہ بڑھا جائے،

شان نزول پڑھ کر ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر و عمر نے بارگاہِ نبوتﷺ میں ذاتی رائے کی وجہ سے آواز بلند کر لی اور رسول اللہﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بڑھا دیا تو یہ آیت نازل ہوئی، یہ آیت مبارکہ آج بھی مسجد نبوی شریف میں سنہری جالیوں پر لکھی ہوئی ہیں کہ بارگاہِ محبوبِ الٰہی میں اپنی آوازوں کو پست رکھا جائے۔

دوسری بات یہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھا جائے، ایک تو یہ مطلب ہوگیا کہ انکی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو پست رکھا جائے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس کام کا حکم اللہ اور اسکا رسولﷺ فرما دیں پھر اس کام کو اتنا ہی کیا جائے نہ کم اور نہ ہی زیادہ الہ یہ کہ نبی کریمﷺ خود اجازت فرما دیں یا پھر قرآن و سنت کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر اپنے کسی بڑے کی تعلیمات کو پکڑ لیا جائے یا یہ کہا جائے کہ وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے میرے پاس قرآن و حدیث سے بہتر رائے ہے۔ مثلاً کہ ایک دفعہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنے بیٹے سے کہا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو تو انہوں نے آگے سے فرمایا کہ آج کل حالات بہت ناساز ہیں اس لیے میں پسند نہیں کرتا کہ عورتیں مسجدوں کا رخ کریں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر نے جب یہ بات سنی تو سخت جلال میں آئے اور کہنے لگے کہ میں تجھ سے اس وقت کلام نہیں کروں گا جب تک تو اپنی اس بات پر رجوع نہیں کرتا۔

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَ رَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔ (المائدہ : ۳)

سادہ الفاظ میں کہا جائے تو سورۃ مائدہ کی اس آیت کے بعد، جبکہ اللہ نے دین کو مکمل فرما دیا تو اب کوئی عمل جو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں تو وہ جائز نہیں بلکہ بدعت کہلائے گا۔ چاہے آپ اس بدعت کے ساتھ ہزار جذباتی منطق و فلسفہ جوڑ لیں جب قرآن و حدیث میں موجود نہیں تو قابل قبول نہیں۔ بدعت کے متعلق نبی کریمﷺ کا فرمان ہے کہ جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ مردود ہے۔ (صحیح مسلم : ۱۷۱۸)

سب سے اچھی بات کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے بری نئی بات (بدعت) پیدا کرنا ہے (دین میں) اور بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ آ کر رہے گی اور تم پروردگار سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ (صحیح بخاری : ۷۲۷۷)

اسی طرح بعض احادیث میں یہاں تک رسول اللہﷺ کا فرمان ہے کہ دین میں ہر نئے کام سے بچو، کیونکہ دین میں داخل کیا گیا ہر کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراھی ہے اور ہر گمراھی جہنم میں لے کر جانے والی ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح : ۱۶۵) (مسند احمد بن حنبل : ۱۵۶۴)

(المستدرک الحاکم : ۳۳۲)

اب مثال کے طور پر جیسے ہمارے بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والے مسلمان بھائی اذان سے پہلے درود شریف پڑھا کرتے ہیں، جب ان سے اس بدعت پر بات کی جاتی ہے تو یہ کہتے ہوئے ہمیں کاٹ کھانے کو پڑتے ہیں کہ کیا آپ درود شریف پڑھنے کو بدعت قرار دیتے ہو ؟ کیا آپ ختم نبوت کے منکر ہو ؟ اب حقیقت کیا ہے ان کو خود کو بھی معلوم ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے، بیشک اللہ رب العزت سننے والا اور ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

بدعات و خرافات کے بارے میں تفصیل سے پڑھنے کیلئے دیکھیں کتاب

"کیا اللہ کافی نہیں؟"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢﴾

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

تفسیر :

اس میں رسول اللہﷺ کے لئے اس ادب و تعظیم اور احترام و تکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے، پہلا ادب یہ ہے کہ آپﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمہاری آوازیں نبیﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ دوسرا ادب، جب خود نبیﷺ سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو، اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بےتکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔

شانِ نزول ہم پچھلی آیت میں پڑھ چکے کہ جب بنو تمیم کا وفد بارگاہِ رسالتﷺ میں حاضر ہوا اور امیر مقرر کرنے کی عرضی پیش کی۔ جس کے نتیجے میں امت کی دو بہترین ہستیاں آپس میں الجھ پڑیں جسکی وجہ سے انکی آوازیں رسول اللہﷺ سے اونچی ہوگئیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الحجرات کی یہ آیات کے نازل ہونے کے بعد سیدنا عمر نبی کریمﷺ کے سامنے اتنی آہستہ آہستہ بات کرتے کہ آپ صاف سن بھی نہ سکتے تھے اور دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔

(صحیح بخاری : ۴۸۴۵)

سیدنا انس بن مالک سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ اے ایمان والو ! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اونچی مت کرو۔ تو سیدنا ثابت بن قیس اپنےگھر میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے میں تو جہنمی ہوں۔ انہوں نے خو کو نبیﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے

بھی روک لیا، رسول اللہﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ سے پوچھا ” ابو عمرو! ثابت کو کیا ہوا ؟ کیا وہ بیمار ہیں ؟ “ سعد نے کہا وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے ان کی کسی بیماری کا پتہ نہیں چلا۔ سیدنا انس نے کہا اس کے بعد سیدنا سعد، سیدنا ثابت کے پاس آئے اور رسول اللہﷺ کی بات بتائی تو ثابت کہنے لگے یہ آیت اتر چکی ہے اور تم جانتے ہو کہ تم سب میں میری آواز رسول اللہﷺ کی آواز سے زیادہ بلند ہے، اس بنا پر میں جہنمی ہوں۔ سیدنا سعد نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا تو رسول اللہﷺ نے فرمایا ” بلکہ وہ تو اہل جنت میں سے ہے۔ “ (صحیح مسلم : ۱۱۰)

اس آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد نبوی کا وہ سنہری حصہ جہاں رسول اللہﷺ آرام فرما رہے ہیں وہاں پر بھی آواز بلند کرنے پر وہی حکم لگے گا جو رسول اللہﷺ کے زمانہ میں رسول اللہﷺ کے قرب و جوار میں آواز بلند کرنے پر لگتا ہے۔

راوی نے بیان کیا کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا ہوا تھا، کسی نے میری طرف کنکری پھینکی۔ میں نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سامنے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سامنے جو دو شخص ہیں انھیں میرے پاس بلا کر لاؤ۔ میں بلا لایا۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے یا یہ فرمایا کہ تم کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دئیے بغیرنہیں چھوڑتا۔ رسول اللہﷺ کی مسجد میں آواز اونچی کرتے ہو؟ (صحیح بخاری : ۴۷۰)

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾

بیشک جو لوگ رسول اللہﷺ کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔

تفسیر :

جیسا کہ ہم نے پہلے پڑھا کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر نے بیان کیا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد سیدنا عمر رسول اللہﷺ کے سامنے اتنی آہستہ آہستہ بات کرتے کہ آپ صاف سن بھی نہ سکتے تھے اور دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔ تو ایسے حضرات کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، ان کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾

جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں اکثر (بالکل) بے عقل ہیں۔ اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود

سے نکل کر ان کے پاس آجاتے تو یہی ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

شانِ نزول :

یہ آیت قبیلہ بنو تمیم کے بعض اعرابیوں (ان پڑھ قسم کے لوگوں) کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے ایک روز دوپہر کے وقت، جو کہ نبیﷺ کے قیلولے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے یا محمد !! یا محمد !! کی آوازیں لگائیں تاکہ آپﷺ باہر تشریف لے آئیں۔

تفسیر :

جیسا کہ ہم نے اس آیت کا شانِ نزول پڑھا کچھ اعرابی آئے اور یا محمد یا محمد کی صدائیں لگانا شروع کردیں۔ رسول اللہﷺ لوگوں کے اس رویے پر پریشان ہو جاتے اسی لیے اللہ رب العزت نے تسلی کیلئے رسول اللہﷺ سے فرمایا کہ ان میں سے بعض عقل نہیں رکھتے جو نبیﷺ کی جلالت شان اور آپﷺ کے ادب و احترام کے تقاضوں کا خیال نہیں رکھتے۔

رسول اللہﷺ کی تعظیم و تکریم نہ کرنا بے عقلی ہے۔ ادب و احترام کا تو تقاضا یہ ہونا چاہیئے رسول اللہﷺ کا محض نام سنتے ہی ادباً

ہمارے لبوں پر صلوٰۃ و سلام جاری ہو جانا چاہیے الہ یہ کہ رسول اللہﷺ ہمارے میں موجود ہوں اور ہم اونچی اونچی صدائیں لگائیں یا محمد یا محمد !!

آج کل کے نعت خواں حضرات بھی اس آیت پر خصوصی توجہ عنایت فرمائیں جو اپنے کلام میں جزباتی انداز میں بڑی بڑی ہستیوں کو بے ادبی سے پکار رہے ہوتے ہیں۔ آخر میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ (اگر تم سے بھر پور پرہیزگاری کے بعد بھی کوئی بھول چوک ہو جاتی ہے تو کوئی بات نہیں) میں بہت غفور و رحیم ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٦﴾

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے لئے پریشانی اٹھاؤ۔

شانِ نزول :

یہ آیت بعض مفسرین کے نزدیک جناب ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہیں رسول اللہﷺ نے بنو المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے آکر یوں ہی خبر

دے دی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے جس پر آپﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرما لیا، تاہم پھر ذرائع سے پتہ لگا کہ یہ بات غلط تھی اور ولید تو وہاں گئے ہی نہیں۔

تفسیر :

یہ آیت مبارکہ علم اسماء و رجال کی بنیاد ہے، اسی بنیاد پر راویوں کی زندگیوں کو پڑھا جاتا ہے، ان کا اخلاق، حافظہ، صحبتیں اور خلوت و جلوت سب دیکھا جاتا ہے تاکہ تحقیق کی جا سکے کہ ان میں ایسی کوئی بات تو موجود نہیں جو ان کی بیان کردہ بات کو شکوک وشبہات کا شکار کرے۔ جیسا کہ ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری نے صحیح مسلم کے مقدمے میں فرمایا کہ فاسق کی خبر مردود ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فسق کیا ہے ؟

فسق کے بہت سے زیادہ معنی ہیں۔ قران کریم میں خروج اور جاہل ہو جانے کے ہیں۔ قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین کافروں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور مومن گنہگار کو بھی فاسق کہا گیا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لیے استعمال ہوا ہے کہ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے اس کی عادت بنالے یا اپنی مرضی کا دین لے لے اور جو حکمِ الٰہی گراں گزرے اسے ترک کردے ، وہ فقہا کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے اور جو

شخص یہ فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے، لفظ فسق اصل میں قرآن سے اخذ کی جانے والی ایک اصطلاح ہے جو خاصے مختلف مفاہیم میں استعمال میں دیکھنے میں آتا ہے۔

اب یہ چیزیں کہ گناہ کبیرہ کرکے جشن اعلان کروانا، مرضی کا دین لینا اور مرضی کا دین چھوڑ دینا اور گناہِ صغیرہ کو معمول بنا تو عام سی بات ہوگئی ہے اور خصوصاً جھوٹ بہت عام سی بیماری بن چکا ہے لہٰذا اب کس بات میں کس پر یقین کیا جائے یہ بہت اہم بات ہے سوچنے کی۔

خصوصاً عالم اسلام میں جس قدر جھوٹ رسول اللہﷺ اور صحابہ اور دیگر مزہبی شخصیات سے منسوب کیا گیا ہے، اللہ کی پناہ ! لہٰذا آج کے دور میں اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ بھی انہیں عقائد و نظریات کے حامل ہوں جن عقائد و نظریات کے حامل سیدنا ابوبکر و عمر اور عثمان و علی تھے، تو آپ کو چاہیئے کہ کسی بھی پلیٹ فارم پر کوئی بھی ایسا مواد دیکھیں کہ جس کو رسول اللہﷺ یا صحابہ و اہل بیت سے منسوب کیا جارہا ہو تو سب سے پہلے اس سے حوالہ مانگیں کہ یہ بات آپ نے کس آیت سے اخز کی ؟ کس حدیث سے اخز کی ؟ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جہالت کا علاج سوال کرنا ہے۔

سنن ابو داؤد : ۳۳۶) لہٰذا ان لوگوں سے سوال کرنے کی عادت ڈالیں تاکہ عشقِ مصطفیٰﷺ اور ختم نبوت کی آڑ میں چھپے اصل ارادے بے نقاب ہوں۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے جو چاہتا فائدہ عنایت فرماتا اور جب کوئی اور صحابی مجھ سے حدیث بیان کرتا تو

میں اس سے قسم لیتا تھا اور جب وہ قسم اٹھاتا تو میں اس کی تصدیق کرتا تھا۔ (سنن ابو داؤد : ۱۵۲۱)

لہذا تحقیق و تفتیش کی عادت ڈالیں تاکہ مزہب کے بیوپاریوں کو پتہ چل جائے کہ عوام کو شعور آگیا ہے اور آپ بھی ان کے مکر و فریب سے بچ سکیں اور دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے بچ سکیں۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴿٧﴾ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٨﴾

اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں۔ اگر وہ تمہارا کہا کرتے رہے بہت امور میں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔ اللہ کے احسان و انعام سے اور اللہ دانا اور با حکمت ہے۔

تفسیر :

یہاں مسلمانوں کو تلقین کی جارہی ہے کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں، ان جیسی عزت و تکریم کسی اور کیلئے جائز نہیں۔ جب رسول اللہﷺ کا حکم موجود ہو تو غیر کی اطاعت و فرمانبرداری جائز نہیں اور ان جیسا ادب و احترام کسی اور کیلئے جائز نہیں۔ اب آج کا مسلمان سوال کرے گا کہ آج تو رسول اللہﷺ جسمانی طور پر ہم میں موجود نہیں تو ہم عزت و تکریم کیسے بجا لائیں ؟ تو ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہﷺ کی تعلیمات، حدیث و سنت اور سیرت موجود ہے جو بلکل وہی احترام کا حق رکھتا ہے جو رسول اللہﷺ کی موجودگی کا تھا۔ مثلاً کہ رسول اللہﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ نماز ویسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھو (صحیح بخاری : ۶۰۰۸)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر کی حدیث (رفع الیدین کے متعلق) حسن صحیح ہے اور اس باب میں **سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا علی بن ابی طالب،** سیدنا وائل بن حجر، سیدنا مالک بن حویرث، سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابوہریرہ، سیدنا ابوحمید، سیدنا ابواسید، سیدنا سہل بن سعد، سیدنا محمد بن مسلمہ، سیدنا ابوقتادۃ، سیدنا ابوموسیٰ اشعری، سیدنا جابر بن عبداللہ اور سیدنا عمیر لیثی رضی اللہ عنہم سے بھی صحیح احادیث آئی ہیں، یہی صحابہ کرام میں سے بعض اہل علم جن میں سیدنا عبداللہ ابن عمر، سیدنا عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں اور تابعین میں سے حسن بصری، عطاء، طاؤس، مجاہد، نافع، سالم بن

عبداللہ، سعید بن جبیر وغیرہ کہتے ہیں، اور یہی مالک، معمر، اوزاعی، ابن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ بھی کہتے ہیں۔ (جامع ترمذی : ۲۵۶)

رسول اللہﷺ کا واضح حکم اور رسول اللہﷺ کا عمل ثابت ہونے کے بعد بھی اگر کوئی شخص کسی غیر کی تقلید کرے گا تو بہت گھاٹا اٹھانے والا ہوگا کیونکہ وہ رسول اللہﷺ کے فرمان کو چھوڑ کر اپنے امام و پیشوا کے قول کو معتبر سمجھتا ہے۔ اگر یوں کہیں کہ یہ شرک فی الرسالت ہے تو غلط نہ ہوگا۔

اگلی بات جو اس آیت میں ربِ کعبہ نے فرمائی وہ یہ ہے کہ اگر رسول اللہﷺ تم لوگوں کی باتوں پر عمل کرنے لگ پڑیں تو یہ تم لوگوں کیلئے ہی نقصان دہ ہے۔ اگر ہم رسول اللہﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہﷺ صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے، جن میں سے بعض کو قبول کیا جاتا اور بعض کو رد۔ احکامِ الٰہی اور رسول اللہﷺ کے احکام و قوانین کو ہی حرفِ آخر ماننا ایمان ہے۔ جیسا کہ آگے اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسولﷺ بجا لانے والوں کے قلوب میں ایمان کو خشیتِ الٰہی اور عبادات کی لزت سے مزین کردیا اور ان کے دلوں میں ہر طرح کے گناہوں اور برائیوں کیلئے نفرت پیدا کردی گئی۔ بیشک ایسے لوگوں پر ہی اللہ رب العالمین نعمتیں نشاور کرتا ہے۔

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾

اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دیا کرو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

شانِ نزول :

رسول اللہﷺ ایک دفعہ امیر المنافقین عبد بن ابی ملعون کے یہاں ایک گدھے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم پیدل آپ کے ہمراہ تھے۔ جدھر سے آپ گزر رہے تھے وہ شور زمین تھی اور وہاں رسول اللہﷺ کی سواری نے پیشاب کردیا۔ جب نبی کریم ﷺ اس کے یہاں پہنچے تو وہ کہنے لگا ذرا آپ دور ہی رہئیے آپ کے گدھے کی بو نے میرا دماغ پریشان کر دیا ہے۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن رواحہ بولے کہ اللہ کی قسم ! رسول اللہﷺ کا گدھا تجھ سے زیادہ خوشبودار ہے۔ عبداللہ بن ابی کی طرف سے اس کی قوم کا ایک

شخص ان صحابی کی اس بات پر غصہ ہو گیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔ پھر دونوں طرف سے دونوں کے حمایتی مشتعل ہو گئے اور ہاتھا پائی، چھڑی اور جوتے تک نوبت پہنچ گئی۔ (صحیح بخاری : ۲۶۹۱)

تفسیر :

اسلام خیر خواہی کا نام ہے اور انسانیت کی بھلائی کے لیے کوئی بھی کام سر انجام دینا اسلام کا پیغام ہے۔ سیدنا ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو محفوظ سمجھیں۔“ (جامع ترمذی : ۲۶۲۷)

اسلام ایک پرامن مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو اتحاد و اتفاق کا درس دیتا اور باہمی لڑائی جھگڑوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر دو مسلمانوں میں اختلاف ہوجائے تو ان کے درمیان صلح کروانے کا حکم قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بکثرت مقامات پر دیا گیا ہے اور اس کے بہت فضائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔

• رسول اللہﷺ کا فرمانِ مقدس ہے کہ سب سے افضل صدقہ روٹھے ہوئے لوگوں میں صلح کرادینا ہے۔ (الترغیب والترہیب: ۶)

• کیا میں تمہیں روزہ، نماز اور صدقہ سے بھی افضل عمل نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی یا رسول اللہﷺ، ضرور بتائیے۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا وہ عمل آپس میں روٹھنے والوں میں صلح کرادینا ہے کیونکہ روٹھنے والوں میں ہونے والا فساد بھلائی کو ختم کردیتا ہے۔ (اور اس کے برعکس) آپس کے میل جول اور روابط میں پھوٹ ڈالنا (دین کو) نقصان دینے والی خصلت ہے۔ (سنن ابو داؤد : ۴۹۱۹)

• رسول اللہﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کے درمیان صلح کرائے گا، اللہ اس کا معاملہ درست فرما دے گا اور اسے ہر کلمہ بولنے پر ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا اور جب وہ لوٹے گا تو اپنے پچھلے گناہوں سے مَغفرت یافتہ ہو کر لوٹے گا۔ (الترغیب والترہیب : ۹)

• سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا '' ہر پیر اور جمعرات کو بندوں کا نامہ اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوتا ہے اور جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں تو ہر وہ بندہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو اسے بخش دیا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان بغض اور ناراضی ہو۔ تو حکمِ الٰہی آتا ہے کہ انہیں مہلت دو حتیٰ کہ صلح کر لیں۔

امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ نبیﷺ نے اپنی بعض ازواج سے چالیس دن تک میل جول چھوڑ دیا تھا اور سیدنا عبداللہ ابن عمر نے مرنے تک اپنے ایک بیٹے سے مقاطعہ کیے رکھا تھا۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں الغرض یہ مقاطعہ اور میل جول چھوڑنا اگر اللہ کے لیے ہو تو اس پر یہ وعیدیں نہیں ہیں۔ (سنن ابو داؤد : ۴۹۱۶)

• رسول اللہﷺ نے فرمایا صرف تین جگہ پر جھوٹ جائز اور حلال ہے، ایک یہ کہ آدمی اپنی بیوی سے بات کرے تاکہ اس کو راضی کر لے، دوسرا جنگ میں جھوٹ بولنا اور تیسرا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔ (جامع ترمذی : ۱۹۳۹)

• جناب حمید بن عبدالرحمن اپنی والدہ (ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا جس شخص نے دو آدمیوں میں صلح کرانے کی خاطر بات بنا کر کہی ہو، اس نے جھوٹ نہیں بولا۔ احمد بن محمد اور مسدد کی روایت کے الفاظ ہیں کہ جس نے لوگوں میں صلح کرانے کے لیے بھلی بات کہی یا پہنچائی وہ جھوٹا نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد : ۴۹۲۰) مزید تفصیل سے یہی متن اگلی روایت میں موجود ہے۔

• رسول اللہﷺ نے جھوٹ کی کہیں اجازت نہیں دی مگر تین مواقع پر۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے میں ایسے آدمی کو جھوٹا شمار نہیں کرتا جو لوگوں میں صلح کرانے کی غرض سے کوئی بات بناتا ہو اور اس کا مقصد سوائے صلح اور اصلاح کے کچھ نہ ہو اور جو شخص لڑائی میں کوئی بات بنائے اور شوہر جو اپنی بیوی سے یا بیوی اپنے شوہر کے سامنے کوئی بات بنائے۔

اب یہ تو ہوگئے صلح کے فضائل و کمالات، اب ہم دیکھتے ہیں اس آیت میں صلح کا صحیح طریقہ اور وہ یہ ہے کہ

إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

یعنی صلح کرتے وقت دونوں فریقین کی روداد سنی جائے اور اگر ان میں کسی نے دوسرے کے ساتھ ناانصافی کی ہو تو اس کو انصاف دلانے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کی جائے۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا صلح ہر مسلمان کے درمیان نافذ ہو گی سوائے ایسی صلح کے جو کسی حلال کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال۔ اور مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔ سوائے ایسی شرط کے جو کسی حلال کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال۔ (جامع ترمذی : ۱۳۵۲)

ہمارے معاشرے میں ہوتا یہ ہے کہ اگر کوئی با اثر فرد سے کوئی جرم ہو جائے تو اسکے مخالف کو کہا جاتا ہے کہ چھوڑو بھائی معاف کر دو اس سے غلطی ہوگئی ہے۔ ایک پنجابی جملہ استعمال کیا جاتا ہے " مٹی پاؤ " یہ کہہ کر معاملہ دبا دیا جاتا ہے، جس سے مجرم کو مزید تقویت ملتی ہے اور وہ اپنے جرم کی سزا سے عبرت حاصل نہ کرنے کی وجہ مزید جرائم کرنے سے نہیں رکتا۔

مخزومیہ خاتون (فاطمہ بنت اسود) جس نے (غزوہ فتح کے موقع پر) چوری کر لی تھی، اس کے معاملہ نے قریش کو فکر میں ڈال دیا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس معاملہ پر رسول اللہﷺ سے گفتگو کون کرے ! آخر یہ طے پایا کہ اسامہ بن زید آپﷺ کو بہت عزیز ہیں لہٰذا ان کے سوا اور کوئی اس کی ہمت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسامہ نے آپﷺ سے اس بارے میں کچھ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے اسامہ ! کیا تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتا ہے؟ پھر آپﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا (جس میں) آپﷺ نے فرمایا کہ پچھلی بہت سی امتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان کا کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور

اللہ کی قسم ! اگر فاطمہ بنت محمدﷺ بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔ (صحیح بخاری : ۳۴۷۵)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾

(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تفسیر :

یہ پچھلے حکم ہی کی تاکید ہے۔ یعنی جب مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ قرآن مجید میں پانچ بار مومنوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا ہے اور ان کے درمیان جو رشتہ ہے وہ ایمان سے ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں بلکہ ایک دوسرے کے دست وبازو، ہمدرد وغم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کرکے انہیں آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے کہ اگر ہم حقیقی طور پر اپنے مومن بھائی کو اپنا بھائی مان لیں تو جھگڑا کیسا ؟ ہم اس کے خیر و عافیت کا خیال رکھیں اور وہ ہماری، ہم اسکا بھلا چاہیں اور وہ ہمارا۔ تو جھگڑا کیسا ؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾

اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو ایمان کے بعد فسق برا نام ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔

تفسیر :

اس آیت میں اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے سب سے پہلا سبق جو دیا گیا، وہ یہ ہے کہ کسی کا مزاق نہ اڑایا جائے، عزت نہ اچھالی جائے، خصوصاً عورتیں چغلی کرنے سے پرہیز کریں، کسی کا تمسخر نہ اڑائیں۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ وہ پیلو کے درخت سے مسواک توڑ رہے تھے، ان کی پنڈ لیاں کمزور تھیں، ہوا چلنے کی وجہ سے کپڑا اڑنے لگا تو لوگ ان کی باریک پنڈلیوں کو دیکھ کر

ہنسنے لگ گئے، رسول اللہﷺ نے پوچھا تم کس بات پہ ہنس رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ان کی کم زور پنڈلیوں کو دیکھ کر ہنسی آرہی ہے۔ نبی کریمﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ پنڈلیاں ترازو میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱۱۸۲۹)

اس آیت اور اس حدیث سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کسی کے ظاہر کو دیکھ کر اسے کوئی برا خیال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ جو شخص بظاہر جیسا بھی ہو، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت مقام ہو، بلکہ اس حدیث مبارکہ سے یہ بات مزید واضح ہو جائے گی کہ سیدنا سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریمﷺ کے سامنے سے گزرا تو آنحضرتﷺ نے سیدنا ابوذر غفاری سے (جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے) پوچھا کہ اس شخص (گزرنے والے) کے متعلق تم کیا کہتے ہو ؟ انہوں نے کہا کہ یہ معزز لوگوں میں سے ہے اور اللہ کی قسم ! یہ اس قابل ہے کہ اگر یہ پیغام نکاح بھیجے تو اس سے نکاح کر دیا جائے، اگر یہ سفارش کرے تو ان کی سفارش قبول کر لی جائے۔ بیان کیا کہ آنحضرتﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ایک دوسرے صاحب گزرے، آنحضرتﷺ نے ان سے ان کے متعلق بھی پوچھا کہ ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ انہوں نے کہا، یا رسول اللہﷺ ! یہ صاحب مسلمانوں کے غریب طبقہ سے ہیں اور یہ ایسے ہیں کہ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجیں تو ان کا نکاح نہ کیا جائے، اگر یہ کسی کی سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر کچھ کہیں تو ان کی بات نہ سنی جائے۔ آنحضرتﷺ نے اس کے بعد فرمایا اللہ کے

نزدیک اس مالدار شخص جیسے لوگوں سے دنیا بھی بھر دی جائے تو یہ غریب شخص بہتر ہوگا۔ (صحیح بخاری : ۶۴۴۷)

جیسا کہ ہم نے پڑھا کہ ہمیں کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیا پتہ اللہ کے ہاں اس کا مقام کیا ہے، بلکل ایسے ہی ہو سکتا ہے ہم جس کسی کو نیک و صالح سمجھ رہے ہیں، ولی اللہ سمجھ رہے ہیں اس کی خلوتوں میں کیا ہے ؟ اللہ رب العزت کے ہاں اس کا کیا مقام ہے۔ تو اس سب کا بہتر حل ہمیں اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابوھریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اللہ کے بندے بن جاؤ جو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ مسلمان (دوسرے) مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے اور پھر آپﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کیا اور فرمایا تقویٰ یہاں ہے، (پھر فرمایا) کسی آدمی کے برے ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر (دوسرے) مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہیں۔ (صحیح مسلم : ۲۵۶۴)

اب اس آیت کے اگلے حصے میں آتا ہے کہ ہمیں کسی کے عیب نہیں ٹٹولنے چاہیئے۔ موجودہ دور میں ہماری اخلاقی برائیوں میں سے ایک برائی یہ بھی ہے کہ ہم لوگ ہمہ وقت دوسروں کے ایوب و نقائص اور ان کی کمیوں اور کوتاہیوں کے ٹٹولنے کے در پے لگے رہتے ہیں۔ جو ہی کسی کی کوئی برائی یا عیب ہمارے ہاتھ لگتا ہے ہم اسے پھیلانے میں لگ جاتے ہیں اور دوسرے کی تضحیک و استہزاء سے اپنے نفس کو سکون مہیا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی گھٹیا اور رزیل صفت ہے جو ہمارے معاشرے میں بڑی تیزی کے ساتھ سرایت

کرتی جا رہی ہے۔ اسلام نے مسلمان بھائی کے عیب و نقص اور اس کی کمیوں و کوتاہی کو چھپانے اور اس سے چشم پوشی کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو ظاہر کرنے اور اس کی پردہ دری شدید نفرت اور سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔

جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی برہنگی چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی برہنگی چھپائے گا۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا پردہ فاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا پردہ فاش کرے گا حتی کہ اسے اس کے گھر کے اندر رسوا کر دے گا۔

(سنن ابن ماجہ : ۲۵۴۶)

رسول اللہﷺ نے فرمایا : جو شخص دنیا میں کسی کے عیب چھپائے گا، بروزِ حشر اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپائے گا۔ (صحیح مسلم : ۶۴۹۰)

اب اس آیت مبارکہ کے اگلے حصے میں آتا ہے کہ ایک دوسرے کو برے القابات سے نہ پکارو یعنی ایسے نام جس سے پکارے جانے والا شخص برا محسوس کرے۔ بعض اوقات کچھ القابات ایسے ہوتے ہیں جن کا بظاہر تو معنی درست نہیں ہوتا لیکن اس بندے کو اچھا لگتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ کو ابو تراب یعنی مٹی والا کہا جاتا تھا، سیدنا عبد اللہ بن مسعود کو صاحب النعلین یعنی جوتیاں اٹھانے والا کہا جاتا تھا، سیدنا عبد الرحمن بن صخر کو ابو ھریرہ یعنی بلیوں والا کہا جاتا تھا۔

ان سب القابات کے پیچھے بہت میٹھے میٹھے واقعات ہیں۔ سہل بن سعد روایت کرتے ہیں ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ مروان بن حکم

ملعون سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب کو بر سرِ مبنرِ مدینہ برس بھلا کہہ رہا تھا اور انہیں تضحیک آمیز لہجے میں ابو تراب کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ تو میں نے اس کو ٹوکا اور بتایا کہ سیدنا علی المرتضیٰ کو اپنے ناموں میں ''ابوالتراب'' بہت پسند تھا اور اس نام سے پکارے جانے سے بہت خوش ہوتے تھے کیونکہ یہ نام نبی کریم ﷺ کا ہی رکھا ہوا تھا۔ تو مروان بن حکم ملعون نے یہ واقعہ دریافت کیا تو میں نے بتایا کہ رسول اللہﷺ سیدہ فاطمہ کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ سیدنا علی گھر میں موجود نہیں ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے چچا کے بیٹے کہاں ہیں ؟ انہوں نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ناگواری پیش آ گئی اور وہ مجھ پر خفا ہو کر کہیں باہر چلے گئے ہیں اور میرے یہاں قیلولہ بھی نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہﷺ نے ایک شخص سے کہا کہ علی کو تلاش کرو کہ کہاں ہیں ؟ وہ آئے اور بتایا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ پھر نبی کریمﷺ تشریف لائے۔ سیدنا علی لیٹے ہوئے تھے، چادر آپ کے پہلو سے گر گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی۔ رسول اللہﷺ جسم سے دھول جھاڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے اٹھو ابوتراب اٹھو۔ (صحیح بخاری ۴۴۱، ۳۷۰۳، ۶۲۰۴، ۶۲۸۰)

اس آیت مبارکہ میں ایسے القابات مراد نہیں جس سے اس شخص کی دل آزاری ہو البتہ اس سے بعض وہ صفاتی نام بعض حضرات کے نزدیک مستثنیٰ ہیں جو کسی کے لئےمشہور ہو جائیں اور وہ اس پر اپنے دل میں رنج بھی محسوس نہ کریں، جیسے لنگڑے پن کی وجہ سے کسی کا نام لنگڑا پڑ جائے، کالے رنگ کی بنا پر کالیا یا کالو مشہور ہو جائے۔ یعنی اپنےطور پر استہزا اور تحقیر کے لئے لوگوں کے ایسے نام رکھ لینا جو انہیں ناپسند ہوں۔ یا اچھے بھلے ناموں کو

بگاڑ کر بولنا، یہ تنابز بالالقاب ہے، جس کی یہاں ممانعت کی گئی ہے یا قبول اسلام اور توبہ کےبعد اسے سابقہ دین یا گناہ کی طرف منسوب کرکے خطاب کرنا، مثلاً اے کافر، اے زانی یا شرابی وغیرہ۔

بیشک اہل ایمان کا یہ شیوا نہیں اور ایمان کے بعد فسق ہے جو کہ سچ میں بہت برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

اے ایمان والو! بہت بد گمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بد گمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم کسی کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر :

ہم نے آیت نمبر ۹ اور ۱۰ میں پڑھا کہ لڑائی سے بعض رہنا چاہیئے اور اگر کوئی خدا نخواستہ لڑائی میں پڑ بھی جائے تو ان میں صلح

کروا دیں۔ اب اس آیت مبارکہ میں کچھ اعمالِ بد بیان ہوئے ہیں جو لڑائی کی وجہ بنتے ہیں۔

- برا گمان
- تجسس کرنا
- غیبت کرنا

زیادہ تر لڑائیوں کی بنیاد غلط گمان، بلاوجہ کی جاسوسی اور غیبت کرنا ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پچھلی آیت کی تفسیر میں سیدنا سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریمﷺ کے سامنے سے گزرا تو آنحضرتﷺ نے سیدنا ابوذر غفاری سے (جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے) پوچھا کہ اس شخص (گزرنے والے) کے متعلق تم کیا کہتے ہو ؟ انہوں نے کہا کہ یہ معزز لوگوں میں سے ہے اور اللہ کی قسم ! یہ اس قابل ہے کہ اگر یہ پیغام نکاح بھیجے تو اس سے نکاح کر دیا جائے، اگر یہ سفارش کرے تو ان کی سفارش قبول کر لی جائے۔ بیان کیا کہ آنحضرتﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ایک دوسرے صاحب گزرے، آنحضرتﷺ نے ان سے ان کے متعلق بھی پوچھا کہ ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ انہوں نے کہا، یا رسول اللہﷺ ! یہ صاحب مسلمانوں کے غریب طبقہ سے ہیں اور یہ ایسے ہیں کہ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجیں تو ان کا نکاح نہ کیا جائے، اگر یہ کسی کی سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر کچھ کہیں تو ان کی بات نہ سنی جائے۔ آنحضرتﷺ نے اس کے بعد فرمایا اللہ کے

نزدیک اس مالدار شخص جیسے لوگوں سے دنیا بھی بھر دی جائے تو یہ غریب شخص بہتر ہوگا۔ (صحیح بخاری : ۶۴۴۷)

اس حدیث سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ ہمیں کسی کے بارے میں اچھا یا برا گمان نہیں کرنا چاہیے۔ درحقیقت اس بندے کی اصلیت کیا ہے یہ تو بس اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہے، بلکہ سیدنا اسامہ بن زید (جو کہ رسول اللہﷺ کے بہت ہی زیادہ لاڈلے صحابی تھے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ہمیں ایک چھوٹے سے لشکر میں (جنگ کے لیے) بھیجا، ہم نے صبح صبح قبیلہ جہینہ کی شاخ حرقات پر حملہ کیا، میں نے ایک مشرک پر قابو پا لیا تو اس نے لا إله إلا اللہ کہہ دیا لیکن میں نے اسے نیزہ مار دیا۔ اس بات سے میرے دل میں کھٹکا پیدا ہوا تو میں نے اس کا تذکرہ نبی کریمﷺ سے کیا، اس پر رسول اللہﷺ نے فرمایا کیا اس نے لا إله إلا اللہ کہا اور تم نے اسے قتل کر دیا ؟؟؟ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ! اس نے اسلحے کے ڈر سے کلمہ پڑھا، آپ نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے (دل سے) کہا ہے یا نہیں. پھر آپ میرے سامنے مسلسل یہ بات دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ (کاش) میں آج ہی اسلام لایا ہوتا اور اسلام لانے کی وجہ سے اس کلمہ گو کے قتل کے عظیم گناہ سے بری ہو جاتا۔ (صحیح مسلم : ۲۷۷، ۲۷۸)

ایک اور طرق میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ رسول اللہﷺ نے سیدنا اسامہ بن زید فرمایا کیا تم نے اسے قتل کر دیا ؟ اسامہ نے کہا جی ہاں ! تو رسول اللہﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جب لا إله إلا اللہ (تمہارے سامنے) آئے گا تو اس کا کیا کرو گے ؟ تو اسامہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ! میرے لیے بخشش طلب کیجیے۔ لیکن

آپ نے پھر فرمایا قیامت کے دن جب (تمہارے سامنے کلمہ) لا إله إلا الله آئے گا تو اس کا کیا کرو گے ؟ (سیدنا جندب بن عبداللہ نے) کہا رسول اللہﷺ ان سے مزید کوئی بات نہیں کر رہے تھے، یہی کہتے جا رہے تھے کہ قیامت کے دن لا إله إلا الله (تمہارے سامنے) آئے گا تو اس کا کیا کرو گے ؟ (صحیح مسلم : ۲۷۹) (سنن ابو داؤد : ۲۶۴۳)

یہ مکمل واقعہ ہی سیدنا اسامہ بن زید کے گمان پر ہے کہ انہیں گمان ہوا کہ اس مشرک نے اسلحے سے ڈر کر، موت کو سامنے دیکھ کر کلمہ پڑھ دیا۔ تو اس سے یہی سبق ملتا ہے کہ گمان کرنے سے بچا جائے۔

دوسری بات جو اس آیت مبارکہ میں آئی وہ یہ ہے کہ تجسس میں نہیں پڑنا چاہئیے، کسی کے معاملے کی ٹوہ میں نہیں پڑنا چاہئیے۔ اس کی بہترین مثال ہمیں سیدنا عبداللہ بن مسعود سے ملتی ہے کہ جناب زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک آدمی لایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ فلاں آدمی ہے اور اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ تو عبداللہ نے کہا ہمیں ٹوہ لگانے سے منع کیا گیا ہے، ہاں اگر کوئی بات واضح ظاہر ہوتو ہم اس کا مواخذہ کریں گے۔ (سنن ابو داؤد : ۴۸۹۰)

جناب معاویہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کے باطن اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہو گا تو، تو انہیں بگاڑ دے گا، یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کر دے۔ (سنن ابو داؤد : ۴۸۸۸)

اس آیت مبارکہ کے اتنے سے حصے کو سمجھنے اور عمل کرنے کیلئے رسول اللہﷺ کا ایک فرمان ہی کافی ہے کہ سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا بدگمانی سے دور رہو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے، دوسروں کے ظاہری عیب تلاش کرو نہ دوسروں کے باطنی عیب ڈھونڈو، مال و دولت میں ایک دوسرے کے ساتھ مسابقت نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو اور اللہ کے ایسے بندے بن کر رہو جو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (صحیح مسلم : ۲۵۶۳) (صحیح بخاری : ۶۰۶۴)

اب تیسری چیز جس سے رب العالمین نے منع فرمایا، وہ ہے غیبت۔ اب سب سے پہلا سوال کہ غیبت اصل میں ہے کیا ؟ سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے ؟ انہوں (صحابہ) نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔ عرض کی گئی کہ آپ یہ دیکھیے کہ اگر اس میں وہ بات واقعی موجود ہو جو میں کہتا ہوں تو ؟ آپ نے فرمایا جو کچھ تم کہتے ہو، اگر اس میں موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی ، اگر اس میں وہ (عیب) موجود نہیں تو تم نے اس پر بہتان لگایا ہے۔ (جو کہ اس سے بڑا گناہ ہے) (صحیح مسلم : ۲۵۸۹)

غیبت کا تو پتہ چل گیا، اب عام ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر کوئی ہم سے کسی کے بارے رائے مانگے یا کسی کا تزکرہ چھڑ جائے تو ایسی صورت میں کیا کریں، آئیں یہ بھی رسول اللہﷺ سے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس خود بیان کرتی ہیں کہ میں نے آپﷺ کو بتایا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم، دونوں نے مجھے

نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ اس پر رسول اللہﷺ نے فرمایا ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتا اور رہا معاویہ تو وہ انتہائی فقیر ہے، اس کے پاس کوئی مال نہیں۔ تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔ میں نے اسے ناپسند کیا، آپ نے پھر فرمایا اسامہ سے نکاح کر لو۔ تو میں نے ان سے نکاح کر لیا، اللہ نے اس میں خیر ڈال دی اور اس کی وجہ سے مجھ پر رشک کیا جانے لگا۔ (صحیح مسلم : ۱۴۸۰)

لہٰذا اس حدیث مبارکہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کسی کی بھلائی کیلئے اس کو کسی کے بارے آگاہی دینا کوئی بری بات نہیں، بیشک اللہ نیتوں کو جاننے والا، سمجھنے والا ہے۔

سیدنا ابوبرزہ اسلمی سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا اے لوگو ! جو اپنی زبانوں سے ایمان لائے ہو مگر ایمان ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے ! مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور نہ ان کے عیبوں کے درپے ہوا کرو، بلاشبہ جو ان کے عیبوں کے درپے ہو گا اللہ بھی اس کے عیبوں کے درپے ہو گا اور اللہ جس کے عیبوں کے درپے ہو گیا تو اسے اس کے گھر کے اندر رسوا کر دے گا۔

(سنن ابو داؤد : ۴۸۸۰)

رسول اللہﷺ نے دو لوگوں کو کسی کی غیبت کرتے سنا۔ پھر آپﷺ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے تھوڑی دیر بعد آپﷺ نے دیکھا کہ راستے میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھائی، انہوں نے کہا یا رسول اللہﷺ ! کیا یہ کھانے کے قابل ہے؟ آپﷺ نے فرمایا ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی بدی بیان کی تھی وہ اس سے بھی زیادہ بری چیز تھی۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ شخص

جسے تم نے برا کہا تھا وہ تو اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطےلگارہا ہے۔ (سنن نسائی الکبریٰ : ۷۱۶۴)

رسول اللہﷺ نے فرمایا غیبت کرنے، طعنے دینے، چغلی کھانے اور لوگوں کے عیب تلاش کرنے والوں کو اللہ پاک (روزِ قیامت) کتّوں کوشکل میں اُٹھائے گا۔ (الترغیب و الترہیب : ۱۰)

اب اگر بہت پرہیز کرنے کے بعد بھی کسی مسلمان بھائی سے یہ گناہ سرزد ہو جائیں تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے ؟ رسول اللہﷺ فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لینا، حسد کرنا اور بدگمانی کرنا، ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول ! پھر ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کرے تو استغفار کر لے، جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر اور جب شگون لے خواہ نیک نکلے، خواہ بد اپنے کام سے نہ رک اسے پورا کر۔ (المعجمم الکبیر الطبرانی : ۳۷۲۷)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں با عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔

تفسیر :

پچھلی آیات مبارکہ میں خداِ ذوالجلال والاکرام نے صرف اہل ایمان کو مخاطب کیا، اب ربِ کریم نے اس آیت میں تمام انسانیت کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے یعنی سیدنا آدم و حوا سے اور پھر تمہیں قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کردیا تاکہ تم آپس میں اس کو پہچان کا ذریعہ بنا سکو۔ اللہ رب العالمین یہاں اشارتاً اس تکبر و غرور کا تزکرہ کررہے ہیں جو ہم انسان خاندانوں، قبیلوں اور حسب و نسب پر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور کسی فرد کو بھی کسی دوسرے پر کوئی فوقیت و فضیلت نہیں دی۔ خطبہ حجتہ الوداع سے بہتر اس آیت مبارکہ کی کوئی تفسیر نہیں ہوسکتی۔ ابو نضرة کہتے ہیں مجھے یہ بیان اس صحابی نے بتایا جس نے ایام تشریق کے وسط میں رسول اللہﷺ کا خطبہ سنا تھا، رسول اللہﷺ نے فرمایا اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ آدم بھی ایک ہے، خبردار ! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگرتقویٰ کےساتھ۔ (مسند احمد بن حنبل : ۴۵۶۸)

رسول اللہﷺ سے ایک بار پوچھا گیا کہ یا رسول اللہﷺ ! سب سے زیادہ عزت والا کون ہے ؟ حضورﷺ نے فرمایا کہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم آپ سے اس کے

متعلق نہیں پوچھتے۔ حضور کریمﷺ نے فرمایا پھر اللہ کے نبی یوسف بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ (سب سے زیادہ شریف ہیں)۔ صحابہ نے کہا کہ ہم اس کے متعلق بھی نہیں پوچھتے۔ حضور کریمﷺ نے فرمایا کہ اچھا عرب کے خاندانوں کے متعلق تم پوچھنا چاہتے ہو تو سنو جو جاہلیت میں شریف تھے اسلام میں بھی وہ عزت والے ہیں اگر انہیں دین کی سمجھ آجائے۔ (صحیح بخاری : ۳۳۵۳)

جیسا کہ درجہ بالا آیت میں اور اس حدیث میں بیان ہے کہ کسی بھی فرد کو کسی دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر تقویٰ کے ساتھ۔ تقویٰ کا مطلب ہے پرہیز گاری، نیکی اور ہدایت کی راہ۔ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد دل کو گناہوں سے جھجک معلوم ہونے لگتی ہے اور نیک کاموں کی طرف اس کو بے تابانہ تڑپ ہوتی ہے، خدا کو تقوی پسند ہے۔ ذات پات یا قومیت وغیرہ کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔ تقویٰ کے تین درجے ہیں، ادنیٰ درجہ، اوسط درجہ اور اعلیٰ درجہ۔

ادنیٰ درجے سے مراد ہے کہ برائی کو دل سے برا ماننا اور خوفِ خدا کے سبب ان سے پرہیز کرنا۔

اوسط درجے سے مراد ہے کہ تمام گناہوں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنا، خواہ صغیرا ہوں یا کبیرا۔

اعلیٰ درجے سے مراد ہے کہ ہر اس شے کو خود سے دور کردیا جائے جو اللہ رب العزت کی یاد سے غافل کرنے والی ہو۔

ایسے لوگوں کیلئے اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ

قُلۡ اَؤُنَبِّئُكُمۡ بِخَيۡرٍ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا عِنۡدَ رَبِّہِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡہَا وَ اَزۡوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ وَّ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ

آپ کہہ دیجئے! کیا میں تمہیں اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب تعالٰی کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالٰی کی رضامندی ہے، سب بندے اللہ تعالٰی کی نگاہ میں ہیں۔ (ال عمران : ۱۵)

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوۡنٍ

بیشک تقوی رکھنے والےجنتوں اور چشموں میں ہوں گے۔

(الذاریات : ۱۵)

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۴﴾

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا، تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

شانِ نزول :

یہ آیت قبیلہ بنی اسد کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ یہ لوگ قحط سالی سے پریشان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت مدینہ آگئے اور بظاہر اسلام قبول کرلیا اور رسول اللہﷺ سے کہا کہ فلاں فلاں قبیلے آپ کے پاس اپنی سواریوں پر آئے اور ہم تو آپ کے پاس اپنے بال بچوں سمیت آگئے ہیں اور ہم نے فلاں فلاں قبیلوں کی طرح آپ سے جنگ نہیں کی ہے اور اس احسان جتانے سے ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ صدقہ حاصل کرنا تھا، تو یہ آیت ان کی ایمانی تربیت کے لئے نازل ہوئی۔

تفسیر :

جیسا کہ ہم نے پڑھا کہ بنی اسد کے کچھ دیہاتی/اعرابی/بدو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہﷺ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں، اس لئے ہم مومن ہیں اور ہر اکرام و عزت افزائی کے مستحق ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق رسول اللہﷺ سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ اس لئے کہ ایمان اعتقاد قلب، خلوص نیت اور حصول اطمینان کا نام ہے، تم لوگ یہ

کہو کہ ہاں ہم لوگ غلامی اور قتل کے ڈر سے یا صدقہ کی لالچ میں ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہوگئے ہیں اور یہ صفت منافقین کی سی ہے۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ سرے سے مسلمان ہی نہیں تھے یا پھر جماعت المنافقین میں سے تھے بلکہ وہ لوگ نو مسلم تھے، جنہوں نے تازہ تازہ اسلام قبول کیا تھا اور عملاً مسلمانوں میں شریک ہوئے تھے لیکن لذتِ ایماں ان کے دلوں نے محسوس نہیں کی تھی۔ ایمان ایک ایسی چیز نہیں جو جب چاہی قبول کرلی اور جب چاہی ترک کردی، بلکہ یہ دلوں کی اس کیفیت کا نام ہے کہ جب آپ کے اعتقادات میں کسی بھی قسم کا شک و شبہ نہ رہے اور اپنے اعتقادات کی لزت کو محسوس کریں۔ یہ آیت اس کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابوھریرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہﷺ لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پاک کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس (اللہ) کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ پھر اس نے پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ آپﷺ نے پھر جواب دیا کہ اسلام یہ ہے کہ تم خالص اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ فرض ادا کرو۔ اور رمضان کے روزے رکھو۔ پھر اس نے احسان کے متعلق پوچھا۔ آپﷺ نے فرمایا احسان یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ رسول اللہﷺ نے

فرمایا کہ اس کے بارے میں جواب دینے والا پوچھنے والے سے کچھ زیادہ نہیں جانتا (البتہ) میں تمہیں اس کی نشانیاں بتلا سکتا ہوں۔ وہ یہ ہیں کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور جب سیاہ اونٹوں کے چرانے والے (دیہاتی لوگ ترقی کرتے کرتے) مکانات کی تعمیر میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے (یاد رکھو) قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے کہ وہ کب ہو گی (آخر آیت تک) پھر وہ پوچھنے والا پیٹھ پھیر کر جانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے واپس بلا کر لاؤ۔ لوگ دوڑ پڑے مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبرائیل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ (صحیح بخاری : ۵۰)

اس حدیث مبارکہ کو پڑھنے کے بعد ایمان و اسلام کا فرق کھل کر واضح ہو جاتا ہے۔ اب اس ہی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر یہ بھی بتایا کہ دلوں میں ایمان کے چراغ کیسے روشن کیے جائیں ؟ اس کا واحد حل ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ (النساء : ۵۹)

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا

جس کسی نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور اگر کوئی منہ موڑتا ہے تو ہم نے آپ کو ان پر پاسبان بناکر نہیں بھیجا۔ (النساء : ۸۰)

اب اس نصیحت کے بعد رب العالمین کمزور ایمان والے مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ اب بھی اگر تم اپنا رویہ درست کرلو اور دل و جان سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے لگو تو اللہ تمہارے سابقہ اعمال کا اجر تمہیں دے دے گا۔ اس میں کچھ کمی نہ کرے گا۔ اور تمہاری سابقہ خطائیں بھی معاف فرما دے گا۔

(دیکھیئے سورۃ الانفال: آیت ۱،۲۴، سورۃ آل عمران: ۳۱،۳۲،۱۳۲، سورۃ النساء: ۶۴،۶۵،۶۹،۸۰، سورۃ النور: ۵۴، سورۃ الاحزاب: ۳۶، سورۃ محمد: ۳۳، سورۃ الفتح: ۱۷، سورۃ الحشر: ۷) (حقیقت ایمان کی تفصیل اگلی آیت مبارکہ میں)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہیں یہی سچے اور راست گو ہیں۔

تفسیر :

ایمان کا بنیادی تقاضا جس کی بات پچھلی آیت مبارکہ میں ہوئی اس کی تفصیل یہاں موجود ہے کہ اللہ رب العزت اور اسکے رسولﷺ پر بغیر شک و شبہ کے ایمان لایا جائے اور جیسا کہ ہم نے ابھی پڑھا کہ ایمان لانے کا اصل مطلب کیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، جو حکم اللہ اور اس کا رسول دیں اسے بجا لائیں اور اس میں کمی بیشی نہ کریں۔ شرک و بدعت سے خود کو بچائیں۔ سیدنا اَنس بن مالک سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اُس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (صحیح بخاری : ۱۴)

اس حوالے سے قرآن عظیم میں بار بار اللہ تعالیٰ نے نصیحت فرمائی اور محدثین نے بھی احادیث کی کتب میں اس موضوع پر سینکڑوں باب بنائے، یہ موضوع ایسا ہے کہ اس پر آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ کے انبار لگائے جاسکتے ہیں، لیکن مزکورہ بالا حدیث اس آیت کی وضاحت کیلئے کافی ہے کیونکہ اس کے علاؤہ بقیہ اعتقادات اسی عقیدہ کی شاخیں ہیں، جب آپ کے دل میں حبِ مصطفیٰﷺ ہو گی تو آپ اپنے محبوب کی ہر بات بجا لائیں گے۔ پھر بھی حصولِ برکت کیلئے کچھ آیات قرآنیہ کا حوالہ پیش کر رہا ہوں۔

دیکھیے حقیقت ایمان فی آیت القرآن :

- سورة النساء : ۶۵، ۱۶۲
- سورة المائده : ۸۱
- سورة الانفال : ۱-۴
- سورة التوبہ : ۲۴، ۱۱۲
- سورة یونس : ۶۲-۶۳
- سورة النحل : ۱۰۶
- سورة المؤمنون : ۱-۱۱
- سورة النور : ۴۷، ۶۲
- سورة السجده : ۱۵
- سورة محمد : ۴
- سورة الحجرات : ۷
- سورة الحدید : ۲۱
- سورة الانعام : ۱۵۸
- سورة یونس : ۹۰-۹۲

حقیقت و اہمیت ایمان کے موضوع پر چند مختصر اور جامع کتب جنہیں میرے شیخ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے بہت ہی خوبصورت انداز سے اربعین کے انداز میں مرتب کیا :

- **الیاقوت و المرجان فی اوصاف الاسلام و الایمان**
- **تنویر الایمان فی محبۃ النبی المرتفع الشان**

- **نیل الرضوان فیما یتعلق بتصیل الایمان**
- **نور العرفان فیما یتعلق بتصیل الایمان**

قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾

آپ ان (بدوؤں) سے کہیئے کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جتلاتے ہو حالانکہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہیئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ جتاؤ، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر سچ بولنے والے ہو۔

تفسیر :

یہی بنو اسد کے اعرابی جن کا تزکرہ ہم نے پچھلی آیات میں پڑھا وہ نبی کریمﷺ کو کہتے کہ دیکھو ہم مسلمان ہو گئے اور آپﷺ کی مدد کی، جب کہ دوسرے آپﷺ سے بر سرِپیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا کہ تم اللہ کو اپنے دین وایمان سے آگاہ کر

رہے ہو؟ یا اپنے دلوں کی کیفیت اللہ کو بتلا رہے ہو؟ تم اللہ پر اسلام لانے کا احسان مت جتلاؤ اس لئے کہ اگر تم اخلاص سے مسلمان ہوئے ہو تو اس کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا، نہ کہ اللہ کو۔ اس لئے یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں قبول اسلام کی توفیق دے دی نہ کہ تمہارا احسان اللہ پر ہے۔

اس آیت میں آج کے دور کے وہ لوگ بھی مخاطب ہیں جو نیکی کرنے کے بعد اسے جتلاتے ہیں یا داد طلبی کی امید رکھتے ہیں، اصطلاحاً اسے ریاکاری کہا جاتا ہے اور ریاکاری شرک ہے اور شرک گناہِ کبیرہ ہے۔

سیدنا محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ فرمایا مجھے تم لوگوں پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے، وہ ہے شرک اصغر۔ تو رسول اللہﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کے بعد آپ کی اُمت شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں! وہ لوگ چاند سورج کی، پتھر اور بتوں کی پرستش نہیں کریں گے لیکن ریاکاری کریں گے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام کریں گے۔ (بلوغ المرام : ۱۵۲۷)

ریاکاری اصل میں ہے کیا ؟

بندے کا مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کچھ اور ہو، اس کی خواہش یہ ہو کہ لوگ اس کے کارنامے کو جانیں، اخلاص بالکل مقصود نہ ہو،تو یہ نفاق کی ایک قسم ہے اور توحید کے اعلی درجہ کے منافی ہے۔

بندہ اللہ کے لیے عبادت میں داخل ہو اور اللہ ہی کے لیے عبادت سے نکلے، پھر اس چیز کا لوگوں کو علم ہو جائے اور اس پر اس کی

تعریف ہو تو اس تعریف سے اس کے دل کو سکون و اطمینان حاصل ہو اور وہ مزید اس بات کی تمنا کرے کہ لوگ اس کی تعریف و توصیف کریں (یہ پوشیدہ ریاکاری پر دلالت کرتی ہے)۔

ریاکاری کی اقسام :

جسمانی ریاکاری :

جیسے کوئی شخص پیشانی پر پڑنے والے سجود کے نشانات، جنہیں عام طور پر محراب کہا جاتا، وہ دکھا کر لوگوں پر اثر ڈالے کہ میں بہت بڑا نمازی یا اور ہونٹوں کی پژمردگی سے بھی ہوتی ہے تا کہ لوگوں کو یہ شعور دے کہ وہ روزے سے یا بھوکا ہے۔

لباس کے ذریعے ریا کاری :

جیسے کوئی شخص پیوند لگے کپڑے پہنے یا اسلامی حلیہ اپنائے تا کہ لوگ کہیں کہ یہ دنیا سے بڑا بے رغبت انسان ہے، یا کوئی ایسا لباس پہنے جسے ایک خاص طبقے کے لوگ پہنتے ہوں جنہیں لوگ علما کی فہرست میں شمار کرتے ہوں۔

قولی ریاکاری :

یہ عام طور پر وعظ، نصیحت، نیز بحث و تکرار، مناظرہ اور علم کے اظہار کے لیے احادیث و آثار کے حفظ کے ذریعے دین داروں میں پائی جاتی ہے۔

عملی ریا کاری :

دکھاوے کے لیے نمازی کا نماز، رکوع اور سجدہ وغیرہ طویل کرنا اور خشوع و خضوع ظاہر کرنا، روزے، حج اور صدقہ میں ریا کاری وغیرہ۔

ساتھیوں کے ذریعے ریا کاری :

جیسے کوئی شخص بہ تکلف کسی عالم سے ملاقات کرے، تاکہ یہ کہا جائے کہ فلاں تو فلاں کی زیارت یا ملاقات کے لیے گیا تھا۔ اسی طرح اپنی زیارت کے لیے لوگوں کو دعوت دینا، تاکہ یہ محسوس ہو کہ دین دار لوگ اس کے پاس آتے ہیں۔

ریا کاری کی باریکیوں اور اسرار میں سے یہ بھی ہے کہ عمل کرنے والا اپنی نیکی چھپائے، اس طرح کہ وہ یہ نہ چاہے کہ لوگوں کو اس کی نیکیوں کی اطلاع ہو اور نہ اس کے ظاہر ہونے سے اسے خوشی ہی ہو، لیکن اس کے باوجود جب وہ لوگوں کو دیکھے تو اس کی خواہش یہ ہو کہ لوگ اس سے سلام کرنے میں پہل کریں، اس سے خندہ پیشانی اور احترام سے ملیں، اس کی تعریف و توصیف کریں، گرم جوشی سے اس کی ضرورت پوری کریں اور خرید و فروخت میں اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور اگر یہ سب کچھ نہ حاصل ہو تو اپنے دل میں رنج و تکلیف محسوس کرے، گویا وہ اپنی نیکیوں پر عزت و احترام کا طلب گار اور خواہش مند ہے۔

لہٰذا انسان کے لیے ضروری ہے کہ جب اس کی خواہش مدح وستائش کی آفت کی طرف آمادہ کرے تو اپنے نفس کو ریا کاری کی آفتوں

اور اللہ کی ناراضی کی یاد دلائے اور جسے لوگوں کی محتاجی اور کمزوری اور اللہ کی معرفت و عظمت کا علم ہوتا ہے وہ اللہ کی خاطر نیکیاں کرتا ہے اور اسی سے اجر کی امید رکھتا ہے۔

ریاکاری کے متعلق رسول اللہﷺ کے فرامین :

- ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جو شخص دکھلاوے کی خاطر نماز پڑھتا ہے تو اس نے شرک کیا، جو شخص دکھلاوے کی خاطر روزہ رکھتا ہے تو اس نے شرک کیا اور جو شخص دکھلاوے کی خاطر صدقہ کرتا ہے تو اس نے شرک کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۵۳۳۱)

- ایک دفعہ لوگ سیدنا ابوہریرہ کے پاس سے چھٹ گئے تو اہل شام میں سے ناتل بن قیس جزامی رئیس نے ان سے کہا شیخ! مجھے ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے رسول اللہﷺ سے خود سنی ہو، کہا ہاں، میں نے رسول اللہﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا قیامت کے روز سب سے پہلا شخص جس کے خلاف فیصلہ آئے گا، وہ شہید ہوگا جسے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید کردیا گیا ہوگا۔ اسے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی (عطا کردہ) نعمت کی پہچان کرائے گا تو وہ اسے پہچان لے گا۔ وہ پوچھے گا تو نے اس نعمت کے ساتھ کیا کیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں لڑائی کی حتی کہ مجھے شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا۔ تم اس لیے لڑے تھے کہ کہا جائے یہ شخص جری ہے اور یہی کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا تو اس آدمی کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا یہاں تک کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا اور وہ آدمی جس نے علم پڑھا، پڑھایا اور قرآن کی قرآت کی، اسے پیش کیا

جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا، وہ پہچان کر لے گا، وہ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے ساتھ کیا کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم پڑھا اور پڑھایا اور تیری خاطر قرآن کی قرآت کی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا، تو نے اس لیے علم پڑھا کہ کہا جائے یہ عالم ہے اور تو نے قرآن اس لیے پڑھا کہ کہا جائے یہ قاری ہے، وہ کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا، اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا حتی کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا اور وہ آدمی جس پر اللہ نے وسعت کی اور ہر قسم کا مال عطا کیا، اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا، وہ پہچان لے گا۔ اللہ فرمائے گا تم نے ان میں کیا کیا؟ کہے گا میں نے کوئی راہ نہیں چھوڑی جس میں تمہیں پسند ہے کہ مال خرچ کیا جائے مگر ہر ایسی راہ میں خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا ہے، تم نے یہ سب اس لیے کیا تاکہ کہا جائے، وہ سخی ہے، ایسا ہی کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا، تو اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، پھر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم : ۴۹۲۳) (جامع ترمذی : ۲۳۸۲) (سنن نسائی : ۳۱۳۹) (مسند احمد بن حنبل : ۹۷۱۴)

• سیدنا جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جو شخص شہرت کی خاطر کوئی عمل کرتا ہے تو (روز قیامت) اللہ اس شخص کو (لوگوں کے سامنے) ذلیل فرمائے گا (کہ اس نے اس نیت سے عمل کیا تھا) اور جو دکھلاوا کرتا ہے تو اللہ اسے (لوگوں کو) دکھلا دے گا (کہ یہ شخص ریا کار ہے)۔

(صحیح بخاری : ۶۴۹۹) (صحیح مسلم : ۷۴۷۷) (مشکوٰۃ شریف : ۵۳۱۶)

• سیدنا ابوسعید بن ابی فضالہ بیان کرتے ہیں کہ کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جب اللہ لوگوں کو روز قیامت، جس میں کوئی شک نہیں، (حساب کے لیے) جمع فرمائے گا تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ جس نے کسی ایسے عمل میں، جسے خالصتاً اکیلے اللہ کے لیے کیا جانا تھا، (لیکن پھر بھی اس نے) شریک بنایا تو وہ اپنا ثواب، اللہ کے علاوہ کسی اور سے طلب کرے۔ کیونکہ اللہ (دوسرے) تمام شریکوں کے مقابلے میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہے۔ (سنن ابن ماجہ : ۳۱۵۴)(جامع ترمذی: ۴۲۰۳)

• سیدنا عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص اپنے عمل کے متعلق لوگوں کو سناتا ہے تو اللہ اس کے متعلق اپنی مخلوق کے کانوں تک سنا دیتا ہے اور وہ اسے حقیر و ذلیل کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان : ۶۸۲۲) (مشکوٰۃ المصابیح : ۵۳۱۹)

• سیدنا عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ وہ ایک روز رسول اللہﷺ کی مسجد کی طرف آئے تو انہوں نے معاذ بن جبل کو نبی کریمﷺ کی قبر کے پاس روتا ہوا دیکھ کر ان سے پوچھا تمہیں کون سی چیز رلا رہی ہے ؟ انہوں نے فرمایا مجھے وہ چیز رلا رہی ہے جو میں نے رسول اللہﷺ سے سنی تھی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا معمولی سی ریاکاری بھی شرک ہے اور جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی رکھی تو وہ شخص اللہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے میدان میں اتر آیا، بے شک اللہ ایسے نیک، متقی اور گم نام لوگوں کو پسند کرتا ہے کہ جب وہ غائب ہوں تو انہیں تلاش نہ کیا جاتا ہو اور اگر موجود ہوں تو انہیں مدعو نہیں کیا

جاتا اور نہ انہیں قریب کیا جاتا ہے۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں، وہ ہر قسم کے گرد و غبار سے دور ہیں۔ (شعب الایمان : ۶۸۱۲)

(مشکوٰۃ المصابیح : ۵۳۲۸)

ان سب واضح فرامین کے بعد میرا نہیں خیال کہ کسی شرح و تفصیل کی ضرورت درکار ہے، بس اللہ کے آگے دعا ہے کہ ہمیں ریاکاری سے بچائے رکھے اور ہمیں خود بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری خلوتیں ہماری جلوتوں سے زیادہ تقویٰ و طہارت والی ہوں۔ اگر ہماری بھر پور خواہشوں کے بعد بھی ہمیں خود سے ریاکاری کا خوف ہو تو ہمیں خلوص قلب کے ساتھ یہ دعا پڑھنی چاہیے کہ

اَللّٰهُمَّ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَاغْفِرْلِیْ مَا لَا یَعْلَمُوْنَ (وَاجْعَلْنِیْ خَیْرًا مِّمَّا یَظُنُّوْنَ)

”اے اللہ! میری اس کی وجہ سے گرفت نہ فرمانا جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں اور مجھے وہ معاف فرما دے جو یہ نہیں جانتے اور مجھے اس سے زیادہ بہتر بنادے جو یہ (میرے بارے) میں گمان رکھتے ہیں۔“

(شرح صحیح الأدب المفرد للأیانی: ۵۸۵)(شعب الإیمان للبیهقی: ۴۸۷۶)

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کی ضرورت تو نہیں پھر بھی حصولِ برکت کیلئے قرآن عظیم سے ہی ایک آیت بیان کردیتا ہوں، جس سے اس آیت کا ربط پچھلی آیت سے کیا ہے، یہ بھی سمجھ آ جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا۔ بیشک وہی جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کا۔ (فاطر : ۳۸)

یہ آیت مبارکہ بھی پچھلی آیت کو مزید واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دلوں کے حال جانتا ہے، وہ جانتا ہے کہ تمہارے سجدے اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں یا کسی اور کیلئے، وہ جانتا ہے کہ تمہارے روزے اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں یا کسی اور کیلئے، وہ جانتا ہے کہ تمہارے صدقے اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں یا کسی اور کیلئے، وہ جانتا ہے کہ تمہاری دینداریاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں یا کسی اور کیلئے ہے۔

سُوْرَةُ قٓ

بِسْمِ اللَّـهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ﴿١﴾ بَلْ عَجِبُوا أَن جَاءهُمْ مُنذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا
شَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٢﴾ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ﴿٣﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا
تَنقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِندَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ﴿٤﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءهُمْ
فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍ ﴿٥﴾ أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاء فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا
وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ﴿٦﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا
مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿٧﴾ تَبْصِرَةً وَذِكْرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ﴿٨﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ
السَّمَاء مَاء مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ﴿٩﴾ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا
طَلْعٌ نَّضِيدٌ ﴿١٠﴾ رِزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ﴿١١﴾
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ
وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ
﴿١٤﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾
إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا
لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ وَجَاءتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ
﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾ وَجَاءتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا
سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءكَ
فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٢﴾ أَلْقِيَا فِي
جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ
اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ
وَلَكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم

بِالْوَعِيدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ نَقُولُ
لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿٣٠﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ
بَعِيدٍ ﴿٣١﴾ هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَن
بِالْغَيْبِ وَجَاء بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿٣٤﴾ لَهُم
مَّا يَشَاؤُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم
بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ ﴿٣٦﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَن كَانَ
لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ
فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ
﴿٤١﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿٤٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي
وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَلِكَ حَشْرٌ
عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ
بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ﴿٤٥﴾

تعارف:

مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہﷺ اکثر عیدین کی نمازوں میں اس سورت کی تلاوت فرمایا کر تے تھے۔ ایک خاتون ام ہشام بن حارثہ، جو رسول اللہﷺ کی پڑوسن تھیں، بیان کرتی ہیں کہ مجھے سورۃ ق یاد ہی اس طرح ہوئی کہ جمعہ کے خطبوں میں آپ

کی زبان مبارک سے اس کو سنتی تھی۔ (صحیح مسلم : ۲۰۱۳ تا ۲۰۱۵)

بعض اور روایات میں آیا ہے کہ فجر کی نماز میں بھی آپﷺ بکثرت اس کو پڑھا کرتے تھے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ نبی کریمﷺ کی نگاہِ پاک میں یہ ایک بڑی اہم سورت تھی۔ اس سورۃ مبارکہ کی اہمیت و فضیلت کیلئے یہ بات کافی ہے کہ ایک مسلمانوں کی بھاری تعداد پورے سات دنوں بعد نمازِ جمعہ کیلئے مسجد نبوی میں حاضر ہوتی ہے اور رسول اللہﷺ نے کئی معاملات کے بارے میں نصیحت و موعظہ کرنا ہے، کئی احکامات و ہدایات امت تک پہنچانی ہیں لیکن رسول اللہﷺ نے سورۃ ق کو لازم کرلیا تھا خطبوں میں، اب چاہے وہ جمعے کے ہوں یا عیدین کے۔ اس لیے آپ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک بار بار اس سورۃ مبارکہ کے مضامین پہنچانے کا اہتمام فرماتے تھے۔ جو ہم آگے چل کر پڑھیں گے۔

سورۃ ق قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کے مطابق پچاسویں سورۃ ہے اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے چونتیسویں سورۃ ہے۔ مکی سورتوں میں سے چھبیسویں پارے میں موجود ہے۔ یہ سورۃ "ق" کے نام سے معروف ہے کیونکہ اس کا آغاز حرف مقطعہ "ق" سے ہوتا ہے۔ سورۃ ق ۴۵ آیات، ۳۷۳ کلمات اور ۱۵۰۷ حروف پر مشتمل ہے اور حجم کے اعتبار سے اس کا شمار مُفَصّلات میں ہوتا ہے۔ سورۃ ق حروف مقطعہ سے شروع ہونے والی ۲۹ سورتوں میں سے اٹھائیسویں سورۃ ہے، اسی طرح قسم سے شروع ہونے والی ۲۳ سورتوں میں سے چھٹی سورۃ ہے۔

مضامینِ سورۃ :

- حروف مقطعات
- قرآن مجید کی عظمت
- انبیاء کرام سے متعلق عقیدہ بشریت
- انکارِ آخرت
- کفار کے شکوک و شبہات کا جواب
- بعث بعد الموت
- گزشتہ قوموں کے حالات و واقعات
- انسانوں کا حساب و کتاب
- صور پھونکا جائے گا
- موت سے غفلت
- قرین کیا ہے
- جہنم بھر دی جائے گی
- تخلیق کائنات

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ﴿١﴾

ق، بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ہے۔

تفسیر :

حروف مقطعات قرآن مجید میں استعمال ہونے والے وہ عربی ابجد کے حروف ہیں جو قرآن کی بعض سورتوں کی ابتدائی آیت کے طور پر آتے ہیں۔ مثلاً الم، المر وغیرہ۔ یہ عربی زبان کے ایسے الفاظ نہیں ہیں جن کا مطلب معلوم ہو۔ ان پر بہت تحقیق ہوئی ہے مگر یہ اصل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کے درمیان رموز ہیں۔

کئی اکابرین نے ان پر طبع آزمائی کرنے کی کوشش کی، کسی نے ان کے متعلق یہ کہا کہ عرب میں دستور یہ تھا کہ جب کوئی کسی کو خط لکھتا تو اپنے نام کا پہلا حرف لکھتا، پھر قاصد کے نام کا حرف اور پھر آخر میں خط موصول کرنے والے کے نام کا پہلا حرف لکھتا، تو اس کے مطابق الم کا مطلب اللہ تعالیٰ، جبرائیل امین اور رسول اللہ ﷺ ہے۔ اور دوسری طرف ہمارے اہل تشیع بھائی ہیں جو آئے دن عجیب و غریب منطقوں سے حروف مقطعات سے آلِ محمد ﷺ ثابت کرنے کے کوشاں رہتے ہیں۔ ان سب کے جواب کیلئے قرآن عظیم کی یہ آیت مبارکہ ہی کافی ہے کہ

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

اسی نے آپ پر کتاب اتاری ہے، جس میں محکم آیتیں ہیں جو اس کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے وہ فتنہ انگیزی کی غرض سے اور (اپنی خواہش نفس کے مطابق) تاویل کی غرض سے انہی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور راسخ علم والے کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لے آئے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں، اور نصیحت تو صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں۔ (آل عمران : ۷)

مُحْكَمَاتٌ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اوا مر ونواہی، احکام ومسائل اور قصص وحکایات ہیں جن کا مفہوم واضح اور اٹل ہے، اور ان کے سمجھنے میں کسی کو اشکال پیش نہیں آتا۔ اس کے برعکس آيَاتٌ مُتَشَابِهَاتٌ ہیں مثلاً اللہ کی ہستی، قضا وقدر کے مسائل، جنت دوزخ، ملائکہ وغیرہ یعنی ماورا عقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہو یا ان میں ایسی تاویل کی گنجائش ہو یا کم از کم ایسا ابہام ہو جس سے عوام کو گمراہی میں ڈالنا ممکن ہو۔ اسی لئے آگے کہا جا رہا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے ذریعے سے (فتنے) برپا کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ہم نے مثال دی کہ فرقہ پرست کیسے ان حروف مقطعات کی مدد سے اپنے اپنے فرقوں کے عقائد و نظریات کو ثابت کرنے کے کوشاں ہیں۔ بہرحال، اگر ہمیں انکا مطلب

نہ بھی معلوم ہو تو اس سے ہمارے عقائد و نظریات، ایمانیات، دینیات یا احکامات و ہدایات میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ جیسا کہ ہم نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۷ میں پڑھا کہ قرآن مجید کی اصل، محکم آیات ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی قسم کا ذکر فرمایا ہے اور اس کلام پاک کو اس آیت میں مجید کہا گیا ہے۔

اللہ تعالی کے اوصاف میں سے ایک صفت اس کا مجید ہونا ہے جیساکہ قرآن میں آتا ہے کہ

إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيد وہ حمید مجید ہے۔ (هود : ۷۳)

یہی صفت اللہ تعالی نے قرآن کریم کے لیے بھی استعمال کی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالی نے اس عظیم و مقدس کتاب کے کئی اوصاف بیان کیے ہیں۔ مثلاً قرآن کی صفت کریم، مجید، فرقان، لاریب وغیرہ۔ انہی اوصاف میں سے ایک صفت مجید ہے۔

مَجِيْد عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ مَجْدٌ سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی جلالت و عظمت، کرم میں انتہاء اوجِ بلندی تک پہنچنا اور بزرگی و شرافت کے ہیں۔ قرآن کریم اللہ تعالی کی کتاب ہے۔ اس عظیم کتاب کے بلند و عمیق معارف اور حقائق کی عین مطابق ہدایت و رہنمائی کی وجہ سے اس کو غیر معمولی بلندی و عظمت حاصل ہے۔ نیز اللہ تعالی نے اس کے دیکھنے، پڑھنے، تلاوت کرنے، اس کے معانی پر غور و فکر کرنے، اس معارف سے قلوب کو منور کرنے، اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے اور اس پر ایمان لانے کا عظیم اجر رکھا ہے اور اس سے وابستہ ہونے والے کو قدر و منزلت کا حامل شمار کیا ہے۔ انہی شرف و منزلت اور عظمت و

جلالت کی بناء پر قرآن کو مجید کے وصف کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے۔

بَلْ عَجِبُوا أَن جَاءَهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٢﴾

بلکہ انہیں تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے (اللہ کی طرف سے) ایک ڈرانے والا آیا ہے، تو کافروں نے کہا یہ تو عجیب چیز ہے۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کفار کے تعجب کا تزکرہ کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ڈرانے والا کیوں بھیجا اور اگر بھیج ہی دیا تو ان میں سے کیوں ؟ ہم اپنے ہی جیسے کی اطاعت و فرمانبرداری کیوں کریں گے ؟ اور اگر ہم میں سے کسی کو چننا ہی تھا تو آخر محمد ہی کو کیوں ؟ اس طرح کے بچگانہ قسم کے اعتراضات جو کفارِ مکہ کرتے رہے، قرآن مجید میں بارہا مواقع پر اس کا تزکرہ ہوا۔ اور اس طرح کا مرض صرف ان میں ہی نہیں بلکہ سیدنا نوح سے سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰﷺ تک کے تمام انبیاء کرام کے مخالفین نے اسی طرح کے بے تکے اعتراضات اٹھائے، مثلاً

• وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَن قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا

لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا کیا اللہ نے ایک انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا ؟ (بنی اسرائیل : ۹۴)

• جب سیدنا نوح نے اپنی قوم کو دعوت توحید پیش کی تو انہوں نے جواب دیا :

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا۔ ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سنا ہی نہیں۔ (المؤمنون : ۲۴)

• جب سیدنا ھود نے قوم عاد کو دعوت توحید پیش کی تو انہوں نے جواب دیا :

وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ

اور سردار قوم نے جواب دیا، جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انھیں دنیاوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا پانی ہی یہ بھی پیتا ہے۔ (المؤمنون : ۳۳)

• اس مضمون میں سب سے بہتر اور آسان فہم حوالہ یہ ہے

وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا • أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا

اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا، کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا۔ یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس میں سے یہ کھاتا اور ان ظالموں نے کہا کہ تم ایسے آدمی کے پیچھے ہو لئے ہو جس پر جادو کردیا گیا ہے۔ (الفرقان : ۷ تا ۸)

• أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ

کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرائیے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا اجر ملے گا، کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔ (یونس : ۲)

یعنی کسی انسان کا رسول ہونا، کفار و مشرکین کے لئے سخت تعجب کی بات تھی، وہ یہ بات مانتے ہی نہ تھے کہ ہمارے جیسا انسان، جو ہماری طرح چلتا پھرتا ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، ہماری طرح انسانی رشتوں میں منسلک ہے، وہ رسول یا رب العالمین کا محبوب بن جائے۔ یہی تعجب ان کے ایمان میں مانع رہا۔ اسی قسم کی تعجب و حیرانی ہمارے معاشرے میں کثرت سے پائی جاتی ہے جو رسول

کریمﷺ کی بشریت ماننے کو تیار نہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ رسول اللہﷺ نور ہیں، بشر نہیں، بلکہ رسول اللہﷺ نے محض بشری لباس اوڑھ رکھا ہے۔ اللہ تعالٰی نے ہم انسانوں میں سے ہی ایک عظیم شخص کو وحی و رسالت کے لئے چن لیا، کیونکہ ان کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے وہ صحیح معنوں میں انسان کی کامل رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتے تو فرشتہ یا جن ہوتے اور تو دونوں ہی صورتوں میں رسالت کا اصل مقصد باقی نہ رہتا، اس لئے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کی بجائے وحشت محسوس کرتا دوسرے، ان کے لئے اس کو دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ ان تمام اعتراضات کا جواب خود رب العالمین نے یوں دیا کہ

قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا

آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔

(بنی اسرائیل : ۹۵)

یعنی اللہ تعالٰی نے فرمایا جب زمین میں انسان بستے ہیں تو ان کی ہدایت کے لئے رسول بھی انسان ہی ہوں گے۔ غیر انسان رسول، انسانوں کی ہدایت کا فریضہ انجام دے ہی نہیں سکتا۔ ہاں اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ان کے لئے رسول بھی یقیناً فرشتے ہی ہوتے۔

أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۖ ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ﴿٣﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۖ وَعِندَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ﴿٤﴾

کیا جب ہم مر کر مٹی ہوجائیں گے۔ پھر یہ واپسی دور (از عقل) ہے۔ زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں مشرکین کے ایک اور تعجب کا تزکرہ ہورہا ہے کہ وہ انسان مر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کیسے انہیں دوبارہ زندہ کرے گا جبکہ وہ ان کے اجسام مٹی ہو چکے ہوں گے۔ پچھلے تعجب کی طرح، یہاں بھی کفار نے اپنی جہالت کا ثبوت خود ہی پیش کردیا کہ بھئی جب خالق کائنات نے ہمیں اس حالت میں پیدا کیا کہ جب ہمارا وجود بھی نہیں تھا یعنی عدم وجود سے رب العالمین نے وجود بخشا اور اب جب ہمارے وجود کا ایک پورا ماضی ریکارڈ ہے، ہماری داستانِ حیات موجود ہے، جو کہ میڈیکل سائنس کے ذریعے بھی اللہ نے دنیا میں محفوظ رکھی اور اپنے پاس بھی لوح محفوظ میں سب محفوظ رکھا۔ اصل تعجب اگر بنتا تو یہ تھا کہ عدم وجود سے وجود کیسے تشکیل دیا گیا ؟ لیکن اصل بات اور اصل تعجب و حیرانی تو کفار کی عقلوں پر بنتا ہے جو بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہیں۔

اسی طرح کا جواب رب العزت نے بھی اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۵ میں بیان فرما دیا کہ

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ

کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے؟ بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں۔ (ق : ۱۵)

یعنی کہ جب پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لئے مشکل نہیں تھا تو دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلٰی صفت ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا حکمت والا ہے۔ (الروم : ۲۷)

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ

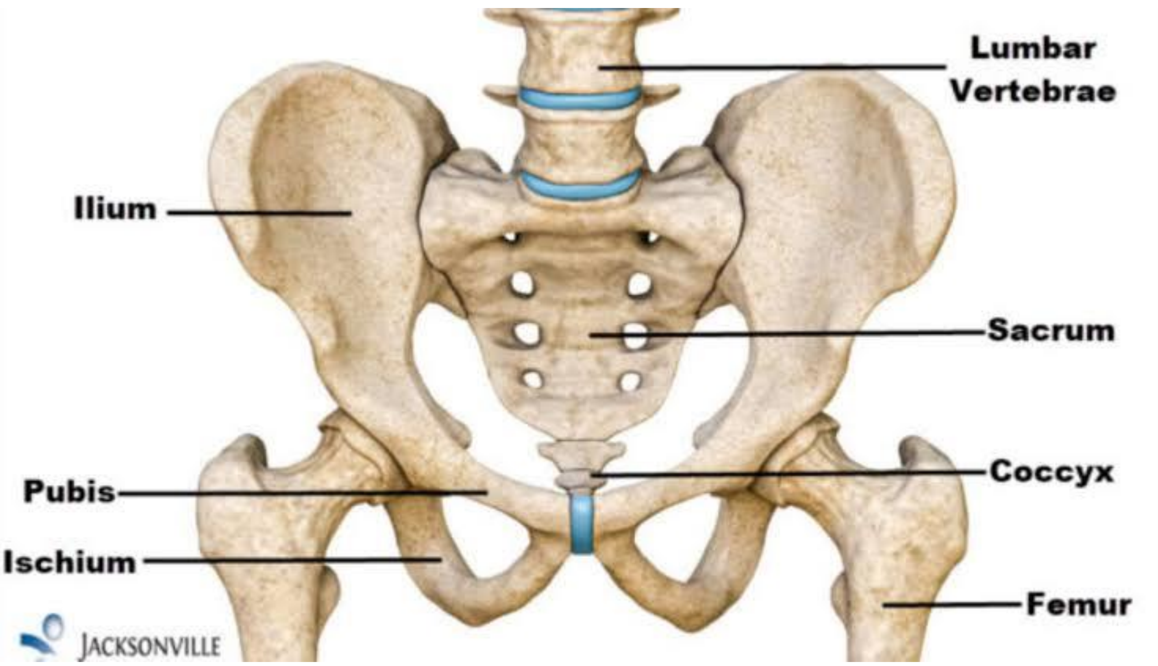
اور اس نے ہمارے لئے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا ان کی گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرسکتا ہے؟ (یس : ۷۸)

اس سے اگلی آیت میں رب کریم فرماتے ہیں کہ زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے۔ یعنی زمین انسان کے گوشت، ہڈی اور بال

وغیرہ کو بوسیدہ کرکے کھا جاتی ہے یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے وہ نہ صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس لئے ان تمام اجزا کو جمع کرکے انہیں دوبارہ زندہ کر دینا ہمارے لئے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔

اور یہ لوگ کیسے اور کیوں جیسے سوال کرتے ہیں جس کا اشارتاً جواب میڈیکل سائنس کے ذریعے ممکن بھی ہے۔

ہمارے جسم میں ایک ایسی ہڈی موجود ہے، جس کے بارے میں جدید میڈیکل سائنس بتاتی ہے کہ اگر پورا انسانی جسم جل جائے، راخ بن جائے، گل جائے، یا کچھ بھی ہو جائے لیکن انسان کی ریڑھ کی ہڈی کا سب سے نچلا حصہ جسے دمچی کہا جاتا ہے، اس پر کوئی فرق نہیں آئے گا۔ میڈیکل سائنس مزید یہ بتاتی ہے کہ اس ہڈی میں انسان کا سب سے پہلا جنیاتی کوڈ (جس سے انسان کی تخلیق



ہوتی ہے اور نین نقش درست ہوتے ہیں) محفوظ ہیں۔ اب آئیے دیکھتے ہیں اس ہڈی کے بارے قرآن و حدیث کیا کہتے ہیں ؟

سیدنا ابوہریرہ نے رسول اللہﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا انسان کے جسم میں ایک ہڈی ہے جس کو مٹی کبھی نہیں کھا سکے گی، اسی میں سے قیامت کے دن اس کو پورا بنایا جائے گا۔ صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ! وہ کون سی ہڈی ہے ؟ آپﷺ نے فرمایا **وہ دم کی ہڈی کا آخری سرا ہے۔** (صحیح مسلم : ۷۴۱۶)

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍ ﴿۵﴾

بلکہ انہوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی پس وہ الجھاؤ میں پڑگئے ہیں۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں رب العالمین کفار کی روش کا تزکرہ کررہے ہیں کہ ایسے لوگوں نے حق کو جھٹلایا جبکہ انکو ہدایت اور انہیں کی بھلائی کی طرف بلایا گیا تھا۔ ایسی روش اختیار کرنے والے ہمیشہ الجھاؤ کا شکار رہتے ہیں اور سوچ میں پڑے رہتے ہیں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا، اسی استثنا میں کبھی حق کو حق اور کبھی باطل کہہ دیتے ہیں۔ اور بیشک حق کے بعد گمراہی ہے یعنی حق کو جان

لینے کے بعد بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا جائے تو وہی حق سن کیلئے گمراہیوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ حق تک پہنچنے کیلئے جد و جہد ضروری ہے لیکن بعض اوقات رب کریم اتنا کرم، اتنی شفقت فرما دیتے ہیں کہ حق خود بندے تک پہنچ جاتا ہے لیکن بندہ اپنی ضد، آنا اور ہٹ دھرمی کے باعث جھٹلا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں رب ذوالجلال کا وہی کرم غضب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً کہ مشرکینِ مکہ، رب العزت نے انہیں میں سے ایک نبی کو مبعوث فرمایا اور حق ان پر واضح کردیا لیکن ان لوگوں کی ہٹ دھرمی انہیں کے ڈوبی۔ اس بہترین مثال یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ ولید بن مغیرہ سیدنا ابوبکر صدیق کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ قرآن سنائیں۔ بعض روایات کے مطابق خود سرداران قریش نے ولید بن مغیرہ رسول اللہﷺ سے اسلام کے بارے میں سوال و جواب کرنے یا یوں کہیں کہ مناظرہ کرنے بھیجا کیونکہ ولید مکہ کے چالاک اور تیز ذہنوں میں سے ایک تھا اور مکہ کے بڑے بڑے امینوں میں اس نام شمار کیا جاتا تھا۔ پھر رسول اللہﷺ نے یا پھر سیدنا ابوبکر نے چند آیتیں پڑھ سنائیں جو اس کے دل میں گھر کر گئیں۔ جب یہاں سے نکلا اور کفار قریش کے مجمع میں پہنچا تو کہنے لگا یا معشر قریش ! تعجب کی بات ہے محمد جو قرآن پڑھتے ہیں اللہ کی قسم نہ تو وہ شعر ہے، نہ جادو کا منتر ہے، نہ مجنونانہ ہے بلکہ واللہ ! وہ تو خاص کلام ہے اس میں کوئی شک نہیں، خدا کی قسم ! یہ جو کچھ بولتا ہے، اس کی کوئی مثال نہیں ہے اور خدا کی قسم ! وہ جو کچھ بولتا ہے، اس میں لزت اور مٹھاس اور خوبصورتی ہے۔ اس کی اعلیٰ (قسم) منافع بخش ہے اور اس کی اسفل بھی سرسبز ہے اور اس کی

فاتحہ غلبہ دینے والی ہے۔ قریشیوں نے یہ سن کر سر پکڑ لئے اور کہنے لگے اگر یہ مسلمان ہو گیا تو بس پھر قریش میں سے ایک بھی بغیر اسلام لائے باقی نہ رہے گا۔ ابوجہل کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا گھبراؤ نہیں، میں ولید سے بات کرتا ہوں، ابوجہل نے ولید سے بات کی۔ ولید کو اپنے عہدے اور سردارانِ قریش میں ملی ہوئی عزت کے لالے پڑے ہوئے تھے، ہو خود حق کو جاننے، پہچاننے کے بعد بھی قبول نہیں کر رہا تھا اور کوئی ترکیب سوچنے لگا۔ اس ملعون کے اس سوچ بچار کا بھی تزکرہ سورۃ المدثر میں ہوا ہے جہاں اس کے انجام کا تزکرہ موجود ہے۔ اس نے کافی دماغ لگانے کے بعد کہاں کہ یوں کہہ لو محمد کے پاس ایک جادو ہے جو صدیوں سے (انبیاء کی صورت میں چلا آرہا ہے) یا پھر یہ محض پچھلے لوگوں کی کہانیاں بیان کرتا ہے۔

(المستدرک الحاکم : ٣٨٧٢)

اس موقع پر پھر اللہ رب ذوالجلال نے اس ملعون کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائی:

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا (١١) وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا (١٢) وَبَنِينَ شُهُودًا (١٣) وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا (١٤) ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ (١٥) كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا (١٦) سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا (١٧) إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (١٨) فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (١٩) ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (٢٠) ثُمَّ نَظَرَ (٢١) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (٢٢) ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (٢٣) فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ (٢٤) إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (٢٥) سَأُصْلِيهِ سَقَرَ (٢٦) وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ (٢٧) لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ (٢٨) لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (٢٩)

آپ مجھے اور اس آدمی کو چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔ اور اسے بہت سا مال دے رکھا تھا۔ اور حاضر باش فرزند بھی۔ اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے۔ پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ نہیں نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ عنقریب میں اسے ایک سخت چڑھائی چڑھاؤں گا۔ اس نے غور کرکے تجویز کی۔ اسے ہلاکت ہو کیسی (تجویز) سوچی۔ وہ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا۔ اس نے پھر دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔ پھر پیچھے ہٹ گیا اور غرور کیا۔ اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ سوائے انسانی کلام کے کچھ بھی نہیں۔ میں عنقریب اس دوزخ میں ڈالوں گا۔ اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے۔ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔ کھال کو جھلسا دیتی ہے۔ (المدثر: ۱۱ تا ۲۹)

ولید بن مغیرہ نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا اور قرآن کو انسانی قول کہا حالانکہ وہ حق کو جان گیا تھا، پہچان گیا تھا لیکن اس نے ہٹ دھرمی کے باعث جھٹلا دیا لہٰذا پہلے جو نعمتیں اس پر انعام ہوئی کہ یہ تن تنہا، خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا، مال اولاد دیا اور کچھ اس کے پاس نہ تھا پھر اللہ نے اسے مالدار بنا دیا، ہزاروں لاکھوں دینار، زر، زمین وغیرہ عنایت فرمائی اور باعتبار اور کثرتِ اولاد سے بھی نوازا۔ اس کی بیان کردہ غلیظ حرکت کی وجہ سے رب ذوالجلال نے فرمایا کہ ایسا اب نہ ہو گا، یہ ہمارے احکامات کے علم کے بعد بھی کفر اور سرکشی کرتا ہے اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور «صعود» پر چڑھایا جائے گا، جہاں اس کی حالت ایسی ہوگی کہ نہ تو یہ زندوں میں ہوگا اور نہ مردوں میں۔

اَفَلَمْ یَنظُرُوا اِلَی السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ کَیْفَ بَنَیْنَاهَا وَزَیَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ﴿۶﴾

کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا ؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور زینت دی ہے اس میں کوئی شگاف نہیں۔

تفسیر :

عقیدہ بعث بعد الموت کو ہی مشرکین مکہ کے دل و دماغ میں بٹھانے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ یہ منکرین بعث بعدالموت اور یہ منکرین روز قیامت کیا اپنی آنکھوں سے اپنے سروں کے اوپر اونچے آسمان کو نہیں دیکھتے ہیں کہ کس طرح اللہ نے بغیر دیکھے جانے والے ستونوں کے سہارے اسے قائم و ثابت رکھا ہوا ہے اور اسے آفتاب و ماہتاب اور ان گنت ستاروں کے ذریعہ مزین کیا ہوا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے، کیا وہ اللہ جو ایسے آسمان کی تخلیق پر قادر ہے، وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ وہ یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ جسے اس نے پہلی بار پیدا کیا ہے اور پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿۷﴾

اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگا دیں ہیں۔

تفسیر :

اس آیت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتنا وسیع و عریض بنا دیا اور پھیلا دیا کہ وہ قیامت تک پیدا ہونے والے جانوروں اور انسانوں کے لئے مسکن اور مستقر کا کام دے سکے اور وہ اتنی پیداوار اُگا سکے جس سے تمام جانداروں اور انسانوں کو تاقیامت رزق مہیا ہوتا رہے۔ اس کے علاوہ اس سیارے کو اللہ رب العزت نے ایسی امتیازی خصوصیات سے نوازا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مکمل نظام شمسی کو رب العالمین نے ہمارے اس سیارے کی خدمات انجام دینے کے لیے تخلیق فرمایا۔ جیسا کہ مشتری، مشتری کا بڑا کشش ثقل کا میدان دومکیت اور کشودرگرہ کو ہمارے نازک سیارے سے دور کر دیتا ہے۔

بلکل اسی طرح زمین پر مریخ کی کشش ثقل کا اثر لامحدود ہے۔ نیز مریخ سے انسانوں کو ایک بہت بڑا فائدہ حاصل ہے، کیونکہ صرف مریخ کے پاس ہی کاربن اور ہائیڈروجن کی بڑی سپلائی ہے جو کہ فوٹو وولٹک پینلز اور دیگر الیکٹرانکس بنانے کے لیے درکار خالص سلکان پیدا کرنے کے لیے درکار ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور مثال بھی یہاں دیتا چلوں جو قرآن حکیم و کریم کا معجزہ بھی ہے کہ سورۃ الحدید میں آتا ہے کہ

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت اور قوت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ (الحدید : ۲۵)

اس آیت حکیمہ میں اللہ تعالیٰ نے لوہے کیلئے لفظ استعمال کیا "انزلنا" یعنی ہم نے آسمان سے نازل کیا۔ اس کے استعاراتی معنی کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ لوہا لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے دیا گیا ہے . لیکن، جب ہم اس جملے کے لغوی معنی پر غور کرتے ہیں یعنی لوہے کا حقیقی طور آسمان سے نازل کیے جانا جیسا کہ نازل ہونے کا لفظ قرآن میں لفظی طور پر استعمال نہیں کیا گیا تھا سوائے بارش کے نزول یا نزول کے، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت ایک بہت ہی اہم سائنسی معجزہ پر دلالت کرتی ہے۔

نہ صرف زمین پر بلکہ پورے نظام شمسی کا لوہا بھی خلا سے آتا ہے کیونکہ سورج کا درجہ حرارت لوہے کی تشکیل کے لیے ناکافی ہے۔

سورج کی سطح کا درجہ حرارت ۶۰۰۰ ڈگری سیلسیس ہے جبکہ لوہا صرف سورج سے زیادہ بڑے ستاروں میں ہی پیدا ہو سکتا ہے جہاں درجہ حرارت سو ملین ڈگری تک پہنچتا ہو۔ جب کسی ستارے میں لوہے کی مقدار ایک خاص سطح سے بڑھ جاتی ہے، تو ستارہ اسے مزید جگہ نہیں دے سکتا یا یوں کہیں کہ مزید سنبھال نہیں پاتا

تو یہ آخر کار اس میں پھٹ جاتا ہے جسے "نووا" یا "سپرنووا" کہا جاتا ہے، ان دھماکوں سے لوہے کو خلا میں چھوڑا جاتا ہے۔

• دیکھئیے : مائیکل جے ڈینٹن، نیچرز ڈیسٹینی، دی فری پریس: ۱۹۹۸

دوسری بات، اس آیت مبارکہ سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ دنیا گول نہیں بلکہ چپٹی ہے۔ مسلک بریلویہ کے بانی احمد رضا خان بریلوی نے اس موضوع پر پوری کتاب لکھ ڈالی جسکا نام انہوں نے رکھا کہ الفوز المبین در ردِ حرکت زمین۔ حالانکہ اس آیت مبارکہ کا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا اور نہ ہی اس جیسی دیگر آیات کا کوئی ایسا مطلب ہے۔ جو اسکا اصل مطلب ہے وہ ہم پڑھ چکے کہ رب العالمین نے کیسے نظام شمسی کو انسانی سیارے کی خدمت میں لگایا ہے اور دنیا کو کیسا اعتدال بخشا اور وسعت دی کہ اس کی کوئی مثال نہیں۔ رہی بات دنیا کے گول ہونے کی تو خود قرآن مجید میں دنیا کی شکل و صورت کا بیان موجود ہے۔

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا (النازعات : ۳۰)

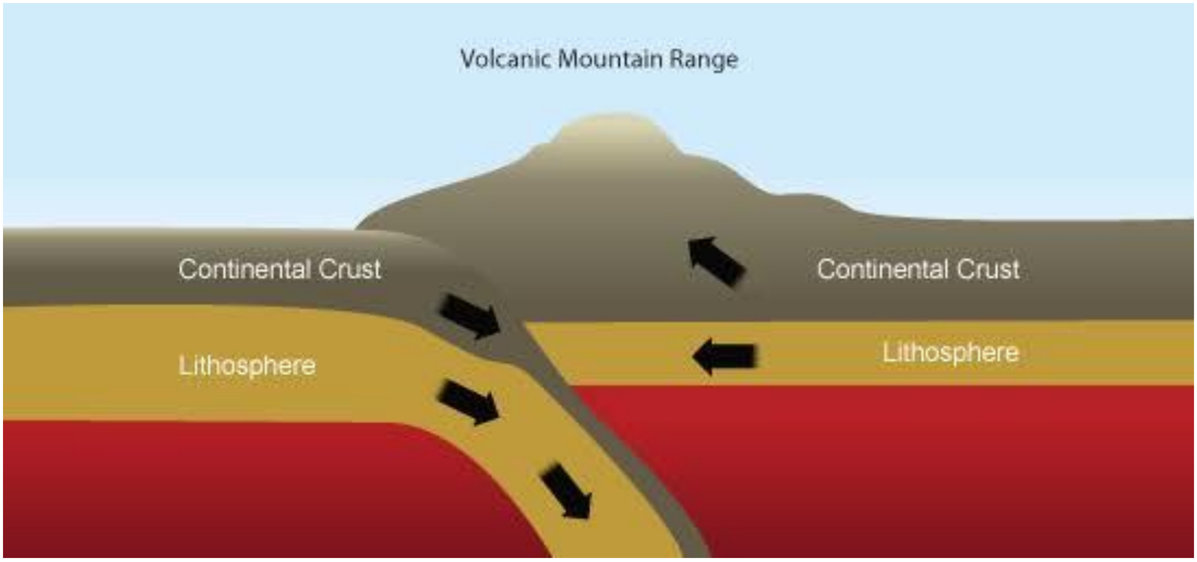
اور زمین، اسکے بعد اسے انڈے کی طرح کردیا۔

اس آیت مبارکہ کے دو تراجم رائج ہیں، دوسرا یہ کہ

اور زمین، اس کے بعد اسے بچھا دیا۔

لفظ « دَحَاهَا » کے دونوں معنی ہر لحاظ سے ٹھیک ہے، پھیلانا بھی اور انڈے کی مانند کردینا بھی۔

اس کے بعد آگے اللہ رب العالمین نے پہاڑوں کا تزکرہ فرمایا ہے۔ آئیے پہلے دیکھتے ہیں علم ارضیات اس بارے میں کیا کہتی ہے ؟ ارضیات میں بل پڑے (*Folding Phenamenon*) کا مظہر حالیہ دریافت شدہ حقیقت ہے۔ قشرارض (*Earth's Crust*) میں بل پڑنے ہی کی وجہ سے پہاڑی سلسلے وجود میں آتے ہیں۔ قشرارض یعنی جس پر ہم رہتے ہیں، کسی ٹھوس گولے کی طرح ہے جبکہ کرہ زمین کی اندرونی تہیں ہیں جو کہ نہایت گرم اور مائع ہیں۔



یہی وجہ ہے کہ زمین کا اندرون کسی بھی قسم کی زندگی کے لیے قطعاً غیر موزوں ہے۔ آج ہمیں یہ بھی معلو م ہو چکا ہے کہ پہاڑوں کے استحکام کا تعلق، قشر ارض پر پڑنے والے بل ہی ہیں جو پہاڑوں کا کام کرتے ہیں۔ ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ زمین کا رداس (*Radius*) یعنی نصف قطر (*Diameter*) تقریباً ۶۰۳۵ کلومیٹر ہے اور قشرارض کے مقابلے میں بہت پتلی ہے، جس کی

موٹائی ۲ کلو میٹر سے لے کر ۳۵ کلو میٹر تک ہے۔ چونکہ قشرارض کے دبلے پن کی وجہ سے اس کے تھر تھرانے یا ہلنے کا امکان بھی زیادہ ہے، ایسے میں پہاڑ کسی خیمے کی میخوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ جو قشرارض کو تھام لیتے ہیں اور اسے استحکام (*Stability*) عطا کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں بھی عین یہی کہا گیا ہے۔

- وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا

(کیا ہم نے) پہاڑوں کو بطور میخیں (نہیں لگایا ؟) (النبأ : ۷)

- وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ

اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ بنا دیئے کہ ایک طرف کو ان کے ساتھ جھک نہ پڑے اور ہم نے ان میں (یعنی پہاڑوں میں) ایسے درے بنا دیے کہ راستوں کا کام دیتے ہیں، تاکہ لوگ اپنی منزل مقصود پالیں۔ (سورة الانبیاء : ۳۱)

- وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا

اور پہاڑوں کو (مضبوط) گاڑھ دیا۔ (النازعات : ۳۲)

- وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ

اور (یہ منکرین) پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح گاڑ دئیے گئے۔ (الغاشیہ : ۱۹)

• خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ ۚ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ

اسی نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا ہے تم انھیں دیکھ رہے ہو اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ وہ تمہیں جنبش نہ دے سکے اور ہر طرح کے جاندار زمین میں پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسا کر زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگا دیئے۔ (لقمان : ۱۰)

اب اس آیت میں آخری بات یہ آتی ہے کہ اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی کھتیاں، پھل، سبزے اور قسم قسم کی چیزیں اُگا دیں جب یہ چیزیں اپنے جوبن پر آتی ہیں تو عجب منظر اور عجب بہار پیش کرتی ہیں کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی حیران کن قدرت کاملہ کا ثبوت پیش نہیں کرتیں؟ تو پھر کیا اللہ تعالیٰ میں اتنی قدرت بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ زمین سے تمہارے بکھرے ہوئے ذرات کو اکٹھا کر کے تمہیں دوبارہ زندہ کر دے۔

تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ﴿٨﴾

تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو۔

تفسیر :

یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور دیگر اشیاء کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت و دانائی اور عبرت و نصیحت کا باعث ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں اور اس کی رضا کی جستجو میں لگے رہتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

ویسے یہود و نصاریٰ، ہندو بلکہ ملحدین تک اسی دنیا میں اسی آسمان کے نیچے رہتے ہیں جس کے بارے میں اصل حقائق سائینس نے جدید آلات کے ذریعے آج بتایا لیکن قرآن حکیم و مجید جو کہ ۱۴۵۰ سال قبل عرب کے ریگستانوں میں، ایک چرواہے، جس کا نام محمد مصطفیٰ ﷺ ہے اس کا کلام ہے۔ (بقول کفار) اور اس کلام مقدس میں ایسے ایسے حقائق بیان ہیں کہ جنہیں دیکھ کر عقلِ سلیم یہی پکار اٹھتی ہے کہ یہ کلام کسی عام ہستی کا نہیں بلکہ اس ذات کا ہے جس نے یہ ساری کہکشائیں بنائیں۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۖ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ﴿۱۱﴾

اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کئے۔ اور کھجوروں کے بلند و بالا

درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ یہ بندوں کے لئے رزق ہے اور اس پانی سے ہم ایک مردہ زمین زندہ کردیتے ہیں (تمہارا زمین سے دوبارہ) نکلنا بھی اسی طرح ہوگا۔

تفسیر :

ان آیات میں رب حکیم نظام آبپاشی سے بعث بعد الموت کے منکرین کو بہت خوب جواب دیا وہ یہ کہ اللہ نے آسمانوں سے کثیر المنفعت پانی برسایا ہے، جس کے ذریعہ اس نے پھلدار درخت اگائے اور گیہوں، جو اور دوسرے دانے اگائے۔ جس زمین پر بارش ہوئی وہ بذات خود مٹی اور مردہ ہے اور جو پانی برسا وہ بھی بے جان تھا۔ تاہم برکت والا اس لحاظ سے تھا کہ اس نے زمین میں مل کر زمین کو مردہ سے زندہ بنا دیا اور وہ اس قابل ہوگئی کہ وہ زندہ چیزیں اگائے۔ اس میں جو فصلیں اور غلے پیدا ہوئے وہ بھی زندہ تھے کیونکہ وہ بڑھتے اور پھلتے پھولتے تھے اور یہی زندگی کی علامت ہے۔ پھر کئی طرح کے درخت اور باغات اور بالخصوص کھجوروں کے اونچے اونچے بلند و بالا درخت پیدا کئے ان میں زندگی موجود تھی۔ پھر اس فصل اور ان باغات سے غلے اور میوے اور پھل حاصل ہوئے۔ اور یہ چیزیں بے جان تھیں۔ گویا اللہ نے مردہ چیز سے زندہ چیز کو اور زندہ چیز سے مردہ کو پھر پیدا کر دکھایا اور یہ عمل ہر وقت اور ہر آن جاری رہتا ہے اور یہ ناقص العقل مشرکین گمان کرتے ہیں کہ خدا کیلئے یہ کوئی مشکل کام ہے ؟

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں نے اور ثمود نے۔ اور عاد نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے۔ اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی۔ سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا، پس میرا وعدہ عذاب ان پر صادق آگیا۔

تفسیر :

تمام رسولوں کی بنیادی تعلیم کا ایک اہم جز عقیدہ آخرت پر ایمان رہا ہے اور جن اقوام کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ یہ سب عقیدہ آخرت یا بعث بعد الموت اور اللہ کے حضور پیش ہونے اور اپنے جوابدہی کے عقیدہ کی منکر تھیں۔ عقیدہ آخرتز سے انکار کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ افراد اور اقوام دونوں کی زندگی کو فتنہ و فساد کی راہوں پر ڈال دیتا ہے۔ اس لئے کہ ایسے انسانوں کو اپنے محاسبہ کا کچھ خوف نہیں رہتا، پھر رسول آکر انہیں ان کے برے انجام سے متنبہ کرتے ہیں تو وہ اس قدر سرکش اور گناہوں پر دلیر ہوچکے ہوتے ہیں کہ وہاں سے راہ راست پر واپس آنا کسی صورت گوارا نہیں کرتے۔ الٹا رسولوں کی تکذیب اور انہیں دکھ دینا شروع کردیتے ہیں اور سرکشی اور معصیت میں آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں تاآنکہ

انہیں ان کے کرتوتوں کی پاداش میں دھر لیا جاتا ہے اور صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان تک ختم کردیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ قریش والوں سے پہلے، قوم نوح نے بھی روز قیامت، جزا اور سزا اور سیدنا نوح کی نبوت کا انکار کیا تھا۔ سیدنا نوح ساڑھے نو سو سال تک انہیں اللہ کی طرف بلاتے رہے، لیکن نوے سے کم لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی۔ اصحاب الرس سے ایک ایسی قوم مراد ہے جس نے اپنے نبی کو کنواں میں پھینک دیا تھا، بعض کے نزدیک سیدنا شعیب کی قوم مراد ہے اور بعض دوسروں کے نزدیک سیدنا عیسیٰ پر ایمان لانے والوں کی ایک جماعت، یا اصحاب اخدود یعنی وہ لوگ جنہوں نے ایک بڑی آگ جلا کر اس میں اپنی بستی کے مومنوں کو ڈال دیا تھا۔ قوم ثمود نے سیدنا صالح پر ایمان لانے سے انکار کردیا اور بطور معجزہ ظاہر ہونے والی اونٹنی کو ہلا ک کردیا تھا۔

پھر اگلی آیت میں ذکر ہے قومِ عاد کا، قوم عاد نے سیدنا ہود پر ایمان لانے سے انکار کردیا تھا اور فرعون نے سیدنا موسیٰ کی نبوت پر ایمان لانے سے انکار کیا تھا اور قوم لوط کے لوگ عورتوں کے بجائے مردوں کے ساتھ بدکاری کر کے اپنی شہوت پوری کرتے تھے، ان سب کے رویے بعث بعد الموت کے انکار ہی کے سبب تھے۔

اور اصحاب ایکہ نے اپنے نبی کی دعوت ٹھکرا دی تھی اور تبع حمیر کی قوم نے بھی سرکشی کی راہ اختیار کی اور دین کی صحیح باتوں کو ٹھکرا دیا تھا۔ ان تمام قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کی اور

ان کے لائے ہوئے دین کی تکذیب کی، تو اللہ کا عذاب ان کے لئے واجب ہوگیا۔

ان اقوام کا تزکرہ کرنے کا مقصد مشرکین قریش کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ تم تو سابقہ انبیاء کرام کے مخالفین کے سامنے کچھ بھی نہیں، اور انہوں نے جب تکزیب کی تو ان کے ساتھ ہم نے کیا کیا۔ اگر تم نے بھی اپنی حالت نہیں بدلی اور رسول اللہﷺ کی تکذیب سے باز نہ آئے، تو تم پر بھی اللہ کا عذاب انہی قوموں کی طرح نازل ہوگا، نیز نبی کریمﷺ کو تسلی دینی بھی مقصود ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے تو غم نہ کیجیے، کیونکہ ان سے پہلی قوموں کا بھی یہی وطیرہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور ان میں سے بہت کم لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے؟ بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں۔

تفسیر :

اس آیت میں وہی مضمون دوہرایا گیا ہے جو ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ خدا کیلئے تو کچھ بھی مشکل نہیں، ہر شے پر قادر ہے لیکن اگر ان ناقص العقل مشرکین کی منطق دیکھی جائے اور انہیں کے طرز

پر جواب دیا جائے تو یہ بہت قابل تفکر بات ہے کہ اگر مردہ کو زندہ کرنا مشکل ہے تو اس سے زیادہ مشکل تو عدم وجود سے تخلیق میں لانا ہے۔ (دیکھیئے سورۃ ق، آیت نمبر ۳ تا ۴)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾

ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

تفسیر :

اس آیت حکیمہ میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں بنایا، ہم جانتے ہیں کہ تمہارے دل میں کیا کیا خیال آتے ہیں، کون کون سے وسوسے آتے ہیں۔ بیشک ہم سے نہ تو تمہاری جلوتّیں پوشیدہ ہیں اور نہ ہی تمہاری خلوتّیں، اللہ رب العزت تو انسان کے دلوں کے راز بھی جانتا ہے۔

مزید آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ تو ہماری رگِ جاں سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہیں، یہاں اللہ نے پہلے فرمایا کہ ہم تمہارے دلوں میں آنے والے وسوسوں کا بھی علم رکھتے ہیں۔ تو اب آگے اللہ نے ان وسوسوں کے مرکز یعنی دل و دماغ کے قریب ترین

مقام رگِ جاں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ہم تو اس سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہیں۔

اس آیت میں نَحْنُ سے مراد ذات باری تعالٰی اور اللہ تعالیٰ کے حکم نافظ کرنے والے فرشتے ہیں، جو ہر وقت انسان کے دائیں بائیں موجود رہتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں لمحہ فکریہ ہے ان مسلمانوں کیلئے جو بظاہر تو کہتے ہیں کہ ہم قرآن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن پھر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کیلئے سفارشی اور وسیلے ڈھونڈتے پھرتے ہیں، حالانکہ قرآن عظیم کی اس آیت میں خود اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ میں تمہاری رگ جاں سے بھی بھر کر تمہاری قریب ہوں۔ بھلا اتنی قربتیں ہونے کے بعد بھی کوئی وسیلہ یا سفارشی درکار ہے ؟ بلکہ یہ مخصوص لوگ اس بات کے جواب میں کہتے ہیں کہ بھئی دیکھو ! اگر آپ نے حاکمِ وقت سے ملاقات کرنی ہو تو پہلے آپ اس کے منشی کے منشی سے رابطہ کرتے ہیں، پھر وہ آگے حاکم کے منشی سے بات کرتا ہے اور پھر وہ منشی آگے حاکم سے اجازت طلب کرتا ہے، تو اب دیکھو اس ارضِ فانی کے چھوٹے سے خطے کے حاکم کا یہ عالم ہے تو حاکمِ کل جہاں کا عالم کیسا ہونا چاہیئے ؟ افسوس صد افسوس کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَىۡءٌ کے بارے میں ہم دنیا کے دو ٹکے کے حاکموں جیسی روش کی امید لگائیں۔ رب کریم تو ۷۰ پردوں کے پیچھے سے بھی اپنے گنہگار بندوں کی پکار سنتا ہے، اس کو کیا ضرورت وسیلے یا سفارشی کی ؟ اس آیت مبارکہ کی تفسیر اور وسیلہ و توصل کے بارے میں سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب کا ایک فرمان ہی کافی ہے۔ مولا علی نے صفین سے پلٹتے ہوئے جب ایک مقام پر پڑاؤ کیا تو اپنے صاحبزادے سیدنا حسن کیلئے یہ

وصیت نامہ تحریر فرمایا، جس کا تقریباً ۵۰ فیصد حصہ توحید پر مبنی ہے۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کہ

اب اے فرزند! میری وصیت کو سمجھو اور یہ یقین رکھو کہ جس کے ہاتھ میں موت ہے اسی کے ہاتھ میں زندگی بھی ہے اور جو پیدا کرنے والا ہے وہی مارنے والا بھی ہے اور جو نیست و نابود کرنے والا ہے وہی دوبارہ پلٹانے والا بھی ہے اور جو بیمار کر ڈالنے والا ہے وہ ہی صحت عطا کرنے والا بھی ہے.

یقین رکھو کہ جس کے قبضہ قدرت میں آسمان و زمین کے خزانے ہیں اس نے تمہیں سوال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اور قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تم مانگو تاکہ وُہ دے، رحم کی درخواست کرو تاکہ وُہ رحم کرے، اس نے اپنے اور تمہارے درمیان سفارشی کھڑے نہیں کئے جو تمہیں روکتے ہوں، نہ تمہیں اس پر مجبور کیا ہے کہ تم کسی کو اس کے یہاں سفارش کیلئے لاؤ تب ہی کام ہو اور تم نے گناہ کئے ہوں تو اس نے تمہارے لئے توبہ کی گنجائش ختم نہیں کی ہے، نہ سزا دینے میں جلدی کی ہے اور نہ توبہ و انابت کے بعد وہ کبھی طعنہ دیتا ہے (کہ تم نے پہلے یہ کیا تھا، وہ کیا تھا)، نہ ایسے موقعوں پر اس نے تمہیں رسوا کیا کہ جہاں تمہیں رسوا ہی ہونا چاہیے تھا اور نہ اس نے توبہ کے قبول کرنے میں (کڑی شرطیں لگا کر) تمہارے ساتھ سخت گیری کی ہے، نہ گناہ کے بارے میں تم سے سختی کے ساتھ جرح کرتا ہے اور نہ اپنی رحمت سے مایوس کرتا ہے، بلکہ اس نے گناہ سے کنارہ کشی کو بھی ایک نیکی قرار دیا ہے اور بُرائی ایک ہو تو اُسے ایک (بُرائی) اور نیکی ایک ہو تو اسے دس (نیکیوں) کے برابر ٹھہرایا ہے، اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے، جب بھی اسے پکارو وہ تمہاری

سنتا ہے اور جب بھی راز و نیاز کرتے ہوئے اس سے کچھ کہو وہ جان لیتا ہے، تم اسی سے مرادیں مانگتے ہو اور اسی کے سامنے دل کے بھید کھولتے ہو، اسی سے اپنے دُکھ درد کا رونا روتے ہو اور مصیبتوں سے نکالنے کی التجا کرتے ہو اور اپنے کاموں میں مدد مانگتے ہو اور اس کی رحمت کے خزانوں سے وہ چیزیں طلب کرتے ہو جن کے دینے پر اور کوئی قدرت نہیں رکھتا، جیسے عمروں میں درازی، جسمانی صحت و توانائی اور رزق میں وسعت.
(نہج البلاغہ، مکتوب ۳۱)

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾

جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ (انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔

تفسیر :

یہاں پر مراد کرام کا تبین فرشتے ہیں جن میں سے دائیں طرف والا فرشتہ نیکیاں اور بائیں طرف والا برائیاں لکھتا ہے، اور دو فرشتے دن کے ہوتے ہیں اور دو رات کے۔ واللہ اعلم

اگرچہ اللہ تعالیٰ بندے کے تمام اعمال کے ریکارڈ رکھنے کا اہتمام اتمام حجت کے لئے ہے کہ قیامت کے دن انسان اپنے کسی عمل سے مکر نہ سکے۔ آگے رب العالمین فرماتے ہیں کہ انسان کے منہ سے کوئی لفظ بھی نکلے تو یہ فرشتے فوراً اسے بھی لکھ لیتے ہیں، ہماری روز مرہ زندگی میں اگر ہم دیکھیں تو ہماری کئی حرکات و سکنات ایسی ہیں جو بے مقصد ہیں لیکن رب کریم کے ہاں وہ بھی معنی رکھتی ہیں۔ ہم جانے انجانے میں اپنے دوست احباب کو اکثر مزاق کے طور پر گالی نکال دیتے ہیں یا کوئی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو اسے ناگوار گزرتی ہے تو فرشتے اس کو بھی لکھ لیتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جنہیں ہلکی سی ٹھوکر بھی لگ جائے تو منہ سے حسبی اللہ، استغفر اللہ اور سبحان اللہ جاری ہو جاتا ہے تو مقرر کردہ فرشتے انہیں بھی جھٹ سے لکھ لیتے ہیں۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾

اور موت کی بے ہوشی حق لے کر پہنچی یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں حق لے کر آ پہنچنے سے مراد ہے کہ موت کی آمد ایک ایسے جہان کی دعوت لے کر آتی جہاں تمام کی تمام حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے، وہ حقائق جن پر رب العالمین نے دنیا

میں پردہ ڈالے رکھا۔ اس کے علاؤہ، جس بعث بعد الموت کا بندہ انکار کیا کرتا تھا اب مرنے کے بعد وہ اسی زندگی میں جیوتّ ہوگا، جس آخرت کا انکار کیا کرتا تھا، آج وہ سامنے ہے۔ قبل از موت جب بندہ موت کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے تو اس کو اس وقت ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔

سیدنا براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہﷺ کی معیت میں ایک انصاری شخص کے جنازے میں شریک ہوئے، ہم قبر تک پہنچ گئے، ابھی لحد تیار نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہﷺ بیٹھ گئے تو ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پر پرندے ہوں، آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے، آپﷺ نے سر اقدس اوپر اٹھایا اور فرمایا عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ آپ نے دو یا تین بار یہی دوہرایا، پھر فرمایا مومن جب دنیا سے رابطےتوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو سورج کی طرح چمکتے دمکتے سفید چہروں والے فرشتے جنتی خوشبو اور جنتی کفن لے کر اس کے پاس آتے ہیں حتیٰ کہ وہ حدِ نظر تک اس کے پاس سے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ کر کہتے ہیں، پاکیزہ روح ! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا مندی کی طرف چل (پھر) وہ (روح) ایسے نکلتی ہے جیسے مشکیزے سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے، وہ اسے اخذ کر لیتا ہے۔ جب وہ اسے اخذ کر لیتا ہے تو وہ (فرشتے) اسے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اس کے پاس نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ وہ اسے لے کر اس کفن اور اس خوشبو میں لپیٹ لیتے ہیں اور پھر روئے زمین پر پائی جانے والی بہترین کستوری کی خوشبو اس سے نکلتی ہے۔ وہ فرشتے اسے لے کر اوپر کی طرف بلند ہوتے ہیں اور یہ

فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ خوشبو کیسی ہے ؟ تو وہ اس کے دنیا کے ناموں میں بہترین نام لے کے بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے حتیٰ کہ وہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں اور اس کے لیے دروازہ کھولنے کی اجازت طلب کرتے ہیں، تو وہ ان کے لیے کھول دیا جاتا ہے، پھر ہر آسمان کے مقرب فرشتے اگلے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں حتیٰ کہ اسے ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے بندے کا نامۂ اعمال علّیین میں لکھ دو اور اسے واپس دنیا کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں نے انہیں اسی سے پیدا کیا ہے، اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور دوبارہ پھر اسی سے انہیں نکالوں گا۔ پھر اس کی روح اسی کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے ؟ تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے ؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے، پھر وہ پوچھتے ہیں یہ آدمی جو تم میں مبعوث کیا گیا، کون ہے ؟ تو وہ کہتا ہے وہ اللہ کے رسولﷺ ہیں، وہ پوچھتے ہیں تمہیں کیسے پتہ چلا ؟ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، پس آسمان سے آواز آتی ہے میرے بندے نے سچ کہا اس کے لیے جنتی بچھونا بچھا دو، اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ (دورازے کھول دینے کے بعد) وہاں سے ہوا کے جھونکے اور خوشبو اس کے پاس آتی ہے ، اور حد نظر تک اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔

رسول اللہﷺ نے مزید فرمایا کہ خوبصورت چہرے، خوبصورت لباس اور بہترین خوشبو والا ایک شخص اس کے پاس آتا ہے تو وہ کہتا

ہے اس چیز سے خوش ہو جا جو چیز تجھے خوش کر دے، یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا تو وہ اس سے پوچھتا ہے تو کون ہے ؟ تیرا چہرہ بھلائی لانے والا چہرہ ہے، وہ جواب دیتا ہے میں تیرا عمل صالح ہوں، وہ کہتا ہے میرے رب ! قیامت قائم فرما، میرے رب قیامت قائم فرما حتیٰ کہ میں اپنے اہل و مال کی طرف چلا جاؤں۔

پھر رسول اللهﷺ نے فرمایا کہ جب کافر دنیا سے رابطہ منقطع کر کے آخرت کی طرف توجہ کرتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے بالوں سے بنا ہوا ایک کمبل لے کر آسمان سے نازل ہوتے ہیں ، وہ اس سے حد نظر کے فاصلے تک بیٹھ جاتے ہیں ، پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں خبیث روح ! الله کی ناراضی کی طرف چل، فرمایا وہ (روح) اس کے جسد میں پھیل جاتی ہے، تو وہ اسے ایسے کھنچتا ہے جیسے لوہے کی سلاخ کو گیلے اون سے کھینچا جاتا ہے، وہ (ملک الموت) اسے قبض کر لیتا ہے پھر جب وہ اسے قبض کرتا ہے تو وہ (فرشتے) پلک جھپکنے کے برابر بھی اسے اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے حتیٰ کہ وہ اسے اس بالوں سے بنے ہوئے کمبل میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے زمین کے مردار سے نکلنے والی انتہائی بری بدبو نکلتی ہے، وہ اسے لے کر اوپر چڑھتے ہیں تو وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں، کیسی خبیث روح ہے ؟ وہ کہتے ہیں فلاں بن فلاں کی اور وہ اس کا دنیا کا انتہائی قبیح نام لے کر بتاتے ہیں حتیٰ کہ اسے آسمان دنیا تک لے جایا جاتا ہے پھر اس کے لیے دروازے کھولنے کے لیے درخواست کی جاتی ہے تو اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول

اللہﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ’’ ان کے لیے آسمان کے روازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں بھی داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے گزر جائے۔‘‘ اللہ عزوجل فرماتا ہے ’’ اس کی کتاب کو سب سے نچلی زمین میں سجین میں لکھ دو پھر اس کی روح کو شدت کے ساتھ پھینک دیا جاتا ہے۔‘‘ پھر آپﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ’’ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، تو اب پرندے اسے اچک لیں یا ہوا اسے کسی دور جگہ پر پھینک دے۔‘‘ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے ؟ وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا ہے ہائے ! ہائے ! میں نہیں جانتا، پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے ؟ تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا ہے ہائے ! افسوس ! میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں یہ شخص جو تم میں مبعوث کیا گیا کون ہے ؟ تو وہ کہتا ہے ہائے ! افسوس ! میں نہیں جانتا، آسمان سے آواز آتی ہے اس نے جھوٹ بولا ! اس کے لیے جہنم سے بچھونا بچھا دو اور اس کے لیے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو ! وہاں سے گرمی اور گرم ہوا اسے آتی رہے گی اور اس کی قبر کو اس قدر تنگ کر دیا جائے گا کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری کے اندر داخل ہو جائیں گی اور ایک قبیح چہرے والا شخص قبیح لباس اور انتہائی بدبودار حالت میں اس کے پاس آئے گا اور اسے کہے گا تمہیں ایسی چیزوں کی خوشخبری ہو جو تجھے غم زدہ کر دیں، یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ پوچھے گا تو کون ہے ؟ تیرے چہرے سے کسی خیر کی توقع نہیں، وہ جواب دے گا میں تیرا خبیث عمل

ہوں، تو وہ کہے گا میرے رب ! قیامت قائم نہ کرنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۱۶۳۰)

اس آیت کا ایک تو ترجمہ یہ جو اوپر درج ہے، دوسرا ترجمہ علماء کرام کرتے ہیں، وہ یہ کہ

” اور موت کی سختی حق لے کر پہنچی یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا۔ “

یعنی اس ترجمہ میں موت کی سختیوں کو بیان کیا گیا اور اس آیت کے مطابق حالت نزع کی تکالیف بہت دردناک ہیں، ان سختیوں پر قرآن عظیم میں بہت سی آیات موجود ہیں۔ لیکن میں ایک روایت پیش کیے دیتا ہوں جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ موت کی سختیوں کی شدت کا عالم کیا ہے۔

سیدنا انس بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا جب رسول اللہﷺ کو وفات کے وقت گھبراہٹ (یا تکلیف) محسوس ہوئی تو شہزادی کونین سیدہ فاطمۃ الزہرا نے فرمایا ہائے بابا جان کی تکلیف ! اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا ”آج کے بعد تیرے والد کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی ! تیرے والد کو وہ چیز (موت) پیش آ گئی ہے جس سے کسی کو چھٹکارا نہیں، قیامت کے روز ملاقات ہو گی۔‘‘ پھر جب آنحضرتﷺ کی وفات ہو گئی تو سیدہ فاطمہ الزہرا کہتی تھیں ہائے بابا جان ! آپ اپنے رب کے بلاوے پر چلے گئے، ہائے بابا جان ! آپ جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے۔ ہم جبریل کو آپ کی وفات کی خبر سناتے ہیں۔ پھر جب رسول اللہﷺ ک معیت مبارکہ کو دفن کردیا گیا تو سیدہ فاطمہ نے سیدنا انس سے کہا انس ! تمہارے دل

رسول اللہﷺ کی نعش پر مٹی ڈالنے کے لیے کس طرح آمادہ ہو گئے تھے۔

(صحیح بخاری : ۴۴۶۲) (سنن ابن ماجہ : ۱۶۲۹) (مشکوٰۃ المصابیح : ۵۹۶۱)

اس کے بعد ام المومنین سیدہ عائشہ بیان کہا کرتی تھیں کہ سرورِ کائنات سرکار دوعالمﷺ کی وفات ہوئی تو آپ میری ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان (سر رکھے ہوئے) تھے۔ رسول اللہﷺ (کی شدت سکرات) دیکھنے کے بعد اب میں کسی کے لیے بھی نزع کی شدت کو برا نہیں سمجھتی۔ (صحیح بخاری : ۴۴۴۶)

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿۲۰﴾

اور صور پھونک دیا جائے گا۔ وعدہ عذاب کا دن یہی ہے۔

تفسیر :

اس سے مراد وہ نفخہ صور ہے جسے سیدنا اسرافیل پھونکیں گے اور سب مردے اپنی اپنی قبروں سے اٹھا کھڑے کئے جائیں گے یعنی قیامت کے دن جب سب انسانوں کی اللہ کے حضور پیشی ہوگی اور فیصلہ کے دن مجرموں کو عذاب میں مبتلا کردیا جائے گا، یہ وہی دن ہے جس کا تمام بنی نوع انسان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

صور اصل میں ہے کیا ؟ صور دنیا کے اختتام وقت اور قیامت شروع ہونے کے وقت پھونکا جائے گا۔ جب قیامت نزدیک آجائے گی، تو خدا کے حکم سے، اسرافیل صور پھونکیں گے اور جس سے ایک بڑی آواز نکلے گی جس کی وجہ سے تمام موجودات فوت ہو جائیں گی۔ اس کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور سب زندہ ہو جائیں گے اور قیامت واقع ہو جائے گی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اور مقامات پر آتا ہے کہ

- مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ

انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے جو انہیں آپکڑے گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہونگے۔ (یس : ۴۹)

- فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ

آخرکار جب کان بہرے کردینے والی آواز بلند ہوگی (عبس : ۳۳)

- يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (۶) تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (۷)

جس دن کانپنے والی کانپے گی۔ اور اس کے پیچھے پے در پے جھٹکے آئیں گا۔ (النازعات : ۶ – ۷)

(یہ نفخۂ اولیٰ ہے جسے نفخۂ فنا کہتے ہیں، جس سے ساری کائنات کانپ اور لرز اٹھے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ پھر دوسرا نفخہ ہوگا، جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ اس کے بعد دوسرا نفخہ جو پہلے نفخہ سے چالیس سال بعد ہوگا۔ اسے رَادِفَةٌ اس لئے

کہا ہے کہ یہ پہلے نفخے کے بعد ہی ہوگا۔ یعنی نفخۂ ثانیہ، نفخۂ اولیٰ کا ردیف ہے۔)

- وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ

اور کان لگا کر سن جس دن پکارنے والا ایک قریب جگہ سے پکارے گا۔ (ق : ۴۱)

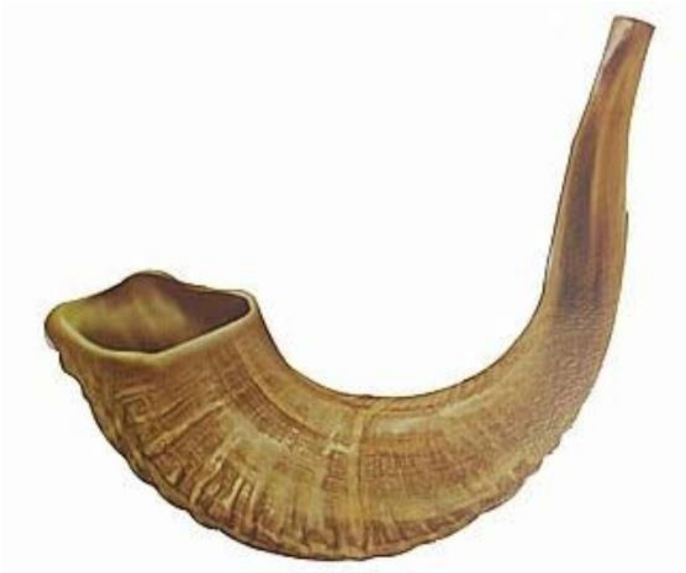
- فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ (٨) فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ (٩)

پس جب صور میں پھونک ماردی جائے گی۔ (تو) وہ بڑا سخت دن ہوگا۔ (المدثر : ۸-۹)

روایات میں صور پھونکے جانے بارے میں آتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں رسول اللہﷺ فرماتے ہیں کہ جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین کی تمام مخلوق پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی، سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا لیکن میں دیکھوں گا کہ سیدنا موسیٰ عرش کو پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ یہ انہیں طور کی بے ہوشی کا بدلا دیا گیا ہو گا یا مجھ سے بھی پہلے ان کی بے ہوشی ختم کر دی گئی ہو گی۔ (صحیح بخاری : ۳۴۱۴)

اور ان دونوں صور پھونکے جانے کے بارے میں آتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ دو صور پھونکے جانے کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہو گا۔ سیدنا ابوہریرہ کے شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس دن مراد ہیں ؟ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں پھر شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس مہینے مراد ہیں ؟

انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس سال مراد ہیں ؟ کہا کہ مجھے معلوم نہیں پھر



اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا، جس کی وجہ سے تمام مردے جی اٹھیں گے جیسے سبزیاں پانی سے اگ آتی ہیں۔ اس وقت انسان کا ہر حصہ گل چکا ہو گا۔ سوا ریڑھ کی ہڈی کے اور اس سے قیامت کے دن تمام مخلوق دوبارہ بنائی جائے گی۔ (صحیح بخاری : ۴۹۳۵)

صور پھونکے جانے کے بارے میں دیگر مزاہب کی کتب میں بھی ذکر ملتا ہے۔ (دیکھیں عہد نامہ جدید، ۴: ۱۶)

روایات کے مطابق، جب قیامت نزدیک آئے گی تو بروز جمعہ سیدنا اسرافیل بیت المقدس فتح پر اتریں گے اور ان کے پاس ایک صور ہو گا جس کا ایک سر اور دو سائیڈ ہوگی، وہ کعبہ کی طرف منہ کر

کے صور پھونکے گے اور تمام موجودات ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد دوبارہ اسرافیل صور بجائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے۔

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿۲۱﴾

اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا.

تفسیر :

اس سے مراد غالباً وہی دو فرشتے ہیں جو اس کا ریکارڈ ثبت کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو اسے پیچھے سے ہانک کر اللہ کے سامنے پیش کردے گا اور کہے گا کہ مجرم حاضر ہے۔ دوسرا اس کا پوری زندگی کا ریکارڈ سامنے لاحاضر کرے گا یعنی مجرم بھی حاضر اور گواہی بھی حاضر، جیسا کہ دنیاوی ادالتوں میں ہوا کرتا ہے۔ بعض علماء کرام اس سے مراد انسانی اعضاء لیتے ہیں جو انسان کے خلاف گواہی دیں گے۔

لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿۲۲﴾؛وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿۲۳﴾

یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

تفسیر :

اب وہ فریقین عدالت کے اس مجرم کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جاتا ہے اور اس بندے کا قرین کہے گا کہ یہ لیں ! یہ ہے وہ شخص جسے گمراہ کرنے کے لئے تو نے مجھے اس کے پیچھے لگا دیا تھا، میں نے اسے گمراہ کر کے جہنم کے لئے تیار کردیا ہے۔ اب خدائے ذوالجلال والاکرام فرمائیں گے کہ یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔ یعنی تو دنیا کی لذتوں میں گہری نیند میں سویا ہوا تھا، دنیا کی لذتوں نے تیرے دل و دماغ پر اندھیرے امڈ دیے تھے، دنیا کی رنگ رلیوں نے تجھے خدا کے انکار پر ابھارا اور تو عیش و عشرت کے نشے میں اپنے ہی نفس کو خدا بنا بیٹھا تھا اور کہا کرتا تھا اور کون خدا ؟ کیسا خدا ؟ ان دیکھا خدا ؟ اب بتا ! آج ہم نے تمام برزخ ہٹا دیے ہیں ! آج تو تیری نظر بہت تیز ہے، جس خدا کا انکار کرتا تھا وہ آج تیرے سامنے ہے، جس آخرت کا ٹھٹھہ اڑاتا تھا، آج تو اس میں ہے۔

اس آیت میں " قرین" سے مراد وہ شیطان ہے جسے دنیا میں اس کا ساتھی بنا دیا گیا تھا تاکہ اسے گمراہ کرتا رہے اور بعض علماء کرام کے نزدیک اعمال و افعال لکھنے والے فرشتے ہیں۔ لیکن اگلی آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھیں تو شیطان والا قول بہت پختہ ثابت ہوتا ہے۔ قارین کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے کہ

• وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ (الزخرف : ۳۶)

اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے، ہم اس پر شیطان مقرر کردیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے۔

• قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ (۵۱) يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ (۵۲) مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ (۵۳) (الصافات : ۵۱ تا ۵۳)

ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کیا تو (قیامت کے آنے کا) یقین کرنے والوں سے ہے؟ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہوجائیں گے کیا اسوقت ہم جزا دیئے جانے والے ہیں؟

• وَالَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا (النساء : ۳۸)

اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو وہ بدترین ساتھی ہے۔

• رسول اللہﷺ اس بدترین ساتھی/شیطان یعنی قرین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان مسلط

کردیا گیا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہﷺ کیا آپ کے ساتھ بھی؟ تو رسول اللہﷺ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی، (پھر) وہ مسلمان ہو گیا اور (اب) مجھے خیر کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ (صحیح مسلم : ۲۸۱۴) (سنن دارمی : ۲۷۳۴) (صحیح ابن خزیمہ : ۶۵۸)

• ام المومنین سیدہ عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہﷺ ایک رات میرے پاس سے اٹھ کر باہر نکل گئے، مجھے اس معاملے میں شدید غیرت محسوس ہوئی، پھر آپﷺ واپس آئے اور دیکھا کہ میں کیا کر رہی ہوں (شدید غصے کے عالم میں ہوں) تو آپﷺ نے فرمایا عائشہ تمھیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا مجھے کیا ہوا ہے کہ مجھ جیسی عورت کو (جس کی کئی سو کنیں ہوں) آپ جیسے مرد پر (جو ایک کو ایک سے بڑھ کر محبوب ہو) غیرت نہ آئے۔ تو رسول اللہﷺ نے فرمایا کیا تمھارے پاس تمھارا شیطان آیا تھا (اور اس نے تمھیں شک میں مبتلا کیا؟) پھر سیدہ عائشہ نے کہا اللہ کے رسولﷺ، کیا میرے ساتھ شیطان بھی ہے؟ تو رسول اللہﷺ نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا ہر انسان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا اللہ کے رسولﷺ آپ کے ساتھ بھی ہے؟آپ نے فرمایا ہاں لیکن میرے رب نے اس پر (قابو پانے میں)میری مددفرمائی اور وہ اسلام لے آیا ہے۔(صحیح مسلم : ۲۸۱۵، ۷۱۱۰)

• ہر شخص کے لیے ایک ساتھی جنوں میں سے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے مقرر کر دیاہے۔(جن اسے برائی کی طرف مائل کرتا ہے اور فرشتہ نیکی کی طرف ۔فیصلہ خود اسی کو کرنا ہوتا ہے۔) (صحیح مسلم : ۷۱۰۹)

أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾

ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو۔ جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا۔

تفسیر :

پھر رب العالمین مجرم کا نامہ اعمال دیکھ کر فرمائے گے کہ جہنم میں اوندھے منہ کرکے پھینک دو اس پرلے درجے کے کافر کو۔ اب اس آیت میں ایسے مجرمین کو "عَنِیدٍ" کہا گیا ہے یعنی شدید قسم کا سرکش کافر، آخر ایسے کون سے اعمال تھے، جس کی وجہ سے اسے عَنِیدٍ کہا گیا ؟ ایسے لوگ جو حق سچ کو سمجھ کر بھی اٹکل پچو لگائیں، حق کے آگے ضد کریں، ہٹ دھرمی دکھائیں، خیر و بھلائی کے کاموں سے روکنے والے اور حق قبول کرنے کے بعد شکوک و شبہات میں پڑنے والے۔

الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾

جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔

تفسیر :

پچھلی آیات میں کفارِ عنید کی جو صفاتِ خبیثہ بیان کی گئی ہیں، اگر ان سب کو ایک لفظ میں جمع کیا جائے تو "مشرک" سے بہتر کوئی لفظ نہیں ملے گا۔ اس آیت میں اسی چیز کا تذکرہ ہے کہ ڈال دو اس ناشکرے کو جہنم میں کہ اس نے اللہ کے سوا اور الہ گھڑ لیے۔

شرک کی آسان ترین تعریف یہ ہے کہ جو مقام و مرتبہ خدائے ذوالجلال والاکرام کے شایان شان ہے، اسے دوسروں کے ساتھ منسوب کردیا جائے۔ اب چاہے وہ شرک اکبر ہو، شرک اوسط ہو یا شرک اصغر، سب کی مجموعی تعریف یہ ہی ہے۔ ایک اور ضروری بات جیسے ہر کوا کالا ہے مگر ہر کالا کوا نہیں۔ ہر سونا پیلا ہے مگر ہر پیلا سونا نہیں۔ لہٰذا دہر یہ کافر ہے مشرک نہیں اور ہندو مشرک بھی ہے کافر بھی۔ مشرکین کیلئے قرآن و حدیث میں سینکڑوں وعیدیں آئی ہیں۔ اس بارے میں تفصیل سے پڑھنے کیلئے دیکھیں، کتاب **کیا اللہ کافی نہیں ؟** از **محمد نعمان رضا بابر۔**

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٢٩﴾

اس کا قرین (شیطان) کہے گا اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔ (اللہ تعالیٰ

فرمائے گا) میرے ہاں جھگڑا مت کرو۔ میں تمہیں پہلے ہی اس وعید کی خبر دے چکا تھا۔ میرے ہاں بات بدلی نہیں جاسکتی اور میں اپنے بندوں کے لئے ظالم بھی نہیں۔

تفسیر :

جونہی جہنمی کو جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہوگا تو خوف کے مارے اس کا ساتھی پکار اٹھے گا کہ اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی صراط مستقیم سے بھٹک گیا تھا، مجھ میں ایسی کوئی طاقت نہ تھی کہ میں اسے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت سے سرکش بنا سکتا، دراصل ہوا صرف یہ تھا کہ میں نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا تو یہ پہلے ہی مجرم ضمیر تھا۔ اس نے فوراً میری آواز پر لبیک کہی۔ میرا وسوسہ گویا اس کے اپنے دل کی آواز تھی۔ لہٰذا وہ گمراہی کے کاموں میں خود ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔

دوسری طرف جہنمی اپنے ہاتھوں کو کاٹتے اور روتے ہوئے کہے گا کہ ہائے کاش! کہ میں رسول کاراستہ چھوڑ کر فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا۔ اس نے مجھے اللہ کی نصیحت بھلادی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر جہنمی کا بیان آیا ہے کہ

يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا (٢٨) لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا (٢٩)

ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کردیا کہ نصیحت میرے پاس آپہنچی تھی

اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔ (الفرقان : ۲۸، ۲۹)

یعنی وہ جہنمی اللہ تعالیٰ کے آگے فریاد کرے گا کہ ایک موقع دیجئے کہ میں اپنے ان عزیز و اقارب کو پاؤں تلے روند ڈالوں جنہوں نے مجھے حیلے بہانوں سے صراط مستقیم سے روکا، ایک موقع دیجئے کہ میں اپنے ان دوستوں کو پاؤں تلے روند ڈالوں جنہوں نے مجھے بہکا پھسلا کر نیکی کے کاموں سے روکا، ایک موقع دیجئے کہ میں اپنے ان پیر صاحب یا مولانا واحب یا کوئی حضرت صاحب کو پاؤں تلے روند ڈالوں جنہوں نے مجھے توحید کے چمنستان سے بہکا کر شرک و بدعت کی غلاظت میں پھینک دیا۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم قرینوں اور شیطانوں کو کہے گا کہ یہاں عدالت انصاف میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی فائدہ ہے، میں نے پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان وعیدوں سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔ اب جہنم میں داخل ہوجاؤ اور یاد رکھو! کہ میرا فرمان تبدیل نہیں ہوتا اور نہ ہی میں اپنے بندوں ظلم و زیادتی کرنے والا ہوں، یعنی میری بات نہ مان کر تم نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا، یہ عذاب ان سب اعمال کا نتیجہ ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿۳۰﴾

جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟

تفسیر :

پھر مجرمین جب جہنم کی نظر کردیے جائیں گے تو جہنم اپنی حدوں کو مزید وسعت دیتی جائے گی اور رب ذوالجلال اس سے پوچھے گا کہ کیا تو بڑھ گئی ؟ جہنم اس دن اس قدر غیظ و غضب میں بھڑک رہی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے اس سوال پر وہ جواب دے گی کہ جتنے مجھ میں داخل ہونے کے مستحق ہیں سب کو لے آؤ میں آج کسی کو چھوڑوں گی نہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا جنت اور دوزخ نے بحث کی، دوزخ نے کہا میں متکبروں اور ظالموں کے لئے خاص کی گئی ہوں۔ جنت نے کہا مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم رتبہ والے لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت سے کہا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے ذریعہ میں اپنے بندوں میں جس پر چاہوں رحم کروں اور دوزخ سے کہا کہ تو عذاب ہے تیرے ذریعہ میں اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں عذاب دوں، جنت اور دوزخ دونوں بھریں گی۔ دوزخ تو اس پر وقت تک نہیں بھرے گی جب تک اللہ رب العزت اپنا قدم اس نہیں رکھ دے گا، اس وقت وہ بولے گی کہ بس بس بس ! اور اس وقت بھر جائے گی اور اس کا

بعض حصہ بعض دوسرے حصے پرچڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جنت کے لئے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا اور اپنے رب کی حمدو تسبیح کرتے رہئے سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے چھپنے سے پہلے۔
(صحیح بخاری : ۴۸۵۰، صحیح مسلم : ۲۸۴۶)

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿۳۱﴾

اور جنت پر ہیز گاروں کے لئے بالکل قریب کردی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہوگی۔

تفسیر :

پچھلی آیات میں قیامت کے دن کافروں کا حال بیان کئے جانے کے بعد اب مومنوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن جنت متقیوں کے بالکل قریب کردی جائیگی، اتنی قریب کہ میدان محشر سے ہی اس کا نظارہ کریں گے اور ان نعمتوں کا مشاہدہ کریں گے جنہیں دنیا میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا تھا، نہ کسی کان نے سناتھا اور نہ کسی انسان کے دل نے ان کا تصور کیا تھا۔

هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿۳۲﴾ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿۳۳﴾

یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو۔ جو رحمان کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو۔

تفسیر :

یعنی جنتیوں کو جنت کی خوشخبری یوں سنائی جائے گی کہ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو۔

اس سے مراد ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے نافرمانی اور خواہشات نفس کی پیروی کا راستہ چھوڑ کر اطاعت اور اللہ کی رضا کا راستہ اختیار کر لیا ہو، جو ہر اس چیز کو چھوڑ دے جو اللہ کو ناپسند ہے اور ہر اس چیز کو اختیار کر لے جو اللہ کو پسند ہے، جو راہ بندگی سے ذرا قدم ہٹتے ہی گھبرا اٹھے اور توبہ کر کے بندگی کی راہ پر پلٹ آئے، جو کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والا اور اپنے تمام معاملات میں اس کی طرف رجوع کرنے والا ہو، اگرچہ اس کی صفت رحمٰن ہے پھر بھی اس کی عظمت و جلال کی وجہ سے وہ اس سے ڈرتا رہا۔ اس خیال سے کہ شاید اس کا عمل اللہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کرتا ہے یا نہیں اور اس آیت مبارکہ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے ایسے متقین رحمٰن کو دیکھے بغیر اس سے ڈرتے ہیں اور

اس وقت بھی ڈرتے ہیں جب وہ لوگوں سے غائب ہوتے ہیں، کوئی اس کے پاس نہیں ہوتا یعنی اپنی خلوتوں اور جلوتوں کو خشیت الٰہی کی نظر کرتے ہیں۔

ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿۳۴﴾

تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔

تفسیر :

ان کی عزت افزائی کے لیے کہا جائے گا کہ ہر قسم کے خوف، غم اور فکر سے سلامت رہ کر اس جنت میں داخل ہو جاؤ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں اس حال میں داخل ہو جاؤ کہ تم پر فرشتوں اور پروردگار کی طرف سے سلام ہے، جیسا کہ فرمایا

- سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ

اس رب کی طرف سے کہا جائے گا جو بے حد مہربان ہے۔ (یٰسٓ : ۵۸)

اب تم ہمیشہ یہاں رہو گے، کبھی اس سے نکالے نہیں جاؤ گے۔

لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾

یہ وہاں جو چاہیں انہیں ملے گا (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔

تفسیر :

پچھلی آیات میں جو اوصاف بیان ہوئے ہیں، ایسے اوصاف کے حاملین جنت میں جس چیز کی بھی خواہش کریں گے وہ چیز پلک جھپکنے سے بھی قبل ان کے پاس ہوگی، اور ان تمام نعمتوں کے علاوہ سب سے بڑی نعمت یہ ہوگی کہ باری تعالیٰ اپنا چہرہ انور ان کے سامنے کر دے گا، جس کا وہ نظارہ کریں گے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ ﴿٣٦﴾

اور اس سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کرچکے ہیں جو ان سے طاقت میں زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈھتے ہی رہ گئے، کہ کوئی بھا گنے کا ٹھکانا ہے۔

تفسیر :

یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اہل مکہ سے مخاطب ہیں اور فرمارہے ہیں کہ تم سے پہلے بھی کئی قومیں آئیں، جو شان و شوکت اور قوت و طاقت میں تم سے دگنے چگنے تھے، لیکن پھر جب انہوں نے بھی ہٹ دھرمی کی روش اختیار کی تو اللہ نے ان پر عذاب نازل کردیا اور ایسا عذاب کے ان کو بھاگنے کی جگہ نہ ملی۔ سابقہ انبیاء کرام اور انکی اقوام کے حالات و واقعات قرآن مجید میں بیسیوں مقامات پر درج ہیں، لیکن اس آیت کی مطابقت سے یعنی بوقت عذاب کفار کا اپنی قوت و طاقت کی بنیاد پر کہنا کہ ہم بچ نکلیں گے، اس لحاظ سے یہ آیات مشرکینِ مکہ کے بے ڈھنگے مخول کے جواب کیلئے کافی ہیں۔

• وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ (۴۲) قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ (۴۳)

اور کشتی ان کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلی جارہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور وہ ایک الگ جگہ میں تھا۔ اے میرے بیٹے ! ہمارے ساتھ سوار ہوجا اور کافروں کے ساتھ شامل نہ ہو۔ اس نے کہا میں جلد ہی کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ (لیکن) آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں، مگر جس پر وہ رحم کرے اور دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی تو وہ غرق ہونے والوں میں سے ہوگیا۔ (ہود : ۴۲-۴۳)

یہ تو ہوگئی سابقہ اقوام میں سے ایک مثال، مشرکینِ مکہ کی اس بات کا جواب خود رب العزت نے سورۃ الاحزاب میں فرمایا ہے۔ (یہ آیات دراصل مسلمانوں کیلئے نازل ہوئی تھیں جب وہ میدانِ جنگ سے فرار ہوئے تھے)

• قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا (١٧) قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (١٨)

کہہ دیجئے کہ تم موت سے یا خوف قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اسوقت تم ہی کم فائدہ آٹھاؤ گے۔ پوچھئے! اگر اللہ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچا سکے (یا تم سے روک سکے) اپنے لئے بجز اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی حمائتی پائیں گے نہ مدد گار۔
(الاحزاب : ١٧ تا ١٨)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾

اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو۔

تفسیر :

اس آیت حکیمہ میں رب العالمین فرماتا ہے کہ بے شک ان آیات میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو دل لگا کر، کان لگائیے ہدایت کی طلب میں حاضر رہتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں ہدایت و نصیحت کے حصول کے لیے تین باتوں کا لازمی ہونا فطرتاً لازم قرار دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ

۱۔ دل بیدار، جو غور وفکر کرکے حقائق کا ادراک کرلے اور بیداری شعور پیدا کرے۔

۲۔ توجہ سے کان لگا کر وحی الٰہی سنے کہ آواز کانوں سے ہوتی ہوئی سیدھا دل و دماغ کو چھو جائے۔

۳۔ قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر ہو۔ اس لئے کہ جو بات کو ہی نہ سمجھے، وہ موجود ہوتے ہوئے بھی ایسے ہے جیسے نہیں ہے۔

ان تینوں نکات میں دراصل انسان کا قرآنِ مقدس کے ساتھ قلبی رشتہ مطلوب ہے، یہ تب ہی ممکن ہے کہ بغیر کسی کے کہے، دباؤ میں آئے بغیر، والدین کے ڈر سے یا کسی اور ایسی وجہ سے نہیں بلکہ قرآن عظیم کی عظمت کو سمجھیں کہ یہ خدا کا کلام ہے بلکہ یہ لکھتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں ایک ویڈیو آگئی جو میں نے یوٹیوب پر دیکھی تھی کہ کسی یورپ ملک میں اسلامی مجاہدین، کسی چوراہے پر کھڑے تھے اور آتے جاتے اشخاص کو قرآن مجید کا مصحف تحفتاً پیش کررہے تھے۔ اتنے میں ایک حبشی باشندہ جو

کہ غیر مسلم تھا، اس نے مصحف اپنے ہاتھ میں لیا اور مجاہدین سے پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہے ؟ مجاہدین نے جواب دیا کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ وویڈیو میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا تھا کہ جب اس حبشی نے یہ بات سنی کہ یہ خدا کی کتاب ہے، خدا کا کلام ہے تو اس پر لرزا طاری ہو گیا اور بے ہواس مسلسل لگاتار پوچھتا رہا کہ کیا یہ خدا کا کلام ہے ؟ کیا یہ سچ میں اس کا کلام ہے ؟ کیا کہ قرآن ہے ؟ میں نے قرآن مجید آپ ے ہاتھوں میں لیا ہے ؟

بلکل اسی طرح کے جزبات کا اگر رتی برابر حصہ بھی آج کے مسلمان اس قرآن کے بارے میں محسوس کریں تو مسلمانوں کے معاشی، سیاسی، عائلی اور دیگر تمام مسائل حل ہوجائیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قُرآں ہو کر

اس تمام گفتگو کو چھوڑیے محض ایک مثال سے میرا نقطۂ آپ کے ذہنوں کی گرا کھول دے گا کہ آج کے نوجوان کی اپنی معشوقہ سے جب ناراضگی ہو جاتی ہے اور اسے وٹس ایپ یا فیسبک پر بلاک کر دیتی ہے۔ کچھ دن بلاک رہنے کے بعد جب اچانک سے لڑکا اپنی معشوقہ کے میسج کی آواز سنتا ہے تو ۷۰ دیواروں کے پیچھے سے بھی بھاگتا ہوا آئے گا۔ لیکن اسی نوجوان کو جب قرآن کی طرف بلایا جائے تو ناک منہ چڑائے گا۔ بہت معذرت خواہ ہوں کہ ایسی گھٹیا

مثال دینی پڑی لیکن آج کے دور میں ہر ۱۰ میں سے ۹ نوجوان اس فتنے کا شکار ہے اور اہل علم حضرات نے اسے بے حیائی اور زنا کہہ کہہ کر اس موضوع پر تفصیلاً گفتگو کرنا ہی بند کردی ہے اور اگر کوئی بندہِ خدا یہ ہمت کر لے تو نوجوانان اس کی *memes* بنا ڈالتے ہیں۔

بحر حال موضوع پر واپس آتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس سے اگلی سورۃ مبارکہ میں آتا ہے کہ

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ (۳۷)

بےشک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو (ق : ۳۷)

یعنی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص علم القرآن کے معاملے میں تدبر سے کام لیتا ہے اس کے لئے اس میں نصیحت ہے۔ ایک عظیم، زندہ، ذہین اور پاک دل، یہ دل، جب آیات الٰہی میں سے کوئی آیت اس پر گزرتی ہے، تو اس سے نصیحت حاصل کرکے فائدہ اٹھاتا ہے اور بلند مقام پر فائز ہوتا ہے اور اسی طرح جو کوئی کان لگا کر آیات الٰہی کو اس طرح غور سے سنتا ہے جس سے رشد و ہدایت حاصل ہوتی ہے اور تذکر، نصیحت، شفاء اور ہدایت سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ رہا روگردانی کرنے والا شخص جو آیات الٰہی کو غور سے نہیں سنتا تو اس شخص کو آیات الٰہی کوئی فائدہ نہیں دیتیں، کیونکہ اس کے پاس قبولیت کا مادہ نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر آتا ہے کہ

• لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا (الأعراف : ١٧٩)

ان کے دل ہیں جن کے ساتھ وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے نہیں۔

• وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ

اور ان میں سے بعض آپ کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو اہل علم صحابہ سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اور اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں۔ (محمد : ١٦)

اور قیامت کے دن ایسے روگردانی کرنے والے افراد خود تسلیم کریں گے اور کہیں گے

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک: ١٠)

اگر ہم سنتے ہوتے یا سمجھتے ہوتے تو ہم بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں سے نہ ہوتے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ﴿٣٨﴾

یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کردیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات کے حوالے سے تزکرہ فرمارہے ہیں کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو صرف چھ دن میں پیدا کیا، اس بارے میں قرآن مجید میں بارہا مرتبہ ذکر آیا ہے لیکن یہ چھ دنوں کی وضاحت رب العالمین نے سورۃ حم السجدہ میں نازل فرمائی، وہ یہ کہ

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ (٩) وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ (١٠) ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (١١) فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (١٢)

اے میرے نبی ! آپ (ان سے) کہہ دیجیے، کیا تم اس اللہ کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا ہے، اور اس کے لئے شرکاء بناتے ہو، وہی سارے جہان کا پالنہار ہے۔ اسی نے زمین میں پہاڑ بنا کر اس کے اوپر رکھ دیا ہے، اور اس میں برکت ڈال دی ہے، اور چار دنوں میں اس میں پائے جانے والے اسباب زندگی کا بندوبست کیا، پورے چار دنوں میں (یہ جواب) پوچھنے والوں کے

لئے ہے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ اور درانحالیکہ وہ دھواں تھا، پس اس سے اور زمین سے کہا، تم دونوں آجاؤ، چاہے خوشی سے یا نا خوشی سے، دونوں نے کہا، ہم خوشی سے آگئے۔ پھر اس نے آسمان کو دو دنوں میں سات آسمان بنا دیا، اور ہر آسمان میں اس سے متعلق حکم جاری فرما دیا، اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کردیا، اور ان کے ذریعہ اس کی حفاظت کردی، یہ تدبیر و انتظام اس اللہ کا ہے جو زبردست، دانا ہے۔ (حم السجدہ : ۹ تا ۱۲)

بحرحاکل، سورۃ ق کی اس ایت مبارکہ میں اللہ تعالی نے تخلیق کائنات کے حوالے سے فرمایا کہ ہم نے اسے چھ دنوں کے اندر پیدا کیا، اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آیا یہ دن یا تو ہمارے یہ ۲۴ گھنٹے ہیں یا پھر یہ چھ دنوں سے مراد چھ ادوار ہیں اگر تو پھر ان چھ دنوں کی اصل حقیقت کیا ہے ؟ قران عظیم میں ایک اور جگہ پہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ

- تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (۴)

فرشتے اور روح (جبریل) اس (اللہ) کے پاس چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ (المعارج : ۴)

- وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ

اور آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔ (الحج : ۴۷)

ان چھ دنوں کی اصل حقیقت تو صرف اللہ تعالی اور اس کے رسول و محبوب کو ہی معلوم ہے، اور دوسری قابل ذکر بات یہاں پر یہ ہے کہ جیسا کہ اس آیت میں ہی آتا ہے کہ اللہ تعالی نے چھ دنوں کے

اندر پوری کائنات کو خلق کیا اب سوال یہاں پر یہ اٹھتا ہے کہ یہ چھ دن کون سے تھے کیونکہ بھی تو کائنات کی تخلیق ہوئی نہیں کائنات کی تخلیق نہیں ہوئی تو سورج اور چاند بھی حرکت میں نہیں ائے اور اگر سورج اور چاند حرکت میں نہیں ائے تو دن اور رات کو کیسے ناپا جائے اب اصل بات کیا ہے یہ تو اللہ اور اس کے رسول کو ہی بہتر معلوم ہے۔

اب دوسری بات اس آیت یہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے کائنات کو تخلیق کیا اور اس کے بعد انہیں کوئی تھکان بھی محسوس نہیں ہوئی۔ اب یہ تو سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالی ہر شے پر قادر ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالی نے یہاں پر یہ بات کی کہ اللہ تعالی کو کوئی تھکان نہیں ہوئی تو اس کا کیا مطلب ہے ؟ مفسرین اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے کے یہود و نصارٰی یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے چھ دن میں مرحلہ تخلیق مکمل کیا اور پھر ساتویں روز آرام فرمایا۔ (بائبل ؛ پیدائش ؛ ۲ ؛ ۲)

تو یہاں رب ذوالجلال والاکرام نے ان گستاخانِ باری تعالیٰ کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو صرف چھ دن میں پیدا کردیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں۔ تخلیق کائنات اور اس متعلق بہت سے سوال و جواب اور اعتراضات کو تفصیل سے پڑھنے کیلئے دیکھیں پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب " **تخلیق کائنات** "۔

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾

پس یہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی۔ اور کچھ حصہ رات میں بھی اس کی تسبیح کر اور سجدے کے پیچھے بھی (یعنی بعد نماز)۔

تفسیر :

ان آیات مبارکہ میں نبی کریمﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر مشرکین اگر بعث بعد الموت اور توحید و رسالت کا انکار کرتے ہیں، تو آپ رنجیدہ نہ ہوا کیجیے، صبر و تحمل سے کام لیجیے اور جس منصب پر آپ فائز کیے گئے ہیں اسے بخوبی انجام دیتے رہیں اور جس حقیقت کے بیان کرنے پر مامور کیے گئے ہیں وہ بیان کرتے رہے ہیں۔

اپنے رب کی حمد و ثنا اور تسبیح کے ذریعہ قوت حاصل کیجیے۔ تسبیح سے مراد یا تو ظاہری تسبیح ہے، یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنا یا اس سے مراد نماز ہے، کیونکہ مفسرین کے ہاں یہ اصول ہے کہ اگر قرآن مجید میں کسی مقام پر بھی حمد و تسبیح کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کردیا جاتا ہے تو اس سے مراد نماز ہوتی

ہے۔ طلوع آفتاب سے قبل کی نماز سے مراد فجر کی نماز، غروب سے قبل کی نماز سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے اور رات کی نماز سے مراد عشاء اور تہجد کی نماز اور سے مراد وہ نوافل ہیں جو فرض نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور پھر اس آیت میں آتا ہے کہ " وَأَدْبَارَ السُّجُودِ " یعنی " اور سجدوں کے بعد بھی " تو اکابرین اس سے ذکر بعد الصلوٰۃ مراد لیتے ہیں اور کئی مفسرین فرض کے بعد کے نوافل مراد لیتے ہیں۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۴۲﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾

اور سن رکھیں کہ جس دن ایک پکارنے والا قریب ہی جگہ سے پکارے گا۔ جس روز اس تند تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سن لیں گے یہ دن ہوگا نکلنے کا۔ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے (نکل پڑیں گے) یہ جمع کرلینا ہم پر بہت ہی آسان ہے۔

تفسیر :

ان آیات میں اللہ تعالی نے قیامت کے کچھ مناظر بیان کیے ہیں کہ جس دن پکارنے والا تم لوگوں کو پکارے گا اس سے مراد سیدنا

اسرافیل کا صور پھونکنا ہے۔ اسی سورۃ کی ایت نمبر ۲۰ میں ہم نے اس بارے میں پہلے تفصیل سے پڑھا تھا۔ اس میں ہم نے پڑھا تھا صور دو بار پھونکا جائے گا، پہلے جب صور پھونکا جائے گا تو سب جاندار مر جائیں گے اور پھر جب دوبارہ صور ہو گا تو سب جاندار زندہ ہو جائیں گے۔

مفسرین کے نزدیک سور تین بار پھونکا جائے گا پہلے سور کو نفخہ موت کہا جاتا ہے، دوسرے کو نفخہ حیات اور تیسرے کو نفخ جمع۔ نفخہ حیات کے بارے میں تو ہم آیت ۲۰ میں پڑھ چکے، ان آیات میں اب تذکرہ ہو رہا ہے نفخہ موت اور نفقہ جمع کا۔ صور پھونکا جائے گا تو سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر موجودہ دور کے مردوں تک، تمام مرد دوبارہ زندہ اپنی قبروں سے نکل آئیں گے اور پھر دوبارہ سے صور پھونکا جائے گا جیسا کہ اس آیت میں آتا ہے کہ جس دن پکارنے والا قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا۔

جب تمام مردے نفخہ حیات سے اٹھ جائیں گے تو دوبارہ نفخہ جمع بجایا جائے گا، یہ ایسی اواز ہوگی کہ اٹھو اور چلے چلو تو سب کے سب اٹھیں گے، یہ آواز ان مردوں کو ایسے محسوس ہو گی کہ گویا کوئی انہی کے پیچھے کھڑا یا قریب ترین کھڑا ہو کر پکار رہا ہے۔ پھر یہ لوگ ٹڈی دل کی مانند میدانِ حشر کی طرف بھاگ پڑیں گے۔ ان لوگوں پر زمین تنگ کردی جائے گی اور سب دوڑتے جھپٹتے ہوئے میدانِ حشر پہنچیں گے۔

حْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ﴿۴۵﴾

یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں تو آپ قرآن کے ذریعے انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں وہی بات ہو رہی ہے جو ہم پہلے آیت ۳۹ میں پڑھ چکے ہیں، کفار کی بدکلامی کی وجہ سے تو رسول اللہﷺ کا دل دکھتا ہی تھا لیکن ان لوگوں کا صراط مستقیم کو ٹھکرانا رسول اللہﷺ کو زیادہ تکلیف دیتا تھا، کیونکہ اگر انہوں نے یہی روش اختیار کیے رکھی تو رب ذوالجلال انہیں اوندھے منہ دوزخ میں پھینک دے گا۔ تو رب العالمین نے انہیں فرمایا کہ آپﷺ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں بلکہ آپﷺ کا کام صرف تبلیغ ودعوت ہے، وہ کرتے رہیں آپﷺ کی دعوت و تذکیر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہوگا۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَخَافُ وَعِيدَكَ ، وَيَرْجُو مَوْعُودَكَ يَا بَارُّ يَا رَحِيمُ

اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سےکر جو تیرے وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے رحم فرمانے والے۔ **آمین یارب العالمین**

سُوْرِةُ الذَّارِيَاتِ

بِسْمِ اللَّـهِ الرَّحْمَـٰنِ الرَّحِيمِ

وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا ﴿١﴾ فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا ﴿٢﴾ فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا ﴿٣﴾
فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا ﴿٤﴾ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾
وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ
﴿٩﴾ قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ﴿١١﴾ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ
يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٢﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿١٣﴾ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَـٰذَا الَّذِي
كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٤﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ آخِذِينَ مَا
آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا
يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ
وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا
تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ
إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ
مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا
تَأْكُلُونَ ﴿٢٧﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٢٨﴾
فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوا
كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ
﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن
طِينٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا
آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّى بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ
وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ
الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي
ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّى حِينٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ
الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ
﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٤٦﴾ وَالسَّمَاء بَنَيْنَاهَا
بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿٤٧﴾ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ ﴿٤٨﴾ وَمِن
كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٤٩﴾ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ
نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥١﴾
كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٥٢﴾
أَتَوَاصَوْا بِهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٥٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنتَ بِمَلُومٍ ﴿٥٤﴾
وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا
لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾ إِنَّ اللَّهَ
هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ
أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي
يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

تعارف :

اس سورۃ مبارکہ کا نام پہلے ہی لفظ "والذاریات" سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے ایسی ہوائیں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔ مضامین اور انداز بیاں سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورۃ اس

زمانے میں نازل ہوئی ہے جب نبی کریمﷺ کی دعوت کا مقابلہ تکذیب و استہزاء اور جھوٹے الزامات سے تو بڑے زور و شور کے ساتھ ہو رہا تھا، مگر ابھی ظلم و تشدد کی چکی چلنی شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے یہ بھی اسی دور کی نازل شدہ معلوم ہوتی ہے جس میں سورہ ق نازل ہوئی ہے، یعنی مکہ دورِ نبوۃ کا ابتدائی زمانہ۔

یہ سورۃ مبارکہ قرآن مجید کی اکاونویں سورۃ مبارکہ ہے اور یہ ۶۰ آیات اور ۱۵۴۶ حروف پر مشتمل ہے۔ حجم اور آیتوں کے اختصار کے اعتبار سے اس کا شمار مُفَصَّلات میں ہوتا ہے۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے ۵۱ نمبر پر اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے ۶۷ نمبر پر آتی ہے۔

مضامین :

- ایمان بالآخرت
- توحید باری تعالیٰ
- اہمیت اسناد فی الحدیث
- اللہ تعالیٰ کے وعدے
- مہمانوں کے متعلق چند احکام و مسائل
- عزاب بر قومِ لوط
- ہلاکتِ لشکر فرعون

- قومِ عاد، قومِ ثمود اور قوم نوح پر نازل ہونے والے عزاب
- کائنات کی تدبیر
- اللہ کی قدرت

بِسْمِ اللَّـهِ الرَّحْمَـٰنِ الرَّحِيمِ

وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا (١) فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا (٢) فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا (٣) فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا (۴)

قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد اڑانے والی ہیں۔ پھر ان کی جو (بادلوں کا) بوجھ اٹھانے والی ہیں۔ پھر نرمی سے چلنے والی۔ پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں۔

تفسیر :

"الذَّارِيَاتِ" سے مراد ایسی ہوائیں یا آندھیاں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر کر رکھ دیتی ہیں۔ وَقْرٌ ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حاملات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں، یاپھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں۔ یہاں رب العالمین نے وہ نظامِ آبپاشی کا تذکرہ کیا ہے جو سولہویں صدی کے قربِ اختتام پر کچھ سائنسدانوں نے دریافت کیا۔ اس سے پہلے کے اعتقادات کیا تھے، آئیں ہم دیکھتے ہیں۔

قدیم زمانے میں، یہ بڑے پیمانے پر سوچا جاتا تھا کہ زمین کا ماس پانی کے جسم پر تیرتا ہے، اور یہ کہ دریاؤں میں زیادہ تر پانی کی اصل زمین کے نیچے ہے۔ اس طرح کے عقیدے کی مثالیں ہومر (BCE800) کے کاموں میں ملتی ہیں۔

دیگر مزاہب اور دورۃ الماء (*water cycle*) :

قدیم مشرق میں سیدنا عیسیٰ کے نزول سے قبل، عبرانی علما نے مشاہدہ کیا کہ اگرچہ دریا سمندر میں بہہ گئے، لیکن سمندر کبھی بھرا نہیں۔ تو ان میں سے کچھ علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "ہوا جنوب کی طرف جاتی ہے اور شمال کی طرف مڑتی ہے۔ یہ مسلسل چکر لگاتی ہے اور ہوا اپنے چکروں کے مطابق دوبارہ لوٹتی ہے۔ تمام دریا سمندر میں دوڑتے ہیں، لیکن سمندر نہیں بھرتا، حتیٰ کہ اس جگہ تک جہاں سے دریا نکلتے ہیں، وہیں واپس لوٹتے ہیں۔" (واعظ 1:6-7) (esslesiastes 1:6-7)

یہودی علماء اس قول کی تاریخ کے بارے میں متفق نہیں ہیں، حالانکہ اکثر علماء نے سیدنا سلیمان بن داؤد کے زمانے کی ایک تاریخ کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کے علاوہ، BCE 740-793 کے دوران ایک عبرانی نبی آموس نے بیان کیا کہ پانی سمندر سے آتا ہے اور زمین پر بہایا جاتا ہے (عاموس 5:8)۔

1580ء میں برنارڈ پیلسی وہ پہلا شخص تھا کہ جس نے واٹر سائیکل کے متعلق کوئی نظریہ پیش کیا تھا کہ دورۃ الماء سورج سے خارج ہونے والی توانائی سے چلتا ہے، یہ توانائی سمندروں یا ندیوں دریاؤں

میں پانی کو گرم کرتی ہے جس سے پانی ہوا میں بخارات بن جاتا ہے۔ ان بخارات میں سے کچھ گلیشیئر وغیرہ میں سمٹ جاتے ہی۔ جیسے جیسے ان بخارات کی اونچائی بڑھتی ہے، ہوا کا دباؤ کم ہوتا ہے اور درجہ حرارت گرتا ہے۔ کم درجہ حرارت کی وجہ سے پانی کے بخارات چھوٹے مائع پانی کی بوندوں میں گھل جاتے ہیں جو ہوا سے زیادہ بھاری ہوتے ہیں۔ فضا میں ایک بڑے رقبے پر ان بوندوں کا ایک بہت بڑا ارتکاز بادل کے طور پر نظر آتا ہے، جبکہ سطح زمین کے قریب گاڑھا ہونا دھند کہلاتا ہے۔

ماحول کی گردش پانی کے بخارات کو پوری دنیا میں منتقل کرتی ہے۔ بادل کے ذرات بارش کے طور پر اوپری ماحول کی تہوں سے ٹکراتے، بڑھتے اور گرتے ہیں۔ کچھ بارش برف، اولے، یا ژالہ باری کے طور پر گرتی ہے اور برف کے ڈھکنوں اور گلیشیئرز میں جمع ہو سکتی ہے، جو ہزاروں سالوں تک منجمد پانی کو ذخیرہ کر سکتی ہے۔ زیادہ تر پانی بارش کے طور پر واپس سمندر میں یا خشکی پر گرتا ہے، جہاں پانی زمین کے اوپر بہہ جاتا ہے۔ اب آئیے دیکھتے ہیں قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے ؟

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآ ءَ فَسَلَکَہٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِہٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰ ہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُہٗ حُطَامًا ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ (الزمر : ۲۱)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا 'پھر اس کو سوتوں ، چشموں اوردریاؤں کی شکل میں زمین کے اندرجاری کیا 'پھر اس پانی کے ذریعہ سے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتاہے جن کی قسمیں مختلف ہیں'پھر وہ کھیتیاں پک کر تیارہو جاتی ہیں'پھر تم

دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئیں 'پھر آخر کار اللہ اُن کو بھس بنادیتا ہے۔ درحقیقت اس میں ایک سبق ہے عقل رکھنے والوں کے لیے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (الروم : ۲۴)

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی (کی چمک) دکھاتا ہے جس سے تم ڈرتے ہو اور امید بھی رکھتے ہو اور آسمان سے پانی برساتاہے جس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔سمجھنے سوچنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیا ں ہیں۔

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ

(المؤمنون : ۱۸)

اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اُتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرادیا، ہم اُ سے جس طرح چاہیں غائب کرسکتے ہیں۔

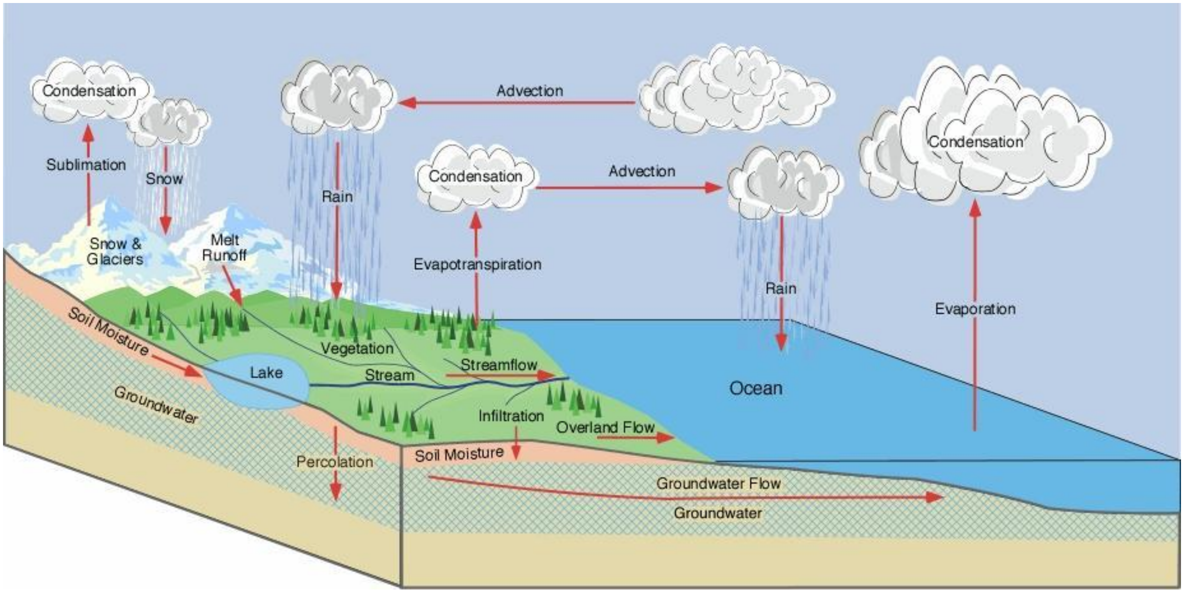
ان سب سے زیادہ وضاحت سورۃ الذاریات کی اس آیت میں جامع الفاظ میں موجود ہے کہ

وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا (۱) فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا (۲) فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا (۳) فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا (۴)

قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد اڑانے والی ہیں۔ پھر ان کی جو (بادلوں کا) بوجھ اٹھانے والی ہیں۔ پھر چلنے والی نرمی سے۔ پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں۔

وضاحت کی ضرورت تو نہیں لیکن پھر بھی بیان کیے دیتے ہیں کہ اللہ نے یہاں فرمایا کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو گر و غبار اور ساتھ ساتھ پانی کے بخارات کو اٹھا کر لے جاتی ہیں بلندیوں تک، پھر دوسری قسم ہے ان بادلوں کی جو بخارات سے بنتے ہیں یا پھر کوئی بادل انہیں خود میں جذب کرلیتا ہے۔ پھر وہ بادل نرمی سے اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں ہو جاتی ہیں اور پھر اپنے اپنے کام کو تقسیم کرتی ہیں کہ کس بخارے نے ندی میں بہنا ہے، کس بخارے نے سمندر میں، کس نے شہروں میں اور کس نے گلیشیئر کی چوٹیوں پر برسنا ہے۔

علماء و مفسرین اس سے اور بھی کئی مراد لیتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ یہاں فرشتے اور کشتیاں مراد ہیں وغیرہ وغیرہ۔



اس طرح کی مزید آیات کی تفسیر جو کہ سائنسی حقائق کی وضاحت کرتی ہیں، انہیں پڑھنے کیلئے دیکھیں میری دوسری کتاب "معرفة علمية فی الآيات القرآنیۃ" جو کہ ابھی زیر تکمیل ہے۔ آج ۷ اپریل ۲۰۲۴ ہے بمطابق ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ ہے۔ اگر اللہ رب العزت نے چاہا تو **"معرفة علمية فی الآيات القرآنیۃ"** ۲۰۲۴ سے اختتام تک مکمل ہو جائے گی۔

دوسری بات جو اس آیت میں بیان کرنا لازم ہے، وہ ہے قسم/حلف اٹھانے کے بارے میں شرعی حکم۔ زیادہ لمبی چوڑی گفتگو میں نہیں پڑتا بلکہ چند احادیث بتائے دیتا ہوں، جس سے قسم کے متعلق حکم واضح ہو جائے گا۔

• سیدنا عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب کو ایک قافلے میں پایا اور سیدنا عمر اپنے والد کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہﷺ نے انہیں پکار کر فرمایا "سن رکھو! بلاشبہ اللہ تمہیں منع کرتا ہے کہ تم اپنے آباء و اجداد کی قسم کھاؤ، جس نے قسم کھانی ہے وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔ سیدنا عمر نے کہا اللہ کی قسم! جب سے میں نے رسول اللہﷺ سے سنا کہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، میں نے نہ (اپنی طرف سے) نہ (کسی کی) پیروی کرتے ہوئے کبھی ان (آباء و اجداد کی) قسم کھائی۔ (آباء و اجداد کی قسم کے الفاظ ہی زبان سے ادا نہیں کیے۔ (صحیح مسلم : ۴۲۵۴، ۴۲۵۷)

• قریش اپنے باپ دادا کی قسم کھایا کرتے تھے اس لیے آپﷺ نے انہیں فرمایا کہ اپنے باپ دادا کے نام کی قسم نہ کھایا کرو، ہاں ! اگر

کسی کو قسم کھانی ہی ہو تو اللہ کے سوا اور کسی کی قسم نہ کھائے۔
(صحیح بخاری : ۳۸۳۶)

• رسول اللہﷺ نے فرمایا جس نے کسی امر پر قسم کھائی اور ساتھ ہی ان شاءاللہ کہا، تو اس قسم کو توڑنے کا کفارہ نہیں ہے۔ اکثر اہل علم صحابہ اور دوسرے لوگوں کا اسی پر عمل ہے کہ جب قسم کے ساتھ ان شاءاللہ کا جملہ ملا ہو تو اس قسم کو توڑنے کا کفارہ نہیں ہے، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، سفیان ثوری، اوزاعی، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی : ۱۵۱۳)

• سیدنا عبداللہ بن عمر نے کسی کو سنا کہ وہ کعبہ کی قسم کھا رہا تھا تو انہوں نے اس سے کہا بیشک میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے غیراللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

(سنن ابو داؤد : ۳۲۵۱)

• نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ جب تم قسم کھانے لگو تو کہو ربِ کعبہ کی قسم ! اور کہو جو اللہ تعالیٰ چاہے، پھر آپ چاہیں۔

(کیونکہ صحابہ کا یہ کہنا معمول تھا کہ کعبہ کی قسم، جیسا اللہ چاہے اور رسول اللہﷺ چاہیں)

(سنن نسائی : ۳۸۰۴)

• سیدنا ابوامامہ حارثی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے، جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان آدمی کا حق مارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام اور جہنم واجب کر دیتا

ہے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا اگرچہ کوئی معمولی سی چیز ہو ؟

نبی کریمﷺ نے فرمایا اگرچہ پیلو کی ایک مسواک ہو۔ (سنن ابن ماجہ : ۲۳۲۴)

• سیدنا عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک/کفر کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۳۴۱۹)

• سیدنا عبداللہ بن اُنیس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور جس شخص نے اللہ کی پختہ قسم اٹھائی اور اس میں مچھر کے پر کے برابر (جھوٹ) داخل کر دیا تو روز قیامت تک اس کے دل پر نقطۂ لگا دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۳۷۷۷)

قسموں کا کفارہ :

• لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (المائدة : ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد (غیر سنجیدہ) قَسموں میں تمہاری گرفت نہیں فرماتا لیکن تمہاری ان (سنجیدہ) قَسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں

تم (ارادی طور پر) مضبوط کرلو، (اگر تم ایسی قَسم کو توڑ ڈالو) تو اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو کپڑے دینا ہے یا ایک گردن (یعنی غلام یا باندی کو) آزاد کرنا ہے، پھر جسے (یہ سب کچھ) میسر نہ ہو تو تین دن روزہ رکھنا ہے۔ یہ تمہاری قَسموں کا کفّارہ ہے جب تم کھالو، اور اپنی قَسموں کی حفاظت کیا کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں خوب واضح فرماتا ہے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

• سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عبدالرحمٰن بن سمرہ ! جب تم کوئی قسم کھاؤ، پھر اس کے خلاف کو اس سے بہتر پاؤ تو وہی کرو جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔ (سنن ابو داؤد : ۳۲۷۷)

• رسول اللہﷺ نے فرمایا اگر تم کسی بات پر قسم کھالو اور پھر اس کے سوا دوسری چیز میں بھلائی دیکھو تو وہ کرو جس میں بھلائی ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردو۔ (صحیح بخاری : ۷۱۴۷)

یہ حدیث پوری یوں ہے کہ

• سیدنا ابوہریرہ سے ان کے والد نے بیان کیا کہ میں اشعری قبیلہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سواری مانگی۔ نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ واللہ، میں تمہارے لیے سواری کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا اور نہ میرے پاس کوئی سواری کا جانور ہے۔ بیان کیا پھر جتنے دنوں اللہ نے چاہا ہم یونہی ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد تین اچھی قسم کی اونٹنیاں لائی گئیں اور نبی

کریمﷺ نے انہیں ہمیں سواری کے لیے عنایت فرمایا۔ جب ہم روانہ ہوئے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے بعض نے کہا، واللہ! ہمیں اس میں برکت نہیں حاصل ہو گی۔ ہم نبی الرحمۃﷺ کی خدمت میں سواری مانگنے آئے تھے تو آپ نے قسم کھا لی تھی کہ آپ ہمارے لیے سواری کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اور اب آپ نے ہمیں سواری عنایت فرمائی ہے ہمیں نبی کریمﷺ کے پاس جانا چاہئے اور آپ کو قسم یاد دلانی چاہئے۔ چنانچہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا ہے اور میں، واللہ! کوئی بھی قسم اگر کھا لوں گا اور اس کے سوا کسی اور چیز میں بھلائی دیکھوں گا تو اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا۔ جس میں بھلائی ہو گی یا نبی کریمﷺ نے یوں فرمایا کہ وہی کروں گا جس میں بھلائی ہو گی اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ (صحیح بخاری : ۶۶۲۳، ۶۶۲۲)

اس سب کا یہ مطلب ہوا کہ اگر کسی نے قسم کھائی ہو لیکن اس امر کے خلاف میں شرعی اور اخلاقی مصلحت ہو تو بہتر کیفیت پر عمل کرنا چاہیے۔اور قسم کا کفارہ ادا کردیا جائے اور اس میں وسعت ہے کہ پہلے کفارہ دے یا بعد میں۔

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾

یقین مانو کہ تم سے جو وعدے کئے جاتے ہیں (سب) سچے ہیں، اور بیشک انصاف ہونے والا ہے۔

تفسیر :

یعنی یہ سب قسمیں اس بات پر ہیں کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں وہ یقیناً سچے ہیں اور قیامت برپا ہو کر رہے گی۔ جس میں انصاف کیا جائے گا۔ یہ مکمل دورۃ الماء (آبی چکر) جو ہم نے پچھلی آیات میں پڑھا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے اور قیامت کے وقوع پر دلیل ہے۔ کیوں کہ جو ذات یہ سارے کام کرتی ہے، جو بظاہر نہایت مشکل اور اسباب عادیہ کے خلاف ہیں وہی ذات قیامت والے دن تمام انسانوں کو زندہ بھی کر سکتی ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾

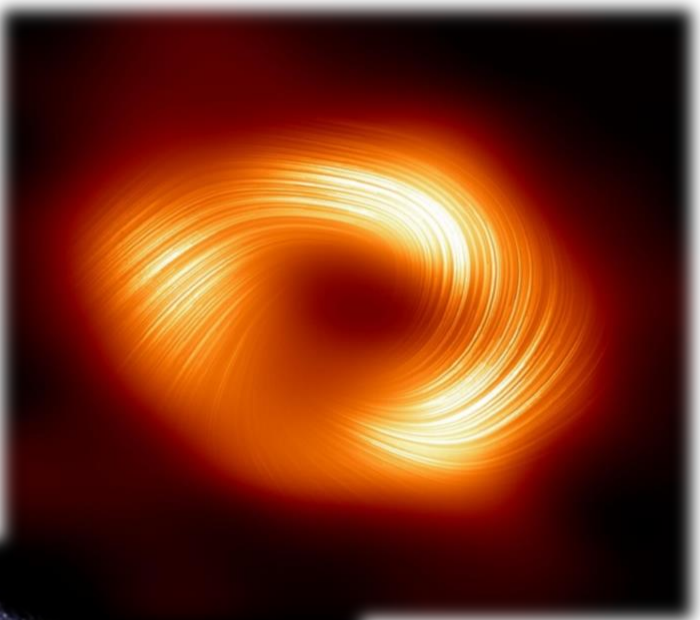
قسم ہے راستوں والے آسمان کی۔ یقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو۔

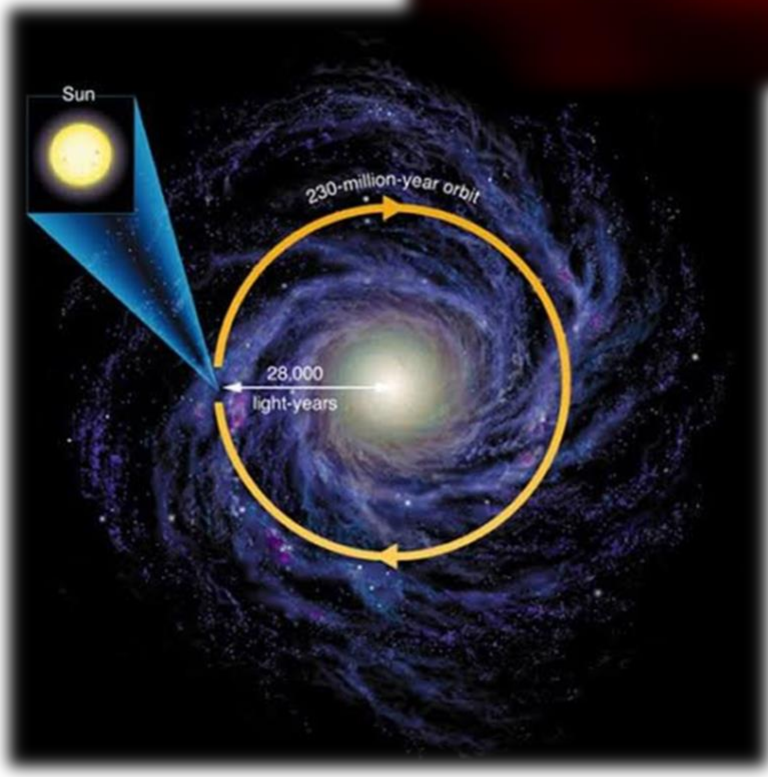
تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں ربِ کائنات نے دوبارہ قسم اٹھائی ہے فرمایا کہ قسم ہے ایسے آسمان کی جس میں راستے ہیں، جس دھاریاں ہیں (امین اصلاحی) یا یوں کہیں کہ ایسا آسمان، ایسی خلاء جس میں سیاروں، ستاروں، کہکشاؤں، سورجوں وغیرہ وغیرہ کیلئے گزر گاہیں ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں واضح اشارہ ہے خلاء میں کچھ مخصوص رستے ہیں، جنہیں ہم سائنسی زبان میں *orbits* کہتے ہیں۔ جیسا کہ تصویر میں واضح کردیا گیا کہ ہماری کہکشاں جادہ شیر (*milky way*) ایک عظیم بلیک ہول، سیگیٹیریس اے* کے گرد چکر کاٹ رہی ہے، سورج ہماری کہکشاں جادہ شیر (*milky way*) کے مرکز کے گرد چکر کاٹ رہا ہے، پھر سورج کے گرد گھومنے والے ہر سیارے کا سورج کی ثقلی گرفت میں ہونے کی وجہ سے اپنا الگ رستہ(مدار) بنا ہوا ہے، پھر ہر سیارے کے چاند اپنے سیارے کے گرد چکر لگانے میں مصروف ہیں۔ یعنی خلاء میں ہر شے کا اپنا ایک رستہ بنا ہوا جو ہماری دنیا کی ٹریفک کی طرح کبھی آپس میں نہیں ٹکراتے، کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آتا۔ یہ سب نشانیاں ہے اس ذات کی جس کے بارے میں ملحدین سوال کرتے ہیں کہ اگر وہ واقعی میں ہے تو نظر کیوں نہیں آتا ؟ اگر وہ سچ میں ہے تو سامنے کیوں نہیں آتا ؟ اگر وہ سچ میں ہے تو اپنی نشانیاں کیوں نہیں دکھاتا ؟

بلیک ہول سیگیٹیرئیس اے*



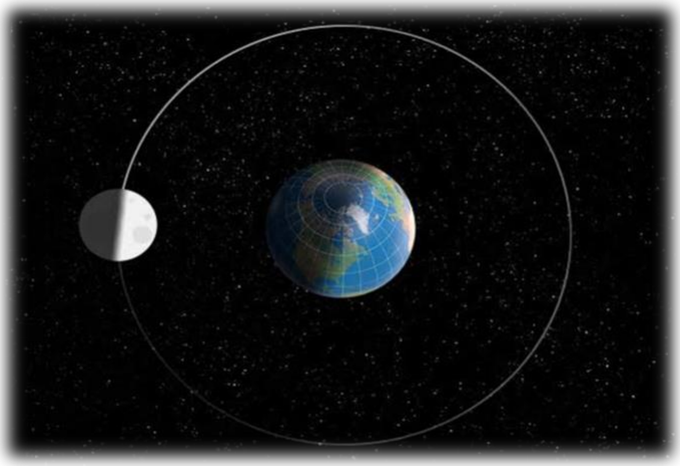


سورج بلیک ہول سیگیٹیرئیس اے* کے گرد گھومتے ہوئے ↑

جملہ اجرام فلکی سورج کے گرد اپنے اپنے مدار میں رہ کرچکر کاٹتے ہوئے ↓



چاند دنیا کے گرد اپنے مدار میں رہ کر گھومتے ہوئے



قسم اٹھانے کے بعد رب العالمین نے اہل مکہ کے بارے میں فرمایا کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگ مختلف باتوں میں پھنسے ہوئے ہو۔ یعنی اے اہل مکہ ! اس بات میں کوئی شک کی گنجائش

نہیں کہ تم لوگ اپنی جہالت کے اندھیروں میں اتنی گہرائی کی گراوٹ کا شکار ہوگئے ہو کہ تم لوگوں کے دل و دماغ اس چیز کو کہیں نہ کہیں پہچان گئے ہیں کہ نبی کریمﷺ اللہ رب العزت کے نبی ہیں اور وہ جس کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ حق ہے لیکن اس کے باوجود تم خلوتوں میں بیٹھ کر سوچتے ہو کہ اگر اس حق کو قبول کرلیا تو مکہ کی سرداری ہاتھ سے جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ پھر تم نت نئے بہانے تلاش کرنے لگتے ہو اس نبی خاتمﷺ کے رد پر اور تمہارا آپس میں ہی کسی بات میں اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو تم میں سے کوئی جادوگر، کوئی شاعر، کوئی کاہن اور کوئی کذاب کہتا ہے۔ اسی طرح کوئی قیامت کی بالکل نفی کرتاہے، کوئی شک کا اظہار، علاوہ ازیں ایک طرف اللہ کے خالق اور رازق ہونے کا اعتراف کرتے ہو، دوسری طرف دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ ضماد الازدی کو پورے خطۂ عرب میں آسیب و بلا کے علاج کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ وہ قبیلہ از دشنوء سے تھا اور آسیب کا دم کیا کرتا تھا، جسے لوگ ریح کہتے تھے یعنی ایسی ہوا جو نظر نہیں آتی ،اثر کرتی ہے۔ جب وہ مکہ آیا، تو اس نے مکہ کے بے وقوفوں کو یہ کہتے سنا کہ محمدﷺ کو جنون ہوگیا ہے (نعوذ باللہ)، اس نے کہا اگر میں اس آدمی کو دیکھ لوں تو شاید اللہ تعالیٰ اسے میرے ہاتھوں شفا بخش دے۔ پھر وہ آپ سے ملا اور کہنے لگا اے محمدﷺ میں اس نظر نہ آنے والی بیماری کو زائل کرنے کے لئے دم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے میرے ہاتھوں شفا بخشتا ہے تو آپ کیا چاہتے ہیں (کہ میں دم کروں؟) تو رسول اللہﷺ نے جواب میں فرمایا

ان الحمد لله نحمده ونستعينہ من یہده الله فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ہادی لہ واشہد ان لا الہ الا الله وحده لا شریک لہ وان محمدا عبده ورسولہ اما بعد

یقیناً تمام حمد اللہ کے لیے ہے، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں، جس کو اللہ سیدھی راہ پر چلائے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ چھوڑ دے،اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں،وہی اکیلا(معبود) ہے،ا س کا کوئی شریک نہیں اور بلاشبہ محمدﷺ اس کا بندہِ (خاص) اور اس کا رسول ہے۔

ضماد بے ساختہ بول اٹھا اپنے یہ کلمات مجھے دوبارہ سنائیں۔ تو رسول اللہﷺ نے تین مرتبہ یہ کلمات اس کے سامنے دہرائے۔ اس پر اس نے کہا میں نے کاہنوں، جادو گروں اور شاعروں(سب) کے قول سنے ہیں، میں نے آپ کے ان کلمات جیسا کوئی کلمہ کبھی نہیں سنا، یہ تو بحرِبلاغت کہ تہ تک پہنچ گئے ہیں اور کہنے لگا ہاتھ بڑھایئے! میں آپ کے ساتھ اسلام پر بیعت کرتا ہوں، پھر اس نے آپﷺ کی بیعت کرلی۔

پھر سیدنا ضماد الازدی کے پوچھنے پر رسول اللہﷺ نے فرمایا تیری طرف سے تیری قوم کے اسلام پر بھی تیری بیعت لیتا ہوں۔ انہوں نے کہا اپنی قوم کے اسلام پر بھی بیعت کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم : ۲۰۰۸)

(مزید وضاحت کیلئے دیکھیں سورۃ ق، آیت نمبر ۵)

يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴿٩﴾

اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے جو پھیر دیا گیا ہو۔

تفسیر :

یعنی نبی کریمﷺ پر ایمان لانے سے یا حق سے یا توحید اور آخرت یا مذکورہ اختلاف سے وہ شخص پھیر دیا گیا جسے اللہ نے اپنی توفیق سے پھیر دیا۔ کیونکہ اس شخص کی روش ہی ایسی رہی کہ رسالت مآبﷺ اور کلامِ مقدس کے واضح دلائل آجانے کے بعد بھی وہ اپنی آنا کو سلامت رکھنے کیلئے ان کا رد کرتا رہا اور رد بھی دلیل یا کوئی ثبوت کے ساتھ نہیں بلکہ گپ سے اور بدتمیزی سے۔ تو پھر خدا بھی اس کو خاصا آزمانے کے بعد گمراہیوں کی دلدل میں دھتکار دیتا ہے کہ دنیا میں بھی ذلت کما اور آخرت میں بھی۔

قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ ﴿١٠﴾

بے سند باتیں کرنے والے ہلاک کردیے گئے۔

تفسیر :

کفار مکہ نے قرآن کریم اور نبی کریمﷺ کی واضح اور صریح نبوت کا انکار دلائل و براہین کی بنیاد پر نہیں، بلکہ محض ظن و تخمینہ

کی بنیاد پر کیا تھا۔ ان کا سارا دار و مدار ظن و تخمین اور وہم و گمان پر ہے۔ چنانچہ شرک کی بنیاد سراسر گمان اور اندازوں پر ہے اور قیامت کا انکار بھی محض خرص و تخمین (اٹکل اور اندازوں) پر ہے۔ ظاہر ہے اٹکل اور اندازوں کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں، اس لیے فرمایا، اٹکل لگانے والے مارے گئے۔

اس آیت مبارکہ کا ایک مطلب اور بھی ہے کہ بے سند باتوں سے بچا جائے، بے سند واقعات سے، بے سند اقوال سے اور بے سند تعلیمات سے اپنے ذہنوں کو محفوظ رکھا جائے۔ واضح اور ٹھوس اسناد کا ذکر تو قرآن مجید میں بھی ہے کہ خدا نے کفار و مشرکین سے جگہ جگہ ان کے باطل عقائد و نظریات کی سند مانگی۔ (دیکھیں البقرہ: ۱۱۱، آل عمران: ۱۵۱، النساء: ۱۶۲-۱۶۴، الکہف: ۱۵، الانبیاء: ۲۴، القصص: ۷۵، الاحقاف: ۴)

اسناد کی اہمیت و فضیلت اور قدر و منزلت کو مختصر اور جامع ترین انداز میں جاننے اور سمجھنے کیلئے دیکھیں ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کی کتاب **”الارشاد فی مکانۃ الاسناد“** جس میں آپ پڑھیں گے :

۱. اسناد کا معنی و مفہوم اور اہمیت و مرتبہ

۲. اسناد کا دین میں سے ہونے کا بیان

۳. اسناد امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے

۴. اسناد مومن کا ہتھیار ہے

۵. اسناد عالم کی سیڑھی ہے

۶. عالی سند کی فضیلت

۷. بلا اسناد علم حاصل کرنے کی ممانعت

۸. نااہل شخص سے سند لینے کی ممانعت

الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ﴿۱۱﴾

جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں۔

تفسیر :

یعنی ان کم عقل کفار کی جہالت و نادانی کا حال یہ ہے کہ جو قرآن ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہے، اس سے یکسر غافل، اپنی جسمانی لذتوں اور شہوتوں کی تکمیل میں منہمک ہیں۔ وہ کفر، جہالت اور ضلالت کی موجوں میں ہچکولے کھا رہے ہیں۔ انہیں ہدایت قبول کرتے ہوئے یہ ڈر روک لیتا ہے کہ وہ سردارانِ قریش کی فہرست سے نکال دیے جائیں گے اور اہلیان مکہ ان کے خلاف ہو جائیں گے۔ یا پھر اگر انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو انہیں مرضیِ خدا کے سامنے جھکنا پڑے گا اور اپنی مرضی کی عیش و عشرت ترک کرنی پڑے گی، اپنی دنیاوی لذتوں کو خیرآباد کہنا پڑے گا۔

يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٢﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿١٣﴾

پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہوگا۔ ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر تپائے جائیں گے۔

تفسیر :

یہ کفار قیامت کے آنے پر یقین نہیں رکھتے تھے، اس لئے طنز و مزاح کرتے ہوئے پوچھتے ہیں تھے کہ اجی ! وہ تمہاری قیامت کب آئیگی ؟ وہ شک اور تکذیب کے طور پر پوچھتے تھے کہ ان کو کب دوبارہ اٹھایا جائے گا؟ انہوں نے یہ سوال حیات بعد الموت کو بعید سمجھتے ہوئے کیا تھا۔ ظاہر ہے ان کا یہ سوال محض انکار اور استہزا کے لیے ہے، کیونکہ تاریخ کا تعین کوئی دلیل نہیں جس سے کوئی منکر اقرار پر آمادہ ہو جائے، بلکہ اس کے بعد ان کا اگلا سوال یہ ہو گا کہ اس کے آنے سے پہلے آخر ہم یہ یقین کیسے کر لیں کہ اس دن وہ واقعی آ جائے گی؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا وقت نہیں بتایا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت ۱۳ میں ان کے اس استہزاء آمیز سوال کا جواب یہ دیا کہ قیامت اس دن آئے گی جب کفار مکہ جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے، جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر جانچا پرکھا جاتا ہے، کھرے یا کھوٹے کی پہچان کی جاتی ہے، اسی طرح

یہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ وہ روزِ جزا اس دن ہو گا جب انہیں ایسے آگ پر رکھ کر تپایا اور جلایا جائے گا۔

ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۴﴾

(ان سے کہا جائے گا) اپنی تکذیب کی جزا کا مزہ چکھو، یہی وہ عذاب ہے جس کے طلب کرنے میں تم جلدی کررہے تھے۔

تفسیر :

یہ بات انھیں ذلیل کرنے کے لیے بطور طنز کہی جائے گی کہ اب چکھو مزا اپنے اس طنز کا، اپنے مزاح کا، اپنے استہزاء کا کہ تم مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر قیامت آنے والی ہے تو اسے جلدی کیوں نہیں لے آتے؟ لہٰذا اس دن ان کو عذاب دے کر بتایا جائے گا کہ یہ ہے اللہ کا عذاب۔ اب اس کا مزا چکھ لو۔ یہی وہ عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی مچاتے اور مذاق اڑاتے تھے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے اسی وقت تمہیں یہ مزا نہ چکھا دیا اور مہلت دیتا رہا مگر تم تو خود اپنے دشمن تھے جو جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾

بیشک متقین (اس روز) باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (وہ) لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں دے گا، یقیناً وہ اس سے پہلے نیکی کرنے والے تھے۔

تفسیر :

متقین کا یہ وصف دنیا کے اندر ہو یعنی اللہ تعالیٰ دنیا کے اندر جو اوامر و نواہی ان کو عطا کرتا ہے وہ نہایت خوش دلی، انشراح صدر کے ساتھ، اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اور بہترین طریقے سے ان پر عمل کرتے ہوئے انہیں قبول کرتے ہیں اور جن امور سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا ہے وہ اس سے پوری طرح رک جاتے ہیں۔ پس جن کو اللہ نے اوامر و نواہی عطا کیے ہیں، یہ سب سے بڑا عطیہ ہے اور اس کا حق یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے، اطاعت کے جذبے کے ساتھ قبول کیا جائے۔ تو ان کا رب انہیں جو کچھ دے گا وہ اسے لے لیں گے۔“ اس میں اس معنیٰ کا احتمال ہے کہ اہل جنت کا آقا، ان کی نعمتوں کے بارے میں تمام آرزوئیں پوری کرے گا اور وہ اپنے آقا سے راضی ہو کر یہ نعمتیں قبول کریں گے، اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، ان کے نفوس خوش ہوں گے، وہ ان کو بدلنا چاہیں گے نہ اس سے منتقل

ہونے کی خواہش کریں گے۔ (جنت میں) ہر شخص کو اتنی نعمتیں عطا ہوں گی کہ وہ اس سے زیادہ طلب نہیں کرے گا۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾

وہ رات کے بہت تھوڑے حصے میں سوتے تھے۔ اور رات کی آخری گھڑیوں میں وہ بخشش مانگتے تھے۔

تفسیر :

پچھلی آیت میں جنہیں مُحْسِنِینَ کہا گیا، اس آیت میں ان کی ایک صفت بیان ہو رہی ہے کہ مُحْسِنِینَ رات کے بہت تھوڑے حصے میں سوتے تھے اور ان کا زیادہ تر رات کا حصہ رب کریم کی بارگاہ میں مناجات کرتے ہوئے، قیام کرتے ہوئے، اپنے گناہوں کی معافی میں روتے ہوئے، گڑگڑاتے ہوئے گزرتا تھا۔ ساری رات سو کر غفلت اور عیش و عشرت میں نہیں گزار دیتے تھے۔ بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں اور اس کی بارگاہ میں گڑ گڑاتے ہوئے گزارتے تھے جیسا کہ احادیث میں بھی قیام اللیل کی تاکید ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ ”لوگو! لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام پھیلاؤ اور رات کو اُٹھ کر نماز پڑھو۔ جب کہ لوگ سوئے

ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“ (جامع ترمذی: ۲۴۸۵) (سنن ابن ماجہ: ۱۳۳۴)

اور خصوصاً سحر کے وقت اپنی مناجات و شکر گزاری کو ادا کرتے کیونکہ وقت سحر قبولیت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں ایک مقام پر متقین و محسنین کے اوصاف کا تزکرہ ہوا کہ

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (۱۵) الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۶) الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (۱۷)

آپ کہہ دیجئے! کیا میں تمہیں اس(دنیاوی لذتوں) سے بہت ہی بہتر چیز نہ بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب تعالیٰ کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، سب بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لا چکے اس لئے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔ (آل عمران : ۱۵ – ۱۷)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ اور ندا دیتا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے۔ کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں، کوئی سائل ہے کہ

میں اس کے سوال کو پورا کر دوں یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۱۴۵) (صحیح مسلم: ۷۵۸)

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۱۹﴾

اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور محروم (سوال سے بچنے والوں) کا حق تھا۔

تفسیر :

جن متقین و محسنین کے اوصاف ہم پڑھتے آرہے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انکی ایک اور صفت بیان کی کہ ان کی سخاوت کا عالم یہ تھا کہ وہ محسنین (احسان کرنے والوں) نے اپنے اموال میں غرباء و مساکین کیلئے الگ سے ایک رقم کا حساب بنا رکھا تھا، یاد رہے کہ یہ رقم زکوٰۃ نہیں تھی بلکہ زکوٰۃ سے ہٹ کر غربا و مساکین کو نوازا کرتے تھے۔

محسنین حضرات ایسے لوگوں کو جو بیوہ عورتیں ہوں، مریض یا معذور ہوں اور کما نہ سکتے ہوں یا عیالدار ہوں مگر مانگنے سے ہچکچاتے ہوں۔ اور ان کو جو کچھ دیتے ہیں وہ ان کا حق سمجھ کر انہیں ادا کرتے ہیں۔ صدقہ و خیرات کے طور پر نہیں دیتے کہ ان سے کسی شکریہ یا بدلہ کے طالب ہوں یا بعد میں انہیں احسان جتلاتے پھریں۔ یعنی جس طرح قرض ادا کرنا ایک حق اور ضروری

امر ہے۔ اور قرضہ ادا کرکے کوئی احسان نہیں جتلاتا کہ میں نے تمہارا قرضہ ادا کردیا۔ اسی طرح مالدار لوگوں کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہوتا ہے۔ اگر وہ ادا نہ کرے گا تو اس کے اپنے سر پر بوجھ رہے گا۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر آتا ہے کہ

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ (۲۴) لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (۲۵)

ان کے مالوں میں ایک مقررہ حصہ ہے، مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی۔ (المعارج : ۲۴-۲۵)

اسکے علاؤہ احادیث میں بھی آتا ہے کہ سیدہ فاطمہ بنت قیس نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہﷺ سے سنا، آپﷺ فرمارہے تھے بیشک تمہارے اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (غربا و مساکین کا) کچھ حق ہے۔ (سنن دارمی : ۱۶۷۵ – إسناده ضعيف) (جامع ترمذی : ۶۶۰)

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿۲۰﴾

اور یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

تفسیر :

اس آیت کی تفسیر میں مجھے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر " تفہیم القرآن " سے بہتر کوئی تفسیر نہ ملی۔ بہت

ہی عمدہ طریقے سے قرآن مجید میں درج مَعْرِفَةُ عِلْمِيَّة کا تزکرہ فرمایا کہ قارئین کو لاجواب کردیا۔ لہذا میں نے طے کیا کہ اس آیت کی تفسیر میں تفہیم القرآن سے ہی چسپاں کروں گا، جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

” نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو آخرت کے امکان اور اس کے وجوب و لزوم کی شہادت دے رہی ہیں۔ زمین کا اپنا وجود اور اس کی ساخت، اس کا سورج سے ایک خاص فاصلے پر اور ایک خاص زاویے پر رکھا جانا، اس پر حرارت اور روشنی کا انتظام، اس پر مختلف موسموں کی آمد و رفت، اس کے اوپر ہوا اور پانی کی فراہمی، اس کے پیٹ میں طرح طرح کے بے شمار خزانوں کا مہیا کیا جانا، اس کی سطح پر ایک زرخیز چھلکا چڑھایا جانا، اس میں قسم قسم کی بے حد و حساب نباتات کا اگایا جانا، اس کے اندر خشکی اور تری اور ہوا کے جانوروں کی بے شمار نسلیں جاری کرنا، اس میں ہر نوع کی زندگی کے لیے مناسب حالات اور موزوں خوراک کا انتظام کرنا، اس پر انسان کو وجود میں لانے سے پہلے وہ تمام ذرائع و وسائل فراہم کر دینا جو تاریخ کے ہر مرحلے میں اس کی روز افزوں ضروریات ہی کا نہیں بلکہ اس کی تہذیب و تمدن کے ارتقاء کا ساتھ بھی دیتے چلے جائیں، یہ اور دوسری ان گنت نشانیاں ایسی ہیں کہ دیدۂ بینا رکھنے والا جس طرف بھی زمین اور اس کے ماحول میں نگاہ ڈالے وہ اس کا دامن دل کھینچ لیتی ہیں۔ جو شخص یقین کے لیے اپنے دل کے دروازے بند کر چکا ہو اس کی بات تو دوسری ہے۔ وہ ان میں اور سب کچھ دیکھ لے گا، بس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے والی کوئی نشانی ہی نہ دیکھے گا۔ مگر جس کا دل تعصب سے پاک اور سچائی کے لیے کھلا ہوا ہے وہ ان چیزوں کو دیکھ کر

ہرگز یہ تصور قائم نہ کرے گا کہ یہ سب کچھ کسی اتفاقی دھماکے کا نتیجہ ہے جو کئی ارب سال پہلے کائنات میں اچانک برپا ہوا تھا بلکہ اسے یقین آ جائے گا کہ یہ کمال درجے کی حکیمانہ صنعت ضرور ایک قادر مطلق اور دانا و بینا خدا کی تخلیق ہے اور وہ خدا جس نے یہ زمین بنائی ہے نہ اس بات سے عاجز ہو سکتا ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے اور نہ ایسا نادان ہو سکتا ہے کہ اپنی زمین میں عقل و شعور رکھنے والی ایک مخلوق کو اختیارات دے کر بے نتھے بیل کی طرح چھوڑ دے۔ اختیارات کا دیا جانا آپ سے آپ محاسبے کا تقاضا کرتا ہے، جو اگر نہ ہو تو حکمت اور انصاف کے خلاف ہو گا اور قدرت مطلقہ کا پایا جانا خود بخود اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کا کام ختم ہونے کے بعد اس کا خالق جب چاہے محاسبے کے لیے اس کے تمام افراد کو زمین کے ہر گوشے سے، جہاں بھی وہ مرے پڑے ہوں، اٹھا کر لا سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن)

(مزید تفصیلات اور نشانیوں کی وضاحت کیلئے دیکھیں "مَعْرِفَةُ عِلْمِيَّة فی إلّایات الْقُرْانیۃ")

وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾

اور خود تمہاری ذات میں بھی(وجود باری تعالیٰ کی نشانیاں رکھ دی ہیں)، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

تفسیر :

پچھلی آیت کی طرح اس آیت کی تفسیر میں بھی میں یہی سمجھتا ہوں کہ مولانا مودودی صاحب کی تفسیر بہت عمدہ اور لاجواب ہے۔
مولانا مودودی صاحب کی تفسیر ملحدین کیلئے ایک کڑی ضرب ہے۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اپنی ذات، اپنے نفوس سے باہر دیکھنے کی بھی حاجت نہیں، خود اپنے اندر دیکھو تو تمہیں اسی حقیقت پر گواہی دینے والی بے شمار نشانیاں مل جائیں گی کہ کس طرح ایک خورد بینی کیڑے اور ایسے ہی ایک خورد بینی انڈے کو ملا کر ماں کے ایک گوشۂ جسم میں تمہاری تخلیق کی بنا ڈالی گئی۔ کس طرح تمہیں اس تاریک گوشے میں پرورش کر کے بتدریج بڑھایا گیا۔ کس طرح تمہیں ایک بے نظیر ساخت کا جسم اور حیرت انگیز قوتوں سے مالا مال نفس عطا کیا گیا۔ کس طرح تمہاری بناوٹ کی تکمیل ہوتے ہی شکم مادر کی تنگ و تاریک دنیا سے نکال کر تمہیں اس وسیع و عریض دنیا میں اس شان کے ساتھ لایا گیا کہ ایک زبردست خودکار مشین تمہارے اندر نصب ہے جو روز پیدائش سے جوانی اور بڑھاپے تک سانس لینے، غذا ہضم کرنے، خون بنانے اور رگ رگ میں اس کو دوڑانے، فضلات خارج کرنے، تحلیل شدہ اجزائے جسم کی جگہ دوسرے اجزاء تیار کرنے اور اندر سے پیدا ہونے والی یا باہر سے آنے والی آفات کا مقابلہ کرنے اور نقصانات کی تلافی کرنے، حتیٰ کہ تھکاوٹ کے بعد تمہیں آرام کے لیے سلا دینے تک کا کام خود بخود کیے جاتی ہے بغیر اس کے کہ تمہاری توجیہات اور کوششوں کا کوئی حصہ زندگی کی ان بنیادی ضروریات

پر صرف ہو۔ ایک عجیب دماغ تمہارے کاسۂ سر میں رکھ دیا گیا ہے جس کی پیچیدہ تہوں میں عقل و فکر، تخیل، شعور، تمیز، ارادہ، حافظہ، خواہش، احساسات و جذبات، میلانات و رجحانات اور دوسری ذہنی قوتوں کی ایک انمول دولت بھری پڑی ہے۔ بہت سے ذرائع علم تم کو دیے گئے ہیں جو آنکھ، ناک، کان اور پورے جسم کی کھال سے تم کو ہر نوعیت کی اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں۔ زبان اور گویائی کی طاقت تم کو دے دی گئی ہے جس کے ذریعہ سے تم اپنے «ما فی الضمیر» کا اظہار کر سکتے ہو اور پھر تمہارے وجود کی اس پوری سلطنت پر تمہاری انا کو ایک رئیس بنا کر بٹھا دیا گیا ہے کہ ان تمام قوتوں سے کام لے کر رائیں قائم کرو اور یہ فیصلہ کرو کہ تمہیں کن راہوں میں اپنے اوقات، محنتوں اور کوششوں کو صرف کرنا ہے، کیا چیز رد کرنی ہے اور کیا قبول کرنی ہے، کس چیز کو اپنا مقصود بنانا ہے اور کس کو نہیں بنانا۔

یہ ہستی بنا کر جب تمہیں دنیا میں لایا گیا تو ذرا دیکھو کہ یہاں آتے ہی کتنا سرو سامان تمہاری پرورش و نشوونما اور ترقی و تکمیل ذات کے لیے تیار تھا جس کی بدولت تم زندگی کے ایک خاص مرحلے پر پہنچ کر اپنے ان اختیارات کو استعمال کرنے کے قابل ہو گئے۔

ان اختیارات کو استعمال کرنے کے لیے زمین میں تم کو ذرائع دیے گئے، مواقع فراہم کیے گئے۔ بہت سی چیزوں پر تم کو تصرف کی طاقت دی گئی۔ بہت سے انسانوں کے ساتھ تم نے طرح طرح کے معاملات کیے، تمہارے سامنے کفر و ایمان، فسق و طاعت، ظلم و انصاف، نیکی و بدی، حق و باطل کی تمام راہیں کھلی ہوئی تھیں اور ان راہوں میں سے ہر ایک کی طرف بلانے والے اور ہر ایک کی

طرف لے جانے والے اسباب موجود تھے۔ تم میں سے جس نے جس راہ کو بھی انتخاب کیا اپنی ذمہ داری پر کیا کیونکہ فیصلہ و انتخاب کی طاقت اس کے اندر ودیعت تھی۔ ہر ایک کے اپنے ہی انتخاب کے مطابق اس کی نیتوں اور ارادوں کو عمل میں لانے کے جو مواقع اس کو حاصل ہوئے ان سے فائدہ اٹھا کر کوئی نیک بنا اور کوئی بد، کسی نے ایمان کی راہ اختیار کی اور کسی نے کفر و شرک یا دہریت کی راہ لی، کسی نے اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے روکا اور کوئی بندگی نفس میں سب کچھ کر گزرا، کسی نے ظلم کیا اور کسی نے ظلم سہا، کسی نے حقوق ادا کیے اور کسی نے حقوق مارے، کسی نے مرتے دم تک دنیا میں بھلائی کی اور کوئی زندگی کی آخری ساعت تک برائیاں کرتا رہا، کسی نے حق کا بول بالا کرنے کے لیے جان لڑائی اور کوئی باطل کو سربلند کرنے کے لیے اہل حق پر دست درازیاں کرتا رہا۔ اب کیا کوئی شخص جس کی هیے کی آنکھیں بالکل ہی پھوٹ نہ گئی ہوں، یہ کہہ سکتا ہے کہ اس طرح کی ایک ہستی زمین پر اتفاقاً وجود میں آ گئی ہے ؟ کوئی حکمت اور کوئی منصوبہ اس کے پیچھے کارفرما نہیں ہے ؟ زمین پر اس کے ہاتھوں یہ سارے ہنگامے جو برپا ہو رہے ہیں سب بے مقصد ہیں اور بے نتیجہ ہی ختم ہو جانے والے ہیں ؟ کسی بھلائی کا کوئی ثمرہ اور کسی بدی کا کوئی پھل نہیں ؟ کسی ظلم کی کوئی داد اور کسی ظالم کی کوئی بازپرس نہیں ؟ اس طرح کی باتیں ایک عقل کا اندھا تو کہہ سکتا ہے، یا پھر وہ شخص کہہ سکتا ہے جو پہلے سے قسم کھائے بیٹھا ہے کہ تخلیق انسان کے پیچھے کسی حکیم کی حکمت کو نہیں ماننا ہے۔ مگر ایک غیر متعصب صاحب عقل آدمی یہ مانے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انسان کو جس طرح، جن قوتوں اور قابلیتوں کے

ساتھ اس دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اور جو حیثیت اس کو یہاں دی گئی ہے وہ یقیناً ایک بہت بڑا حکیمانہ منصوبہ ہے اور جس خدا کا یہ منصوبہ ہے اس کی حکمت لازماً یہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان سے اس کے اعمال کی بازپرس ہو اور اس کی قدرت کے بارے میں یہ گمان کرنا ہرگز درست نہیں ہو سکتا کہ جس انسان کو وہ ایک خورد بینی خلیے سے شروع کر کے اس مرتبے تک پہنچا چکا ہے اسے پھر وجود میں نہ لا سکے گا۔ (تفہیم القرآن)

اسکے علاؤہ اس آیت کی ایک تفسیر اور بھی ہے جو کہ ۲۰۲۴ کے ماہ رمضان المبارک کے عشرے کے اعتکاف میں میرے شیخ، ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی نے بیان کی کہ اس آیت سے مراد ہے کہ خالق کائنات نے فرمایا عنقریب تمہیں تمہارے اپنے نفوس میں ایسی نشانیاں دکھائی جائیں گی کہ تم چیخ اٹھو گے، چونک جاؤ گے اور تم خدا کے آگے سر تسلیم خم کیے بغیر رہ نہ پاؤ گے۔ یعنی قرآن مجید میں موجود سائنسی حقائق جو کہ آج سے ۱۴۰۰ سال قبل اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام پاک سے رسول کریمﷺ نے ہمیں سکھائے، جن کا اعتراف جدید سائنس و ٹیکنالوجی آج کر رہی ہے۔ ان میں بہت سے سائینسی علوم شامل ہیں مثلاً کہ علم فلکیات، نباتات، حیوانیات، علم الطب، جنینیات، آبیات، طبیعات، بحریات، ارضیات، فعلیات، ریاضیات وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید میں ایسے ایسے سائنسی حقائق سے پردہ اٹھایا گیا کہ جو کہ آج سے سو یا پچاس برس قبل بھی سائنسدان مخصوص خورد بینوں کے ذریعے بھی بتانے سے قاصر تھے۔ لیکن قرآن مجید نے ۱۴۴۵ برس قبل ان حقائق سے پردہ اٹھایا اور جب سائینسدانوں نے ان حقائق پر تحقیق کردیا جو مسلمانوں کے دلوں سے یہ صدا نکلی

”صدق اللہ العظیم!“ کہ اے میرے رب آپ نے جو قرآن کریم میں بار بار فرمایا تھا کہ میں عنقریب تمہیں تمہارے اپنے جسموں، اپنے نفوس اور اپنی ذات سے نشانیاں دکھاؤں گا، وہ بات سچ ہوئی۔ (اقتباس از مَعْرِفَةُ عِلْمِيَّة فی إلّایات الْقُرْانیۃ)

میرے مطابق اس آیت مبارکہ کے مفہوم و معنی کو اگر ایک سطر میں بیان کیا جائے تو یہ ہوگا کہ اس سورۃ مبارکہ کی آیت ۲۰ اور ۲۱ میں قرآن مجید نے ۱۴۴۵ سال قبل سائینسی دریافتوں کی خبر دی ہے جنہیں خود قرآن مجید نے اس وقت بیان کردیا تھا۔ اور یہ نشانیاں یوں ہوئی کہ جیسا کہ غیر مسلموں کا دعویٰ ہے کہ قرآن وحی خدا نہیں بلکہ کلام محمد یے تو یہ سائینسی پڑھنے کے بعد ان کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر رسول اللہﷺ نے یہ سب خبریں اس زمانے میں کیسے دے دی جبکہ وہ دورِ جہالت تھا۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾

اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔

تفسیر :

یہاں رب کریم کا یہ فرمانا کہ آسمان سے رزق اتارا جاتا ہے، اس سے مراد بارش کا وہ پانی ہے جو کھیتوں اور دیگر زمینوں پر پڑتا

ہے اور پھر وہاں سے فصلیں، پھل، سبزیاں وغیرہ اگتی ہیں۔ اسی طرح قرآن میں کئی مقامات پر یہ فرمایا گیا کہ رزق آسمان سے اتارا جاتا ہے، مثلاً کہ

- هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا

وہی ہے جو تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمھارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے۔ (المؤمن : ۱۳)

یعنی تمھیں جو کچھ دیا جا رہا ہے وہ آسمان میں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور تمھیں وہیں سے عطا ہوتا ہے۔ تو جب تمھارا رزق آسمان ہی میں سے ہے تو پھر کمائی کے لیے اتنی فکر کیوں کہ جائز و ناجائز کی تمیز بھی نہ کی جائے اور حق والوں کو حق بھی نہ دیا جائے؟ پھر سائل اور محروم پر خرچ کرنے میں بخل اور دریغ کیسا؟ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ

- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (۲۶۷) الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۲۶۸)

اے ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرو جسے تم خود لینے والے نہیں ہو ہاں اگر آنکھیں بند کرلو تو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے۔ شیطان تمہیں تنگ دستی(غریبی) سے ڈراتا ہے اور برائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تمہیں مغفرت اور فضل و کرم کا

وعدہ کرتا ہے، اور اللہ بڑا ہی کشائش اور علم والا ہے۔ (البقرہ : ۲۶۷-۲۶۸)

اور دوسری بات جو اس آیت مبارکہ میں آئی کہ جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ بھی آسمان میں ہے یعنی حشر و نشر، جزا و سزا اور جنت و دوزخ وغیرہ، جن کے رونما ہونے کا وعدہ تمام انبیاء کی زبانی اور تمام آسمانی کتابوں کے ذریعے سے کیا گیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں آتا ہے کہ

سیدنا معاویہ بن حکم کا نے اپنی لونڈی پر اسکی کسی غلطی پر تھپڑ لگا دیا، جسکا بعد میں انہیں بہت رنج ہوا۔ یہ معاملہ وہ خود بارگاہِ محبوبِ خدا میں لے کر پہنچے تو رسول اللہﷺ نے فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ۔ معاویہ اسے لے کر رسول اللہﷺ کے پاس حاضر ہوئے، آپﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے ؟ اس نے جواب دیا آسمان میں۔ آپ نے پوچھا میں کون ہوں ؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپﷺ نے فرمایا اسے آزاد کر دو، یہ تو مومنہ ہے۔ (صحیح مسلم : ۱۱۹۹)

اور اس کے بعد واقعہ اسراء و معراج بھی ہمارے سامنے ہے کہ براق نبی کریمﷺ کو سیدنا جبرائل کے ہمراہ، مسجد اقصیٰ سے لے کر اوپر آسمانوں کی طرف روانہ ہوا اور پھر ساتوں آسمانوں کی سیر کروائی، پھر جنت و دوزخ بھی دکھائی گئی۔ یہ سب کچھ، ساتوں آسمان، جنت و دوزخ، بیت المعمور، سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ، سب اوپر ہی موجود ہیں۔

ایک اور تفسیر جو علماء نے کی ہے وہ یہ کہ حشر و نشر، جزا و سزا اور جنت و دوزخ وغیرہ، جن کے رونما ہونے کا وعدہ تمام

انبیاء کی زبانی اور تمام آسمانی کتابوں کے ذریعے سے کیا گیا ہے، ان سب کا حکم آسمان ہی سے ہے۔ تو اس آیت مبارکہ میں جس آسمانی وعدے کا ذکر ہے، اس سے مراد جنت و دوزخ کا حکم بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ امام بخاری و امام مسلم نے صحیحین میں نقل کیا کہ رسول اللہﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ پر قلموں کے چلنے کی آواز سنی، یہ وہی مقام ہے جہاں سے ملائکہ حکم خداوندی موصول کرتے ہیں۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ المصابیح : ۵۸۶۴)

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾

پس آسمان اور زمین کے مالک کی قَسم! یہ اسی طرح حق ہے جس طرح تمہارا اپنا بولنا۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں رب کریم اپنے ارض و سماء کے مالک ہونے کی قسم اٹھا کر فرماتا ہے کہ ہمارا یہ جزا و سزا، حشر و نشر، بعث بعد الموت کا وعدہ اسی طرح یقینی ہے جس طرح تمہارا اپنا بولنا کہ تمہیں اپنے الفاظ پر پر کامل یقین ہوتا ہے کہ منہ سے کیا کہہ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سننے یا دیکھنے وغیرہ کے بجائے بولنے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ سننے یا دیکھنے میں بعض اوقات شبہ بھی پڑ جاتا

ہے، مگر آدمی کو اپنے بولنے میں کبھی شبہ نہیں ہوتا کہ میں بول رہا ہوں اور بات کر رہا ہوں۔

اس آیت کی جو تفسیر میں نے اپنے استاد گرامی محترم المقام شیخ ابو احمد فرحان الٰہی صاحب حفظہ اللہ سے پڑھی، سیکھی اور ذہن نشین کی وہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو رب العالمین نے فرمایا کہ یہ وعدے ویسے ہی حق ہیں جیسے تمہاری اپنی باتیں، تو ان سے مراد انسانوں کی مَعْرِفَةُ عِلْمِيَّة کی باتیں ہیں جنہیں ہم *Established Science* یا *Natural Phenomena* بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسی سائینسی معلومات جو کہ ثابت شدہ ہے اور اس میں کوئی شکوک و شبہات کی گنجائش باقی نہیں۔ مثال کے طور پر سورج کا مشرق سے طلوع ہو کر مغرب کی طرف غروب ہونا، چاند کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا اور مشرق کی جانب چلے جانا، دنیا کا سورج کے گرد چکر کاٹنا وغیرہ وغیرہ۔ یعنی جیسے تم سائنسدانوں کو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا سورج کے گرد چکر کاٹتی ہے جسکی وجہ سے سورج مشرق سے طلوع ہوتا دکھتا ہے وغیرہ وغیرہ تو بلکل ایسے ہی، بلکہ اس سے کئی کروڑوں بلکہ کھربوں گنا زیادہ ہمیں یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن قیامت قائم ہو کر رہے گی اور جو وعدے رب ذوالجلال والاکرام نے کیے ہیں، وہ پورے ہو کر رہیں گے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۴﴾

(اے نبیﷺ) کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہانوں کی خبر پہنچی ہے؟

تفسیر :

یہاں سے رسول اللہﷺ کی تسلی کے لیے چند انبیاء کی مدد کا اور انھیں جھٹلانے والی اقوام پر آنے والے عذابوں کا ذکر شروع ہورہا ہے۔ یہ واقعہ سورۂ ہود (۶۹ تا ۸۳)، حجر (۵۱ تا ۷۷) اور عنکبوت (۱۶ تا ۳۵) میں بھی تفصیل سے آیا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں آتا ہے کہ اے نبی کریمﷺ کیا آپ کے پاس سیدنا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی ہے؟ سوال سے مقصود اس واقعہ کی عظمت و شان اور اہمیت کا احساس دلانا ہے اور یہ بھی کہ آپ کو اس بات کی خبر نہ تھی، یہ ہم ہیں جو وحی کے ذریعے سے آپ کو اس سے آگاہ کر رہے ہیں۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾

وہ جب ان کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم نے جواب سلام دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔

تفسیر :

جب وہ مہمانان گرامی، ابو الانبیاء سیدنا ابراهیم کے ہاں آئے تو انہوں نے آتے ساتھ سلام کیا اور سیدنا ابراهیم نے بھی جواب دیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ دل میں سوچنے لگے کہ یہ کون لوگ ہیں ؟ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا ؟ اور نہ ہی ان پر سفر کے اثرات واضح ہوتے ہیں، جس سے اندازہ لگایا جا سکے کہ یہ مسافر ہیں۔ یہ معزز مہمان دراصل فرشتے تھے اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ تین تھے اور بعض کے نزدیک نو فرشتے تھے، یہ سیدنا جبرائیل، سیدنا میکائیل اور سیدنا اسرافیل جو انسانی شکلوں میں آئے تھے۔

انہوں نے آتے ساتھ سلام کیا، اس آیت میں انکے سلام کرنے کو الگ سے بیان کرنا ہی سلام کرنے کی اہمیت و افادیت کیلئے کافی ہے۔ قرآن مجید اس واقعہ کا جہاں بھی ذکر ہوا، وہاں یہ سلام کرنے کا بھی ذکر کیا گیا۔

• وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ

اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے اور سلام کہا انہوں نے بھی جواب میں سلام دیا اور بغیر کسی تاخیر کے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے۔ (ھود : ۶۹)

• إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ

جب یہ مہمان اس کے پاس آئے تو کہا تم پر سلامتی ہو۔ ابراہیم نے کہا ہمیں تم سے اندیشہ ہے (کہ تم کون لوگ ہو؟) (الحجر : ۵۲)

اس آیت سے ایک اور بات معلوم ہوئی کہ سلام کرنے کا یہ طریقہ پچھلی امتوں کا بھی یہی رہا ہے۔ بلکہ نبی کریمﷺ نے فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کو ساٹھ ہاتھ لمبا بنایا، پھر فرمایا کہ جا اور ان ملائکہ کو سلام کر، دیکھنا کن لفظوں میں وہ تمہارے سلام کا جواب دیتے ہیں کیونکہ وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا طریقہ سلام ہو گا۔ سیدنا آدم علیہ السلام (گئے اور) کہا السلام علیکم فرشتوں نے جواب دیا، السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ انہوں نے ورحمۃ اللہ کا جملہ بڑھا دیا، پس جو کوئی بھی جنت میں داخل ہو گا وہ آدم علیہ السلام کی شکل اور قامت پر داخل ہو گا۔ سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد انسانوں میں اب تک قد چھوٹے ہوتے رہے۔ (صحیح بخاری : ۳۳۲۶)

اس آیت مبارکہ کی وساطت سے سلام کرنے کے بارے کچھ آیات و احادیث دیکھتے ہیں۔

• وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دوبے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (النساء : ۸۶)

جب کوئی شخص دوسرے کو سلام کہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں سلامتی کی دعا کرتا ہے۔ زیادہ اچھا جواب دینے کے لیے حدیث میں اس طرح آیا ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہﷺ کے پاس آیا اور کہا " السلام علیکم" تو آپﷺ نے فرمایا (تمہارے لیے) دس نیکیاں ہیں پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا " السلام و علیکم و رحمۃ اللہ" تو آپﷺ نے فرمایا اس کے لیے بیس نیکیاں ہیں۔ پھر ایک اور آدمی آیا اُس نے کہا " السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آپﷺ نے فرمایا اس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔ (جامع ترمذی: ۲۶۸۹، سنن ابو داؤد: ۵۱۹۵)

سیدنا معاذ بن انس نے نبی خاتمﷺ سے اسی مفہوم کی حدیث نقل کرتے ہوئے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ ! آپﷺ نے فرمایا (اس کے لیے) چالیس (نیکیاں) ہیں، نیکیاں اسی طرح بڑھتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۴۵۴۶)

لیکن اگر کوئی " السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہے تو اضافے کے بغیر انہی الفاظ میں جواب دیا جائے۔ یاد رہے یہ حکم صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ یعنی ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو سلام کہے۔ رہا یہود و نصاریٰ کو سلام کرنا تو ایک تو ان کو سلام

کرنے میں پہل نہ کی جائے، دوسرے اضافہ نہ کیا جائے، بلکہ وعلیکم کے ساتھ انھیں جواب دیا جائے - (صحیح بخاری : ۲۱۶۷)

فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۷﴾

پھر (چپ چاپ جلدی جلدی) اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑے (کا گوشت) لائے۔ اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں۔

تفسیر :

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ

اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے اور سلام کہا انہوں نے بھی جواب میں سلام دیا اور بغیر کسی تاخیر کے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے۔ (ھود : ۶۹)

جب سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے مکرم مہمانوں کا استقبال کرلیا تو چپکے سے گھر سے نکلے تاکہ ان کی ضیافت کا کچھ اہتمام کیا جائے۔ وہ چپکے سے گھر سے نکلے اور ایک موٹا تازہ بھنا ہوا بچھڑا لے آئے، جسے انہوں نے ان مکرمین کے آگے پیش کیا۔ ساتھ

ہی ساتھ سیدنا ابراھیم دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ یہ کون ہیں ؟ جیسا کہ ہم نے آیت نمبر ۲۵ میں پڑھا۔

اب یہاں سیدنا ابراھیم نے ہمیں کچھ آدابِ ضیافت بتائے ہیں کہ مہمانوں کو بٹھاتے ساتھ، بغیر ان سے پوچھے کی ٹھنڈا کیں گے یا گرم ؟ میٹھا لیں گے یا نمکین ؟ کھانہ کھائیں گے یا starter پر ہی اکتفا کریں گے ؟ چائے کے ساتھ بسکٹ لیں یا نمکو وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب پوچھے بغیر چپکے سے گئے اور جلد سے جلد ایک موٹا تازہ بچھڑا بھونا اور ان کے حضور پیش کردیا۔

بحر حال، جب کھانہ مکرم مہمانوں کے قریب کیا، لیکن جب انہوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا، تو ابو الانبیاء دل ہی دل میں گھبرانے لگے اور ان سے پوچھا کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں اور دل ہی دل میں ڈرنے لگے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی نیت ہمارے بارے میں اچھی نہیں ہے۔ اسی لئے ہمارا کھانا نہیں کھا رہے ہیں، جیسا کہ سورۃ ہود ۷۰ میں آیا ہے کہ

فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً

جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں، تو ان سے اجنبیت محسوس کرنے لگے اور اندر ہی اندر ان سے ڈر گئے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغمبروں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام غیب دان ہوتے تو بھنا ہوا بچھڑا بھی نہ لاتے اور ان سے خوف بھی محسوس نہ کرتے، بلکہ فرشتوں

کے آنے کی خبر پہلے سے ہوتی، جو خبر فرشتے لا رہے ہیں، اس کی معلومات بھی پہلے سے ہوتی۔

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿۲۸﴾

پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوف زدہ ہوگئے انہوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے اور انہوں نے اس (سیدنا ابراہیم) کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔

تفسیر :

اب جب کھانہ پروس دیا گیا اور سیدنا ابراھیم اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ کب ان مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھیں، لیکن آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو دہشت زدہ ہو گئے اور دل میں خوف کھانے لگے، وہ دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ کہیں یہ چور یا ڈاکو وغیرہ تو نہیں ؟ کیا یہ مہمان کوئی غلط ارادے لے کر تو نہیں آئے وغیرہ وغیرہ۔

اس پر ان مکرم فرشتوں نے کہا کہ ڈرو مت ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں وہ سن کر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوشخبری سنائی کہ تمہارے ہاں سیدنا اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں یعقوب علیہ

السلام۔ یہ واقعہ بائبل میں باب پیدائش میں بھی اشارتاً درج ہے اور اس میں سیدنا ابراھیم کی اس وقت کی عمر مبارک ۱۰۰ سال اور سیدہ سارہ سلام اللہ علیہا کی عمر مبارک ۹۰ سال بتائی گئی ہے۔
قرآن مجید میں ایک اور مقام پر یہ واقعہ یوں آیا کہ

وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ (۷۱)

اس کی بیوی کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری دی۔ (ھود : ۷۱)

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (۵۳)

انہوں(فرشتوں) نے کہا ڈرو نہیں، ہم تجھے ایک صاحب علم فرزند کی بشارت دیتے ہیں۔ (الحجر : ۵۳)

فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿۲۹﴾

پس ان کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت میں آکر اپنے منہ پر مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ بھی۔

تفسیر :

جب فرشتوں نے سیدنا اسحٰق کی خوشخبری دی تو سیدنا ابراھیم کا خوف تو چلا گیا البتہ ان کی بیوی آگے بڑھی اور تعجب سے اپنا ہاتھ

پیشانی پر مارتے ہوئے کہا یہ کیسے ہو گا؟ میں تو بڑھیا ہو گئی ہوں اور ایسی عمر کو پہنچ گئی ہوں جس عمر میں عورتیں بچوں کو جنم نہیں دیتیں، مزید برآں میں تو بانجھ بھی ہوں اور میرا رحم بچوں کو جنم دینے کے قابل نہیں اور میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو گئے ہیں۔

سورۃ الحجر میں آتا ہے کہ سیدہ سارہ نے فرمایا

قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ

کہا، کیا اس بڑھاپے کے آجانے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو! یہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟ (الحجر : ۵۴)

اور سورۃ ھود میں انکا بیان یوں آتا ہے کہ

قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ

وہ کہنے لگی ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہوسکتی ہے میں خود بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بہت بڑی عمر کے ہیں یہ یقیناً بڑی عجیب بات ہے۔ (ھود : ۷۲)

یہ مارنا یا چہرے پر پیٹنا ایک فطری امر تھا، جس کا اظہار ان سے ہوا لیکن بعض لوگوں نے اس سے ماتم اور سینہ کوبی کی دلیل کشید کی ہے، مگر یہ نہیں سوچا کہ کیا خوشی کی خبر پر بھی ماتم ہوتا ہے ؟ اس کے علاؤہ اہل تشیع برادران ایک اور حوالہ پیش کرتے تاریخ ابن ھشام کے باب وفاۃ النبی سے کہ جب رسول اللہﷺ کی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کی آغوش مبارکہ میں وفات ہوئی تو ام المومنین نے غم کے مارے اپنے چہرے پر اپنا دست مبارک مارا۔ اہل تشیع برادران اتنا ظلم کرتے ہیں کہ مکمل اقتباس نہیں پڑھتے، اور

پڑھ کر عوام کو آدھا پیش کرتے ہیں تو اور بھی ظلم کرتے ہیں۔ اسی اقتباس کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے یہ عمل اپنی کم عمری کی وجہ جانے انجانے میں کردیا اور بعد میں توبہ و استغفار بھی کیا۔

ماتم و نوحہ خوانی کے حوالے سے ہم اہل سنت کے ہاں تو کتب احادیث میں اسکا کثرت سے رد موجود ہے، مثال کے طور پر، سیدنا عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جو شخص رخسار پیٹے، گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی سی باتیں کرے تو وہ ہم میں سے نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۱۷۲۵)

لیکن ماتم اور سینہ کوبی کی جڑیں تو خود سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب نے اہل تشیع کی کتاب نہج البلاغہ میں کاٹ ڈالی ہیں کہ رسول اللہﷺ کے وفات ہی ہے موقع پر مولا علی علیہ السلام رسول اللہﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں! آپؐ کے رحلت فرما جانے سے نبوت، خدائی احکام اور آسمانی خبروں کا سلسلہ قطع ہو گیا جو کسی اور (نبی) کے انتقال سے قطع نہیں ہوا تھا۔ آپؐ نے (اس مصیبت میں اپنے اہل بیت علیہم السلام کو) مخصوص کیا، یہاں تک کہ آپؐ نے دوسروں کے غموں سے تسلی دے دی اور (اس غم کو) عام بھی کر دیا کہ سب لوگ آپؐ کے (سوگ میں) برابر کے شریک ہیں۔ اگر آپؐ نے صبر کا حکم اور نالہ و فریاد سے روکا نہ ہوتا تو ہم آپؐ کے غم میں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم کر دیتے اور یہ درد منّت پذیر درماں نہ ہوتا اور یہ غم و حزن ساتھ نہ چھوڑتا، (پھر بھی یہ) گریہ و بکا اور اندوہ و حزن آپؐ کی مصیبت کے مقابلہ میں کم ہوتا۔ لیکن

موت ایسی چیز ہے کہ جس کا پلٹانا اختیار میں نہیں ہے اور نہ اس کا دور کرنا بس میں ہے۔ میرے ماں باپ آپؐ پر نثار ہوں! ہمیں بھی اپنے پروردگار کے پاس یاد کیجئے گا اور ہمارا خیال رکھیے گا۔“

(نہج البلاغہ : خطبہ ۲۳۲، ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب)

قَالُوا كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۳۰﴾

انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے، بیشک وہ حکیم و علیم ہے۔

تفسیر :

سورۃ الحجر اور سورۃ ھود میں یہ واقعہ ذرا سی تفصیل کے ساتھ آیا کہ

قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَانِطِينَ (۵۵) قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ (۵۶)

انہوں نے کہا ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں آپ مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں۔ (ابراھیم نے) کہا اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ اور بھکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ (الحجر : ۵۵،۵۶)

قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (۷۳)

فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ تم پر اے اس گھر کے لوگوں اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، بیشک اللہ حمد و ثنا کا سزاوار اور بڑی شان والا ہے۔ (هود : ٧٣)

فرشتوں نے سیدہ سارہ کے تعجب کا یوں دیا کہ اے سارہ ! یہ خوش خبری ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر دے رہے ہیں یعنی جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے، بلکہ تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے جس کی ہم تجھے اطلاع دے رہے ہیں، اس لئے اس پر تعجب کی ضرورت ہے نہ شک کرنے کی، اس لئے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ لامحالہ ہو کر رہتا ہے، یقیناً وہ کمال حکمت اور علم والا ہے، نہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر ہے اور نہ اس کے کسی کام میں کوئی خامی یا غلطی ہے، علاوہ ازیں وہ ہر بات پر قادر ہے، کوئی بات اس کے لئے ناممکن نہیں۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾

(سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو!) تمہارا کیا مقصد ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم مجرمین کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ان پر مٹی کے پتھر برسائیں۔ جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں ان حد سے گزر جانے والوں کے لئے۔ پس جتنے ایمان دار وہاں تھے ہم نے انہیں نکال لیا۔ اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔

تفسیر :

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ (۵۷) قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ (۵۸)

پوچھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو) تمہارا ایسا کیا اہم کام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (الحجر : ۵۸، ۵۷)

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ (۷۴)

جب ابراہیم کا ڈر خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں کہنے سننے لگے۔ (ھود : ۷۴)

یعنی جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو چکا کہ یہ فرشتے ہیں اور فرشتے انسانی شکل میں غیری معمولی حالات میں ہی آیا کرتے ہیں۔ بیٹے کی بشارت سے ان کا اپنا تو ڈر دور ہو گیا تاہم ابھی

اصل حیرت کا معاملہ باقی تھا لہٰذا آپ نے فرشتوں سے پوچھا کہ آپ کس مہم پر تشریف لائے ہیں اور آپ کا مقصد کیا ہے؟ کیونکہ سیدنا ابراھیم جانتے تھے کہ مکرم فرشتوں کا یوں اتنا معمولی بات نہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ

مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ

ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں اور اس وقت وہ مہلت دیئے گئے نہیں ہوتے۔ (الحجر : ۸)

تو انہوں نے بتایا کہ قوم لوط کے گنہگاروں کو تاخت تاراج کرنے کے لیے ہمیں بھیجا گیا ہے، ہم ان پر سنگ باری اور پتھراؤ کریں گے، ان پتھروں کو ان پر برسائیں گے جن پر اللہ کے حکم سے پہلے ہی ان کے نام لکھے جا چکے ہیں اور ہر ایک گنہگار کے لیے الگ الگ پتھر مقرر کر دئیے گئے ہیں۔

قوم لوط اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتی تھی، لواطت جیسے رسوائے زمانہ اور غلیظ جرم کی بانی اور موجد تھی۔ مسافروں سے لواطت کر کے ان کا مال و اسباب چھین کر اپنی بستی سے چلتا کر دیتی تھی۔ آخرت کی اور رسولوں کی منکر تھی اور اپنے نبی کو اپنی بستی سے نکال دینے کی دھمکیاں دیتی تھی۔ غرض کے وہ ہر طرح کے کفر و شرک اور فسق و فجور میں مبتلا قوم تھی۔

جب سیدنا ابراھیم علیہ السلام فرشتوں سے سنا کہ وہ قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر پتھر برسائیں اور الٹ پلٹ کر رکھ دیں تو چونکہ سیدنا ابراھیم علیہ السلام بہت نرم دل تھے، وہ ان مجرمین کے لیے خوفزدہ ہونے لگے جیسا کہ سورۃ ھود کی آیت ۷۵ میں آتا ہے کہ

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ

یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے۔

سیدنا ابراھیم علیہ السلام فرشتوں سے اس معاملے پر تکرار کرنے لگے تو فرشتوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اب اس بحث و تکرار کا کوئی فائدہ نہیں، اسے چھوڑیئے اللہ کا وہ حکم (ہلاکت کا) آ چکا ہے، جو اللہ کے ہاں مقدر تھا اور اب یہ عذاب نہ کسی کے مجادلے سے رکے گا نہ کسی کی دعا سے ٹلے گا۔

ا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ

اے ابراہیم! اس خیال کو چھوڑ دیجئے، آپ کے رب کا حکم آپہنچا ہے، اور ان پر نہ ٹالے جانے والا عذاب ضرور آنے والا ہے۔ (ھود : ۷۶)

پھر سیدنا ابراھیم علیہ السلام فرمانے لگے کہ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ”اس میں تو (میرے بھتیجے) لوط علیہ السلام ہیں۔“ (العنکبوت : ۳۲)

یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدنا لوط علیہ السلام اور انکے اہل و عیال اور انکے اصحاب کی فکر لگ گئی، تو فرشتوں نے جواب دیا

• قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ

(فرشتے) کہنے لگے یہاں جو ہیں انھیں بخوبی جانتے ہیں، لوط (علیہ السلام) کو اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچالیں

گے، البتہ وہ عورت پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے (سورۃ العنکبوت : ۳۲)

• إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ (۵۹) إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا ۙ إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ (۶۰)

مگر خاندان لوط کہ ہم ان سب کو ضرور بچالیں گے۔ (الحجر : ۵۹،۶۰)

• فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

پھر وہاں جتنے مومنین تھے ہم نے انہیں نکال لیا۔ (الذاریات : ۳۵)

بعض مفسرین کے نزدیک وہاں کل ملا کر ۱۳ مومنین تھے، اور پھر وہ ان "مومنین" اور "مسلمین" کی ابحاث میں پڑتے ہیں، جو عام بلکل ٹھیک ہیں لیکن ان آیات کی تفسیر میں اگر ایسی ابحاث چھیڑ دی جائیں تو قارئین کرام کے لیے مشکل ہوسکتی ہے۔ بحر حال سورۃ الذاریات ہی کی آیت ۳۶ میں آتا ہے کہ

مَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ

چنانچہ ہم نے وہاں ایک گھر کے سوا کوئی مسلمانوں کا گھر نہ پایا۔ (الذاریات : ۳۶)

یہ سیدنا لوط علیہ السلام کا گھرانہ تھا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کل تیرہ افراد تھے جو اس تباہ کن عذاب سے بچے تھے۔ ان کی بیوی بھی تباہ ہوجانے والوں میں شامل تھی۔ ممکن ہے آپ پر ایمان لانے والوں نے بھی آپ کے ہی گھر میں پناہ لے رکھی ہو۔

پھر وہ مکرم فرشتے سیدنا ابراھیم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد سیدنا لوط علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئے، جیسا کہ قرآن مجید میں یہ واقعہ تین مختلف مقامات پر یوں بیان ہوا کہ

• وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ (٧٧) وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِن قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ (٧٨) قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ (٧٩) قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ (٨٠) قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ (٨١)

جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہوگئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے۔ اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آپہنچی، وہ تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی، لوط نے کہا اے قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں جو تمہارے لئے بہت ہی پاکیزہ ہیں، اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ ہمیں تو تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں ہے اور تو اصلی چاہت سے بخوبی واقف ہے۔ لوط نے کہا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا اسرا پکڑ پاتا۔ اب فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں پس تو اپنے گھر والوں کو لے کر کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو۔

تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیئے، بجز تیری بیوی کے، اس لئے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے، کیا صبح بالکل قریب نہیں۔ (ھود : ۷۷ تا ۸۱)

• وَلَمَّا أَن جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ (۳۳) إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (۳۴)

پھر جب ہمارے قاصد لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں رنج کرنے لگے، قاصدوں نے کہا آپ نہ خوف کھائیے نہ آرزدہ ہوں، ہم آپ کو مع آپ کے متعلقین کے بچا لیں گے مگر آپ کی بیوی کہ وہ عذاب کے لئے باقی رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ ہم اس بستی والوں پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں، اس وجہ سے کہ یہ بے حکم ہو رہے ہیں۔ (سورۃ العنکبوت : ۳۳ تا ۳۴)

• فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ (۶۱) قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ (۶۲) قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ (۶۳) وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ (۶۴) فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ (۶۵) وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ (۶۶) وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ (۶۷) قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ (۶۸) وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ (۶۹) قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ (۷۰) قَالَ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ (۷۱) لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ (۷۲)

جب بھیجے ہوئے فرشتے آل لوط کے پاس پہنچے۔ تو انہوں (لوط علیہ السلام) نے کہا تم لوگ تو کچھ انجان سے معلوم ہو رہے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک شبہ کر رہے تھے۔ ہم تیرے پاس (صریح) حق لائے ہیں اور ہیں بھی بالکل سچے۔ اب تو اپنے خاندان سمیت اس رات کے کسی حصہ میں چل دے اور آپ ان کے پیچھے رہنا اور (خبردار) تم میں سے (پیچھے) مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں حکم کیا جا رہا ہے وہاں چلے جانا۔ ہم نے اس کی طرف اس بات کا فیصلہ کردیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دیے جائیں گی۔ اور شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ (لوط علیہ السلام نے) کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے تجھے اس بات سے منع نہیں کیا تھا کہ تم دنیا جہان کی حمایت نہ کیا کرو؟۔ (لوط علیہ السلام نے) کہا اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری بچیاں موجود ہیں۔ (تب فرشتوں نے لوط سے کہا) تمہاری زندگی کی قسم ! یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں/اپنی شہوتوں کے نشے میں کھوئے ہوئے ہیں، (تمہاری باتیں ماننے والے نہیں)۔ (الحجر : ۶۱ تا ۷۲)

سیدنا لوط علیہ السلام اس علاقہ سدوم میں غریب الدیار تھے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ پہلے عراق سے ہجرت کرکے فلسطین آئے پھر جب انھیں نبوت عطا ہوئی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انھیں بغرض تبلیغ سدوم بھیج دیا۔ یہاں ان کا کوئی کنبہ قبیلہ بھی نہ تھا۔ بیوی بھی کافر تھی اور اسی قوم کی فرد تھی اور ان لواطت کرنے والے مشٹنڈوں سے ساز باز رکھتی تھی اور جب کوئی مہمان گھر پر آتا تو انھیں خفیہ طور پر یا اشاروں سے مطلع کردیا

کرتی تھی ان فرشتوں کی آمد کی بھی اسی نے ان لوگوں کو اطلاع دی تھی۔ یہ تھا سیدنا لوط علیہ السلام کی بے بسی کا عالم کہ گھر میں بیوی بھی ان کی مخالف تھی۔ اسی بے بسی کے عالم میں ان مشٹنڈوں کے بارے میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے ’’کاش میں تمہارا مقابلہ کرسکتا یا کسی مضبوط سہارے کی طرف پناہ لے سکتا‘‘ یعنی اگر میرا بھی یہاں مضبوط قبیلہ یا برادری ہوتی تو شاید میں ایسا بے بس اور مجبور نہ ہوتا۔

یہ فرشتے جب لوط علیہ السلام کے ہاں آئے تو خوبصورت اور بے ریش نوجوانوں کی صورت میں آئے۔ سیدنا لوط علیہ السلام کے یہ مہمان بالکل اجنبی مہمان تھے۔،آپ کو بھی ان کی آمد سے خطرہ محسوس ہوا لیکن آپ کے خطرہ کی نوعیت بالکل الگ تھی۔ آپ اپنی قوم کا حال بھی جانتے تھے اور یہ نوجوان لڑکے بہت خوبصورت تھے لہٰذا دل ہی دل میں آپ پیش آنے والے حالات سے سخت خوفزدہ تھے۔ فرشتوں نے آپ کو اصل صورت حال بتلا کر آپ کے اس خوف کو دور کردیا۔

سیدنا لوط علیہ السلام کی زبان کی نے بسی دیکھ کر فرشتے چپ نہ رہ سکے اور کہنے لگے کہ آپ اتنے پریشان نہ ہوں ہم لڑکے نہیں بلکہ آپ کے پروردگار کے فرستادہ فرشتے ہیں اور فکر نہ کرو یہ لوگ ہمیں چھیڑنا تو درکنار تمہارا بھی کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔
بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ کہنے کے بعد سیدنا جبریل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کو ایک علیحدہ جگہ بٹھلا دیا اور صرف اپنا بازو تھوڑا سا ان ملعونوں کی طرف بڑھایا تو سب کے سب اندھے ہوگئے انھیں کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ بھاگو یہاں سے۔ یہ لوط علیہ السلام کے مہمان تو بڑے

جادوگر معلوم ہوتے ہیں اور جب وہ بھاگنے لگے تو ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔

جب یہ لوگ سیدنا لوط علیہ السلام کے گھر سے دفع ہوگئے تو فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ارادوں سے مطلع کرتے ہوئے کہا کہ راتوں رات اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ کیونکہ صبح کے وقت ان پر عذاب آنے والا ہے اور صبح ہونے میں تھوڑا ہی وقت باقی رہ گیا ہے لہٰذا جلد از جلد نکلنے کی کوشش کرو اور دیکھو تمہاری بیوی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی کیونکہ وہ بھی اس جرم میں برابر کی شریک ہے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھنا مبادا کسی کو یہ خیال آجائے کہ دیکھیں تو سہی ان پر کیسے عذاب آتا ہے اور وہ بھی کہیں عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ بعض مفسرین و مؤرخین کے مطابق، سیدنا لوط علیہ السلام کی بیوی بھی انکے ہمراہ چل پڑی لیکن اللہ کی حکمت کے مطابق وہ بار بار مڑ مڑ کر دیکھنے لگی۔ جسکی وجہ سے اللہ نے اسے پتھر کا بنا دیا اور رہتی دنیا تک اسے بطور عبرت رکھ دیا۔



وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾

اور ہم نے اس بستی میں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی چھوڑ دی جو درد ناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر :

ابھی صبح کا آغاز ہی ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حُکم سے سیدنا جبرائیل نے بستی کو اپنے پَر سے اکھیڑا اور پھر اپنے بازو پر رکھ کر آسمان پر چڑھ گئے، حتیٰ کہ آسمان والوں نے بستی

کے کُتّوں کے بھونکنے اور مُرغوں کے بولنے کی آوازیں سُنیں، پھر اُس بستی کو زمین پر دے مارا، جس کے بعد اُن پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ ہر پتھر پر مرنے والے کا نام لکھا ہوا تھا۔ جب یہ پتھر اُن کو لگتے، تو سر پاش پاش ہو جاتے۔ صبح سویرے شروع ہونے والا یہ عذاب، اشراق تک پوری بستی کو نیست و نابود کر چُکا تھا۔ اگر کوئی شخص بستی سے باہر تھا، تو اُسے وہ پتھر اُسی جگہ جا لگا، جہاں وہ تھا۔ قومِ لوط کی ان خوبصورت بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک انتہائی بدبودار اور سیاہ جھیل میں تبدیل کر دیا، جس کے پانی سے رہتی دنیا تک کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ سمندر کے اس خاص حصے میں کوئی جان دار، مچھلی، مینڈک وغیرہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے اسے بحیرہ مُردار یا بحیرہ الموت کہا جاتا ہے۔ اس کے مغرب میں اسرائیل اور مشرق میں اُردن واقع ہے۔ بحرہ میت یا بحیرہ مُردار کا یہ علاقہ سطحِ سمندر سے ۴۲۰ میٹر یعنی ۱۳۷۸ فِٹ نیچے ہے۔ اس جھیل کی لمبائی ۶۷ کلو میٹر یعنی ۴۲ میل اور چوڑائی ۱۸ کلومیٹر یعنی ۱۱ میل ہے۔ اس کا

پانی حد سے زیادہ نمکین ہے۔ اس کے اردگرد کی زمین، جو
کبھی دنیا کی سب سے زیادہ سرسبز و شاداب زمین تھی، بنجر



اور صحرائی زمین میں تبدیل ہو چُکی ہے اور اب یہ دنیا کا ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں زندگی پنپ نہیں سکتی۔ دنیا کی پانچ حَسین ترین بستیوں میں آباد، قومِ لوط کو اللہ تعالیٰ نے ۲۲۰۰ قبلِ مسیح نیست و نابود فرما کر رہتی دنیا تک کے لیے عبرت کا نشان اور عقل و شعور رکھنے والوں کے لیے نصیحت بنا دیا۔ کچھ سال پہلے بحیرہ مُردار کے ساحل پر قومِ لوطؑ کی بستیوں کے بعض تباہ شدہ آثار ظاہر ہوئے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے چودہ سو برس پہلے قرآنِ کریم میں فرما دیا تھا کہ

• وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (٣٥)

اور ہم نے اس بستی سے ان لوگوں کے لیے کھلی نشانی (آثار) چھوڑ دی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ (العنکبوت : ۳۵)

• جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ (٧٤) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ (٧٥)

بالآخر ہم نے اس شہر کو اوپر تلے کردیا اور ان لوگوں پر کنکر والے پتھر برسائے۔ بلاشبہ بصیرت والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (الحجر : ۷۴ تا ۷۵)

• وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ (١٧٣) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ (١٧٤)

اور ہم نے ان پر خاص قسم کا مینہ برسایا، پس بہت ہی برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے ہوئے لوگوں پر برسا۔ یہ ماجرہ بھی سرا سر عبرت ہے۔ ان میں سے بھی اکثر مسلمان نہ تھے۔ (الشعراء : ۱۷۳ تا ۱۷۴)

قرآن پاک میں سیدنا لوط اور انکی قوم کا ذکر چالیس مقامات پر آیا ہے۔ سورة الانعام کی آیت ۸۶، سورة الاعراف کی آیات ۸۰ تا ۸۳، سورة ھود کی ۷۰ تا ۸۳ سورة الحجر کی آیات ۵۹ تا ۶۳ سورة الانبیاء کی آیات ۷۱ تا ۷۵ سورة الحج کی آیت ۴۳، سورۂ الشعراء کی آیات ۱۶۰ تا ۱۶۸، سورة النمل کی آیات ۵۴ تا ۵۶، سورة العنکبوت کی آیات ۲۶ تا ۳۳، سوره الصٰفٰت کی آیت ۳۳، سورة ص کی ۱۳، سورة ق کی ۱۳، سورة القمر کی آیات ۳۳ تا ۳۷، سورة التحریم کی آیت ۱۰ اور سورة الحاقہ کی آیت ۹ میں۔

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۳۹﴾

اور موسیٰ میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے اسے فرعون کی طرف ایک واضح دلیل دے کر بھیجا۔ پس اس(فرعون) نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا مجنون ہے۔

تفسیر :

سیدنا ابراھیم و لوط علیہما السلام کے تذکرے کے بعد اب رب العالمین نے ذکر فرمایا سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا اور کیسے فرعونیوں نے ان کی تکذیب، بغیر کسی دلیل کے کی، جبکہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی واضح نشانیوں پر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکار کرتا رہا۔

فرعون کہنے لگا اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوائے اور کسی کو معبود قرار دیا تو میں تجھ کو قید میں ڈال دوں گا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگرچہ میں تیرے پاس خدائے واحد کی جانب سے واضح نشان لے کر آیا ہوں تب بھی تیرے غلط راستے کو اختیار کرلوں ؟ فرعون نے کہااگر واقعی تو اس بارے میں سچا ہے تو کوئی نشانی دکھا۔

• قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ (٢٩) قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ (٣٠) قَالَ فَأْتِ بِهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (٣١) فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ (٣٢) وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ (٣٣)

فرعون کہنے لگا سن لے! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دونگا۔ موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے سامنے واضح دلیل لے آؤں۔ فرعوں نے کہا اگر تو سچوں میں سے ہے تو اسے پیش کر۔ آپ نے (اسی وقت) اپنی لاٹھی ڈال دی جو اچانک کھلم کھلا (زبردست) اژدھا بن گئی۔ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اسی وقت دیکھنے والے کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا۔ (الشعراء : ٢٩ تا ٣٤)

یہ اژدھا اور روشن ہاتھ، یہ حقیقت تھی، یہ معجزہ تھا، نظر کا دھوکا نہ تھا، جادو نہ تھا، سحر نہ تھا۔

فرعون کے درباریوں نے جب اس طرح ایک اسرائیلی کے ہاتھوں اپنی قوم اور اپنے بادشاہ کی شکست کو دیکھا تو تلملا اٹھے اور

کہنے لگے بلاشبہ یہ بہت بڑا ماہر جادو گر ہے اور اس نے یہ سب ڈھونگ اس لیے رچایا ہے کہ تم پر غالب آ کر تم کو تمھاری سرزمین (مصر) سے باہر نکال دے، لہٰذا اب ہم کو سوچنا ہے کہ اس کے متعلق کیا ہونا چاہیے۔ آخر فرعون اور فرعونیوں کی باہمی مشاورت سے یہ طے پایا کہ فی الحال تو اس کو اور ہارون علیہا السلام کو مہلت دو اور اس دوران میں تمام قلمرو سے ماہر جادو گروں کو دار السلطنت میں جمع کرو اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کراؤ، بلاشبہ یہ شکست کھا جائے گا اور اس کے تمام ارادے خاک میں مل جائیں گے۔ تب فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ ہم خوب سمجھ گئے کہ تو اس حیلہ سے ہم کو سرزمین مصر سے بے دخل کرنا چاہتا ہے لہٰذا اب تیرا علاج اس کے سوائے کچھ نہیں ہے کہ بڑے بڑے ماہر جادو گروں کو جمع کر کے تجھ کو شکست دلائی جائے اب تیرے اور ہمارے درمیان مقابلے کے دن کا معاہدہ ہونا چاہیے اور پھر نہ ہم اس سے ٹلیں گے اور نہ تو وعدہ خلافی کرنا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کام کے لیے سب سے پہلا وقت ”یوم الزینہ“ (جشن کا روز) ہے اس دن سورج بلند ہونے پر ہم سب کو میدان میں موجود ہونا چاہیے۔

(الاعراف: ۱۰۳ تا ۱۲۵) (یونس : ۷۷ تا ۸۶) (طہ : ۵۶ تا ۷۶)

غرض سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان میں ”یوم الزینہ“ طے پا گیا اور فرعون نے اسی وقت اپنے اعیان و ارکان کے نام احکام جاری کر دیے کہ تمام قلمرو میں جو مشہور اور ماہر جادو گرہوں کو جلد از جلد دار الحکومت روانہ کر دو۔ غالباً یوم الزینہ سے مصریوں کی عید کا وہ دن مراد ہے جو ”وفاء النیل“ کے نام سے

مشہور ہے کیونکہ ان کے یہاں تمام عیدوں میں سے سب سے بڑی عید کا دن یہی تھا۔ (قصص الانبیاء)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ مصری تمدن کی جو تاریخ پیش کرتا ہے اس میں یہ بات بہت نمایاں نظر آتی ہے کہ مصری علوم و فنون میں "سحر" کو ایک مستقل علم و فن کی حیثیت حاصل تھی اور اسی بنا پر ساحرین کا رتبہ مصریوں میں بہت بڑا سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کو شاہی دربار میں بھی بڑا رسوخ حاصل تھا اور جنگ و صلح، پیدائش و وفات کی زائچہ کشی اور اہم سرکاری معاملات میں بھی انھیں کی جانب رجوع کیا جاتا تھا اور ان کے ساحرانہ نتائج کو بڑی وقعت دی جاتی تھی حتیٰ کہ مذہبی معاملات میں بھی ان کو اہم مقام حاصل تھا۔ قدیم شاہی مقبروں میں حنوط شدہ نعشوں کے ساتھ جو کاغذات و دستاویزات برآمد ہوئی ہیں اور ان حجروں میں جو تصاویر و نقوش پائے جاتے ہیں ان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ قدیم قوموں کی عام گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی رہی ہے کہ وہ جادو پر مذہبی حیثیت سے اعتقاد رکھتے اور اس کو اپنی مذہبی زندگی میں اثر انداز یقین کرتے تھے اور اسی اعتقاد کے پیش نظر وہ اس کو سیکھتے اور سکھاتے بھی تھے اور اس میں طرح طرح کی ایجادات و اختراعات کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ عراق، مصر، چین اور ہندوستان کی تاریخ اس کی شاہد ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مصری قوم پر فرعون اور اس کے اعیان و ارکانِ حکومت کا یہ جادو چل گیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جادوگر ہے اور یہ اپنے جادو کی مہارت کے اثر و رسوخ کو عمل میں لا کر مصری حکومت پر قابض ہونا اور فرعونیوں کو اس سے خارج کردینا چاہتا ہے اور اب اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اپنے قلمرو کے

ماہر جادو گروں کو جمع کر کے موسیٰ علیہ السلام کو شکست دے دی جائے اور اس کی اس چال کو ہوا بنادیا جائے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس بات کو اس لیے غنیمت جانا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے جس قدر نشانات یعنی معجزات فرعون اور قوم فرعون کو دکھا چکے تھے انھوں نے ان کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ یہ تو جادو اور سحر ہے لہٰذا اب جبکہ ساحروں اور جادو گروں سے مقابلہ کے بعد بھی خدا کا معجزہ غالب رہے گا تو ناچار ان کو صداقت اور حق کے سامنے جھکنا پڑے گا اور اقرار کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہے گا نیز یہ سوچا کہ اگرچہ وحی الٰہی کے یقین اور روشن حجت و برہان کے ذریعہ آیات اللہ (معجزات) کی صداقت کا کافی یقین دلایا جا چکا ہے تاہم فرعون اور اعیان سلطنت ہمیشہ ان واقعات کو سحر اور جادو کہہ کر عوام کو اصل حقیقت سے بےخبر رکھنے کی کوشش کرتے رہے یا شدید حسد اور تعصب نے خود ان کو بھی حقیقی روشنی سے محروم رکھا۔ پس اگر جشن کے روز خواص و عوام کے مجمع میں ساحر اور جادو گر عاجز ہو کر میری صداقت کا اقرار کر لیں تو پھر کسی کو بھی لب کشائی کا موقع نہ رہے گا اور برسر عام حق کا مظاہرہ منصب تبلیغ کے لیے بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔

بہرحال، یوم جشن آپہنچا، میدان جشن میں تمام شاہانہ انتظامات کے ساتھ فرعون تخت نشین ہے اور درباری بھی حسب مراتب بیٹھے ہیں اور لاکھوں انسان حق و باطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کو جمع ہیں۔ ایک جانب مصر کے مشہور جادو گروں کا گروہ اپنے ساز و سامان اور سحر سے لیس کھڑا ہے اور دوسری جانب خدا کے رسول جو حق کے پیغامبر، سچائی اور راستی کے پیکر ہیں، سیدنا موسیٰ و سیدنا ہارون علیہا السلام کھڑے ہیں۔ فرعون بہت مسرور ہے اور اس

یقین پر کہ ساحرین مصر ان دونوں کو جلد ہی شکست دے دیں گے۔ فرعون ساحروں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے اگر تم نے موسیٰ کو شکست دے دی تو نہ صرف انعام و اکرام سے مالا مال کیے جاؤ گے بلکہ میرے دربار میں خاص مقام و مرتبہ پاؤ گے۔ ساحر بھی اپنی کامیابی کے یقین پر فرعون سے اپنے اعزاز و اکرام کا وعدہ لے رہے ہیں اور مستقبل کے تصور سے بہت شاداں اور مسرور ہیں۔ (الاعراف : ۱۱۳، ۱۱۴) (الشعراء : ۳۸ تا ۴۲) (طہ : ۵۹ تا ۶۴)

جن آیات کے حوالے دیے گئے ہیں، اگر انہیں پڑھ لیا جائے تو مزید تفسیر کی ضرورت نہیں رہے گی۔

جادو گروں نے جب اس طرف سے اطمینان کر لیا تو اب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے مگر قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو چیلنج کریں، سیدنا موسیٰ نے حجت قائم کرتے ہوئے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا تمھاری تمھاری حالت پر سخت افسوس ہے تم کیا کر رہے ہو ؟ تم ہم کو جادو گر کہہ کر خدا پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ ! مجھ کو ڈر ہے کہیں وہ تم کو اس بہتان طرازی کی سزا میں عذاب دے کر تم کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکے کیونکہ جس کسی نے بھی بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا۔ لوگوں نے یہ سنا تو آپس میں رد و کد شروع کردی اور سرگوشیاں کرنے لگے اور درباریوں نے یہ حال دیکھا تو جادو گروں کو مخاطب کرکے کہنے لگے یہ دونوں بھائی بلاشبہ جادو گر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ جادو کے زور سے تم کو تمھارے وطن سے نکال دیں اور تم پر غلبہ کر لیں تم اپنا کام شروع کرو اور موسیٰ کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ، آج جو بھی غالب آ جائے گا وہی کامیاب ثابت ہوگا۔

جادوگروں نے آگے بڑھ کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ اس قصہ کو چھوڑ اور یہ بتا کہ ابتدا تیری جانب سے ہوگی یا ہماری جانب سے ؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان پر اس تنبیہ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تو فرمایا کہ ابتدا تم ہی کرو اور اپنے کمال فن کی پوری حسرت نکال لو چنانچہ ساحروں نے اپنی رسیاں، بان اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپ اور اژدھا ہے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو دل میں خوف و ہراس محسوس کیا کہ کہیں لوگ اس مظاہرہ سے متاثر نہ ہو جائیں اور ساحروں کے سحر کو حقیقت نہ سمجھ لیں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو یہ تاثر اور رعب قبولِ حق کے لیے سد راہ بن جائے گا۔ تب خدائے ذوالجلال والاکرام نے ان کو مطمئن فرمایا اور وحی کے ذریعہ مطلع کیا کہ موسیٰ خوف نہ کھاؤ ہمارا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہو گے، اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب لاٹھی کو ڈالا تو اژدھا بن کر اس نے ساحروں کے تمام شعبدوں کو نگل گیا اور تھوڑی سی دیر میں سارا میدان صاف ہو گیا اور اس طرح ساحر اپنے سحر میں ناکامیاب رہے۔ (طہ ۶۵ تا ۶۹) (الاعراف : ۱۱۵ تا ۱۱۹) (یونس : ۸۱، ۸۲)

جادوگروں نے، جو اپنے فن کے ماہر و کامل تھے جب عصاء موسیٰ علیہ السلام کا یہ کرشمہ دیکھا تو وہ حقیقت حال سمجھ گئے، جس کو اس وقت تک فرعون اور اس کے درباری لوگ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے رہے تھے، وہ اس کو نہ چھپا سکے اور انھوں نے برسر مجلس یہ اقرار کر لیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو سے بالاتر خدا کا معجزہ ہے، اس کا سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور پھر فوراً سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم

موسیٰ اور ہارون علیہا السلام کے پروردگار پر ایمان لے آئے کیونکہ وہی رب العٰلمین ہے۔ (طہٰ : ۷۰) (الاعراف : ۱۲۰ تا ۱۲۲)

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ میرا تمام مکر و فریب تار تار ہو گیا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہو گئی، اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰ علیہ السلام اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے تو اس نے فریب کا دوسرا طریقہ اختیار کیا اور ساحروں سے کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تم سب کا استاذ ہے اور تم سب نے آپس میں سازش کر رکھی ہے، تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے، میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا، اچھا میں تم کو عبرتناک سزا دوں گا تاکہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرأت نہ ہو، پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا اور پھر سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ (الاعراف : ۱۲۳) (طہٰ : ۷۲،۷۳)

فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۴۰﴾

بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا وہ تھا ملامت کے قابل

تفسیر :

تو جیسے اللہ رب العزت نے پہلے قوم لوط کا واقعہ بیان کیا تاکہ ہم اس سے عبرت حاصل کریں، اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان کیا کیونکہ

اس واقعہ میں عبرت کے نشان ہیں، خاص کر جس وقت اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف روشن حجت کے ساتھ بھیجا یعنی صاف صاف اور صریح معجزات اور آیات بینات دیں تاکہ وہ ایسے با جبروت بادشاہ کے سامنے مغلوب نہ ہوجائیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام روحانی قوت سے دربار فرعونی میں پہنچے تو فرعون نے اس کے معجزات دیکھ کر اپنے زور کے گھمنڈ سے رو گردان ہوا اور بولا کہ یہ تو بڑا جادوگر ہے یا مجنون۔ جادوگری تو اس میں یہ ہے کہ جو اس کے پاس جاتا ہے، اسی کا ہو جاتا ہے اور مجنونیت اس میں یہ ہے کہ ایسے بڑے شاہ زور بادشاہ کی مخالفت کرتا ہے جو ایک اشارہ سے اس کو فنا کردے لیکن یہ پھر بھی خوف نہیں کھاتا، پس فرعون کا یہ کہنا تھا کہ خدائے ذوالجلال والاکرام کا غضب جوش میں آیا اور اس کو اور اس کی فوج کو پکڑ کر بحر قلزم میں غرق کردیا، ایسے حال میں کہ وہ اپنے کئے پر شرمندہ تھا، فرعون اور شق البحر کا واقعہ رہتی دنیا تک کیلئے عبرت بن گیا۔ (دیکھئے مَعْرِفَۃُ عِلْمِیَّۃ فی اِلّآیات الْقُرْانیۃ، ڈاکٹر مورس بوکائیلے)

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿۴۲﴾

اور عاد (کے قصہ) میں بھی (عبرت کی نشانی ہے) جب ہم نے ان پر منحوس آندھی بھیجی۔ وہ جس چیز پر بھی گزرتی ہے اسے بوسیدہ کرکے رکھ دیتی ہے۔

تفسیر :

قوم لوط اور قوم موسیٰ و ہارون کے بعد اب یہاں تزکرہ آرہا ہے، قوم عاد کا۔ عاد ایک قدیم عربی قوم ہے جو اصل میں سیدنا نوح علیہ السلام کی چوتھی پشت سے تھے یعنی عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح اور ان کے نام پر اس قوم کو پکارا جاتا ہے۔ اس قوم پر سیدنا ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جب اس قوم نے شرک اور بت پرستی ترک نہ کی تو اللہ نے عذاب نازل کر کے اسے تباہ کر دیا۔ اس قوم کے تذکرے کو کہانی سمجھا جاتا تھا مگر اسی صدی میں اس کے مرکزی شہر ارم (Irem) کے آثار برآمد ہوئے ہیں جو الربع الخالی کے اس حصے میں ہے جو آج کل عمان میں شامل ہے۔

طوفانِ نوح کے بعد قومِ عاد ہی وہ پہلی قوم تھی، جو بُتوں کی پُجاری بنی (الاعراف : ۶۹)، سیدنا ہود علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی اور مسلسل پچاس برس یا اس سے بھی زیادہ وعظ و نصیحت کرتے رہے، کبھی اُنہیں اللہ کی عطا کردہ نعمتیں یاد دلاتے، تو کبھی عذابِ الٰہی سے ڈراتے، کبھی طوفانِ نوح کی ہول ناکیوں کا

ذکر فرماتے لیکن وہ غرور و تکبّر میں اندھے، بہرے بنے رہے، اُنہیں اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ قوم عاد نے سیدنا ھود علیہ السلام کو اس وعظ و نصیحت کے جواب میں بیوقوف کہا اور یہ بھی کہا کہ اے ھود ! تم تو ہمارے ہی طرح کے انسان ہو، ہماری ہی طرح کھاتے پیتے ہو بھلا تم خدا کے پیغمبر کیسے ہو سکتے ہو ؟ بلکہ تم تو خدا کے نام پر جھوٹ باندھتے ہو، اے ھود ! تمہیں کیا لگتا ہے کہ ہم تمہاری باتوں میں آکر اپنے باپ دادا کے خداؤں کو ترک کردیں گے ؟ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تجھے ہمارے خداؤں کی بدعاء لگے گی/لگ گئی، لہٰذا اب تم ہمیں کچھ بھی کہو، سمجھاؤ یا نہ سمجھاؤ، ہم تمہاری باتوں میں آنے والے نہیں۔

پھر کہنے لگے کہ ٹھیک ہے ! اگر تو اپنی باتوں میں اتنا ہی سچا ہے تو پھر جس عذاب کا وعدہ ہم سے کرتا ہے ناں، اپنے خدا سے کہہ کہ وہ عذاب ہم پر بھیج دے۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ نہ تو تو پیغمبر ہے، نہ تیرے پاس پیغامِ خدا ہے، نہ ہی تیرا خدا سچا ہے، تو جھوٹ بولتا ہے۔

(الاعراف : ۶۶) (المؤمنون : ۳۳،۳۸) (الشعراء : ۱۳۶ تا ۱۳۹) (ھود : ۵۴) (الاحقاف : ۲۲)

حالات کے پیش نظر سیدنا ھود علیہ السلام نے دعا فرمائی، جو کہ قرآن مجید میں بھی آئی کہ

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ (۳۹)

(نبی نے) کہا کہ پروردگار! ان کے جھٹلانے پر میری مدد کر۔

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ (۴۰)

جواب ملا کہ یہ تو بہت ہی جلد اپنے کیے پر پچھتانے لگیں گے۔ (المؤمنون : ۳۹، ۴۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنے سیدنا ھود علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی اور قومِ عاد پر عذاب کی ابتدا ہوگئی، بادلوں کے فرشتے کو حکم ملا کہ اب بارش نہ برسائی جائے۔

چشموں کے فرشتے کو حکم ملا کہ اُن کے چشموں اور آب شاروں کو خشک کردو۔ دیکھتے ہی دیکھتے شادابی، ویرانی میں بدلنے لگی۔ مویشی مرنے لگے، پھل، اناج ناپید ہوگیا۔ پوری قوم خشک سالی کا شکار ہوکر بدحال و پریشان ہوگئی، یہ سلسلہ مسلسل تین سال چلتا رہا۔ سیدنا ھود علیہ السلام سے قوم کی یہ پریشانی دیکھی نہ جاتی تھی، مسلسل وعظ و نصیحت کرتے رہتے کہ اے میری قوم! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو، پھر اس کے آگے توبہ کرو لیکن کسی نے نہ سنی۔ وہ لوگ اپنے بتوں کے آگے سر جھکا جھکا کر مناجات و ادعیہ کرتے رہے۔

چنانچہ، اللہ تعالیٰ نے جب اس طویل عرصے کے بعد سیاہ بادلوں کو قومِ عاد کی جانب روانہ کیا، جسے دیکھ کر پوری قوم خوشی کے شادیانے بجانے لگی۔ جیسا کہ سورۃ الاحقاف میں آتا ہے کہ

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ (۲۴) تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ (۲۵)

پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورت بادل دیکھا اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے کہنے لگے، یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ (عذاب) ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے

ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گا، پس وہ ایسے ہوگئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا گناہ گاروں کے گروہ کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ (الاحقاف : ۲۴،۲۵)

اس عزاب کا تزکرہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے،

• وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (۶) سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (۷) فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ (۸)

اور عاد بیحد تیز و تند ہوا سے غارت کردیئے گئے۔ جسے ان پر سات رات اور آٹھ دن تک (اللہ نے) مثلت رکھا، پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔ کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آرہا ہے۔ (الحاقہ : ۶ تا ۸)

لیکن جو اصحابِ ہود علیہ السلام تھے، انکا معاملہ کیا ہے ؟

• فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ (۷۲)

پس ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دی، اور ہماری آیتوں کی تکذیب کرنے والوں کی جڑ ہی کاٹ دی، اور وہ لوگ اہل ایمان نہیں تھے۔ (الاعراف : ۷۲)

• وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ (۵۸)

اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ہود کو اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا فرمائی اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بچا لیا۔ (ھود : ۵۸)

عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام اعرابی تھے، جو بہت لمبے اور مضبوط ستونوں پر قائم کردہ عالی شان محلّات میں رہا کرتے تھے۔ قرآنِ کریم نے انہیں ''ارم ذات العماد'' یعنی ''ستونوں والے'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ارم اُن کا بہت خُوب صُورت شہر تھا، جس کے آثار ۱۹۸۴ء میں خلائی شٹل چیلنجر کی مدد سے دریافت کیے گئے ہیں۔ یہ علاقہ آج کل عمان کا حصّہ ہے۔ بحیرئہ عرب اور بحرِ احمر کے درمیان عمان، حضر موت، بحرین اور مغربی یمن تک ایک وسیع صحرا ہے، جسے صحرائے الاحقاف کہتے ہیں۔ یہ دنیا کے عظیم صحرائوں سے میں سے ایک ہے، جس کا رقبہ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۶۵۰۰۰۰ مربع میٹر ہے۔ اس صحرا میں سفید اور باریک ریت کے ہزاروں فٹ اونچے پہاڑ نما ٹیلے ہیں۔ جہاں کوئی بھی چیز پھینکی جائے، تو منٹوں میں غائب ہوجاتی ہے۔ کسی زمانے میں یہ دنیا کا سر سبز و شاداب علاقہ تھا اور وہاں یہ قومِ عاد آباد تھی۔ آج یہ بھیانک صحرا، اللہ تعالیٰ کی کُھلی نشانیوں میں سے ایک اور اہلِ زمین کے لیے جائے عبرت ہے۔

وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿۴۴﴾ مَا اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ ﴿۴۵﴾

اور ثمود (کے قصہ) میں بھی (نشان عبرت ہے) جب ان سے کہا گیا کہ ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھا لو۔ سو ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کو ایک ہولناک کڑک نے آپکڑا۔ پھر نہ تو وہ کھڑے ہوسکے اور نہ ہم سے بدلہ ہی لے سکے۔

تفسیر :

قوم لوط، قوم موسیٰ و ہارون اور قوم ھود کے بعد اب تذکرہ آیا قوم ثمود کا۔ قوم عاد جس طرح جنوبی اور مشرقی عرب کے مالک تھے، ثمود اس کے مقابل مغربی اور شمالی عرب پر قابض تھے۔ ان کے دار الحکومت کا نام حجر تھا۔ یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستہ پر واقع تھا۔ اب عموماً اس شہر کو مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی۔ فن تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کی عمارتیں اور مقبرے تیار کرتا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ ان پر ارامی و ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔ قوم کے مورثِ اعلیٰ کا نام ثمود تھا اور مشہور نسب نامہ یہ ہے۔ ثمود بن جشیر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ انکی طرف

سیدنا صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا تھا، جنکا ذکر خیر بائبل کے عہدنامہ قدیم میں بھی آیا ہے۔ آپ علیہ السلام سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی نسل میں سے ہیں آپ کا سلسلۂ نسب کچھ یوں ہے، صالح بن عبیر بن سیّاف بن ماشیح بن عبید بن خاضر بن ثمود بن عرم بن سام بن نوح ہے

ثمود اپنے بت پرست پیشواؤں کی طرح بت پرست تھے، خدائے واحد کے علاوہ بہت سے معبودانِ باطل کے پرستار اور شرک میں مبتلا تھے۔ سیدنا صالح علیہ السلام قوم ثمود کو بار بار سمجھاتے اور نصیحت فرماتے رہے، مگر قوم پر مطلقاً اثر نہیں ہوا بلکہ ان لوگوں کا بغض وعناد ترقی پاتا رہا اور ان کی مخالفت بڑھتی ہی رہی اور وہ کسی طرح بت پرستی سے باز نہ آئی۔ اگرچہ ایک مختصر اور کمزور جماعت نے ایمان قبول کر لیا اور وہ مسلمان ہو گئی مگر قوم کے سردار اور بڑے بڑے سرمایہ دار اسی طرح باطل پرستی پر قائم رہے اور انھوں نے خدا کی دی ہوئی ہر قسم کی خوش عیشی اور رفاہیت کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے کفرانِ نعمت کو شعار بنا لیا۔ مزید یہ کہتے کہ اے صالح ہم تو تجھے بہت اچھا سمجھتے تھے مگر تو ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے، کیا تو ہمیں ان کاموں سے روکتا ہے جو ہمارے بزرگ کرتے چلے آئے ہیں ؟ کیا ہم اپنے بزرگوں، آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ کر صرف تمھاری پیروی کریں ؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ شاید تجھ پر کسی جادو و جنات کا اثر ہے یا پھر تو جھوٹ بولتا ہے اور برائی پھیلاتا ہے۔ اگر تم ہمارے دین پر نہ آئے تو ہم تمہیں اپنے علاقے سے نکال دیں گے۔ (القمر : ۲۴،۲۵) (ابراهیم : ۱۳) (الشعراء : ۱۵۳) (النمل : ۷۴) (هود : ۶۲)

بہرحال سیدنا صالح علیہ السلام کی مغرور اور سرکش قوم نے ان کی پیغمبرانہ دعوت و نصیحت کو یوں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور خدا کے نشان (معجزہ) کا مطالبہ کیا۔ تب سیدنا صالح علیہ السلام نے انہی سے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا نشان چاہتے ہیں۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے یا بستی کے اس پتھر میں سے جو کنارہ پر نصب ہے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کر کہ جو گابھن ہو اور فوراً بچہ دے۔ سیدنا صالح علیہ السلام نے درگاہ الٰہی میں دعا کی اور اسی وقت ان سب کے سامنے پہاڑ یا پتھر میں سے حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا۔

پھر اس کے بعد اپنی قوم سے فرمایا کہ تمھارا مطلوبہ نشان پہاڑ سے اونٹنی کی شکل میں یہ موجود ہے۔ دیکھو ! اگر تم نے اس کو ایذا پہنچائی تو پھر یہی تمھاری ہلاکت کا نشان ثابت ہوگی اور خدائے تعالیٰ نے تمھارے اور اس کے درمیان پانی کے لیے باری مقرر فرما دی ہے ایک دن تمھارا ہے اور ایک دن اس کا، لہٰذا اس میں فرق نہ آئے۔ قرآن مجید نے اس کو ”ناقۃ اللہ“ یعنی خدا کی اونٹنی کہا ہے۔

بدقسمت قوم ثمود کچھ وجوہات کی بنا پر زیادہ دیر تک اس کو برداشت نہ کرسکی اور ایک روز سازش کرکے قدار بن سالف نامی شخص کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس کے قتل میں پہل کرے اور باقی اعانت کریں اور اس طرح ناقہ کی کونچیں کاٹ کر اس کو قتل کر ڈالا اور اسکا بچہ یہ دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیختا اور بولتا ہوا پہاڑ میں غائب ہو گیا اور پھر آپس میں حلف کیا کہ رات ہونے پر ہم سب صالح اور اس کے اہل و عیال کو بھی قتل کر دیں گے اور پھر اس کے اولیاء کو قسمیں کھا کر یقین دلائیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے۔

سیدنا صالح علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا تو آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے۔ بدبخت قوم ! آخر تجھ سے صبر نہ ہو سکا اب خدا کے عذاب کا انتظار کر ‘تین روز کے بعد وہ نہ ٹلنے والا عذاب آئے گا اور تم سب کو ہمیشہ کے لیے تہس نہس کر جائے گا۔



قوم ثمود پر عذاب کی علامات اگلی صبح ہی سے ہی شروع ہوگئیں یعنی پہلے روز ان سب کے چہرے اس طرح زرد پڑ گئے جیسا کہ خوف کی ابتدائی حالت میں ہوجایا کرتا ہے اور دوسرے روز سب کے چہرے سرخ تھے گویا خوف و دہشت کا یہ دوسرا درجہ تھا اور تیسرے روز ان سب کے چہرے سیاہ تھے اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یہ خوف و دہشت اور ان رنگوں کی ترتیبی خصوصیت یہ صاف بتارہی تھی کہ ان کے دلوں کو سیدنا صالح علیہ السلام کے سچے

ہونے کا یقین ہوگیا تھا اور صرف حسد و بغض سے انکار کرتے تھے۔ اب جبکہ خدا کے حکم کے خلاف جرم کرچکے اور اس کی پاداش میں سیدنا صالح علیہ السلام سے عذاب کی ہولناک خبر سنی تو ان پر خوف و دہشت کے وہ فطری رنگ اور نقوش نمایاں ہونے لگے جو موت کے یقین کے وقت خوف و دہشت سے مجرموں کے اندر پیدا ہوا کرتے ہیں۔ بہرحال ان تین دنوں کے بعد وقت موعود آپہنچا اور رات کے وقت ایک ہیبت ناک آواز نے ہر شخص کو اسی حالت میں ہلاک کر دیا، جس حالت میں وہ تھا۔ قرآن مجید میں اس کڑاکے کو کسی مقام پر صاعقہ (کڑک دار بجلی) اور کسی جگہ رجفۃ (زلزلہ ڈال دینے والی شے) اور بعض جگہ طاغیہ (دہشت ناک) اور بعض جگہ صیحہ (چیخ) فرمایا، اس لیے کہ یہ تمام تعبیرات ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف کے اعتبار سے کی گئی ہیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ خدائے تعالیٰ کے اس عذاب کی ہولناکیاں کیسی گوناگوں تھیں۔ یہ ایک ایسی کوندنے والی بجلی تھی جو بار بار اضطراب کے ساتھ چمکتی، کڑکتی اور گرجتی ہو اور اس طرح کوند رہی ہو کہ کبھی مشرق میں ہے تو کبھی مغرب میں اور جب ان تمام صفات کے ساتھ چمکتی، کوندتی، گرجتی، لرزتی ہوئی کسی مقام پر ایک ہولناک چیخ کے ساتھ گرے تو اس مقام اور اس کے نواح کا کیا حال ہوگا ؟ یہ ایک معمولی اندازہ ہے اس عذاب کا جو قوم ثمود پر نازل ہوا اور ان کو اور ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کرکے سرکشوں کی سرکشی اور مغروروں کے غرور کا انجام ظاہر کرنے کے لیے آنے والی نسلوں کے سامنے عبرت پیش کر گیا۔

(ھود : ۶۷) (الحاقہ : ۵) (ھود : ۹۵) (الشعراء : ۱۵۷) (العنکبوت : ۳۸) (الاعراف : ۷۸)

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۴۶﴾

اور نوح (علیہ السلام) کی قوم کا بھی اس سے پہلے (یہی حال ہوچکا تھا) وہ بھی بڑے نافرمان تھے۔

تفسیر :

قوم لوط، قوم موسیٰ و ہارون، قوم عاد اور قوم ثمود کے بعد اب تذکرہ آیا ہے قوم نوح کا، قوم نوح وہ تاریخ انسانی میں وہ پہلی قوم ہے جسے تمغہ ذلالت میں اس حوالے سے اول درجہ حاصل ہے کہ یہی وہ قوم ہے جس پر سب سے پہلے رب اکبر کا عذاب نازل ہوا۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم توحید باری تعالیٰ اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی، غیر اللہ کی پرستش اور اصنام پرستی ان کا شعار بن چکا تھا۔ شرک و بدعت کی ابتدا یہی سے ہوئی تھی جیسا کہ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ

سیدنا عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ جو بت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں پوجے جاتے تھے بعد میں وہی عرب میں پوجے جانے لگے۔ "ود" دومۃ الجندل میں بنی کلب کا بت تھا، سواع بنی ہذیل کا، یغوث بنی مراد کا اور مراد کی شاخ بنی غطیف کا جو وادی اجوف میں قوم سبا کے پاس رہتے تھے "یعوق" بنی ہمدان کا بت تھا،

نسر حمیر کا بت تھا جو ذوالکلاع کی آل میں سے تھے۔ یہ پانچوں سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے جب ان کی موت ہو گئی تو شیطان نے ان کے دل میں ڈالا کہ اپنی مجلسوں میں جہاں وہ بیٹھے تھے ان کے بت قائم کر لیں اور ان بتوں کے نام اپنے نیک لوگوں کے نام پر رکھ لیں چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اس وقت ان بتوں کی پوجا نہیں ہوتی تھی لیکن جب وہ لوگ بھی مر گئے جنہوں نے بت قائم کئے تھے اور علم لوگوں میں نہ رہا تو ان کی پوجا ہونے لگی۔ (صحیح بخاری : ۴۹۲۰)

اور یہ نام قرآن مجید میں بھی درج ہیں

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (۲۳)

اور بولے کہ اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔ (نوح : ۲۳)

جیسا کہ ہم نے پڑھا کہ یہ جنہیں اپنا معبود بنائے بیٹھے تھے، اصل میں وہ اولیاء اللہ کے بت تھے۔ یہ سب کیونکر ممکن ہوا ؟ اس سوال کے جواب کیلئے قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اپنے کسی بھی مزار یا درگاہ پر تشریف لے جائیں اور سب سے پہلے وہاں کھڑے ہو کر وہاں ہونے والی شرکیہ و کفریہ پر مبنی طرح طرح کی عجیب و غریب منطقوں والی بدعات کا مشاہدہ کیجئے۔ جب آپ کی غیرت ایمانی مچلنے لگے تو وہاں کسی بھی بڑی شخصیت کے پاس جائیں اور ان سے پوچھیں کہ آخر یہ سب کیا ہے ؟ کیا یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے ؟ کیا یہ رسومات و خرافات شیخ عبد القادر جیلانی البغدادی سے ثابت ہے ؟ جب آپ ان حضرت صاحب کا جواب سنیں

گے تو قوم نوح کا شرک آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔ شرک و بدعت کے حوالے سے تفصیل سے پڑھنے کیلئے دیکھیں مصنف ہذا کی تصنیف ”أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ“ یہ کتاب بھی انشاء اللہ آج سے ۱ سال تک مکمل ہو جائے گی۔ (بمورخہ ۲۶ اپریل ۲۰۲۴، بروز جمعہ)

بہرحال سیدنا نوح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور آغوشِ ہدایہ میں آ جائے مگر قوم نے نہ مانا اور جس قدر اس جانب سے تبلیغ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض و عناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا اور ایذاء رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال کیا گیا اور جیسا کہ ہم نے پہلے پڑھا کہ ان کے بڑوں نے عوام سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم کسی طرح وَد، سُوَاع، يَغُوْث، يَعُوْق اور نَسْر کی پرستش کو نہ چھوڑو۔

ساڑھے نو سو سال دعوت و تبلیغ کے سیدنا نوح علیہ کے سے انکی قوم نے کہا

قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (۳۲)

(ان لوگوں نے) کہا اے نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا (اب ان باتوں سے کچھ بننے والا نہیں) اگر تو سچا ہے تو جس بات کا وعدہ کیا ہے وہ ہمیں لا دکھا۔ (ھود : ۳۲)

سیدنا نوح علیہ السلام نے یہ سن کر ان کو جواب دیا کہ عذاب الٰہی میرے قبضہ میں نہیں ہے وہ تو اس کے قبضہ میں ہے جس نے مجھ

کو رسول بنا کر بھیجا ہے، وہ چاہے گا تو یہ سب کچھ بھی ہوجائے گا۔

قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَآئَ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ (۳۳)

نوح نے کہا ضرور اگر اللہ چاہے گا تو اس عذاب کو بھی لے آئے گا اور تم اس کو تھکا دینے والے نہیں ہو۔ (ھود : ۳۳)

بہرحال جب قوم کی ہدایت سے سیدنا نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہو گئے اور اس کی باطل کوشی اور عناد و ہٹ دھرمی ان پر واضح ہو گئی اور قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ دیکھا تو سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے تب اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (۳۶)

اور نوح پر وحی کی گئی کہ جو ایمان لے آئے وہ لے آئے اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے پس ان کی حرکات پر غم نہ کر۔ (ھود : ۳۶)

جب سیدنا نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کے ابلاغ حق میں کوتاہی نہیں ہے بلکہ خود نہ ماننے والوں کی استعداد کا قصور ہے اور ان کی اپنی سرکشی کا نتیجہ ہے، تب ان کے اعمال اور کمینہ حرکات سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں یہ دعا فرمائی

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (۲۶) اِنَّکَ اِنْ تَذَرْہُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْآ اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا (۲۷) رَّبِّ اغْفِرْ لِي

وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا (٢٨)

اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ ' اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہوگی۔ اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور کل ایماندار عورتوں کو بخش دے اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا۔ (نوح : ٢٦ تا ٢٨)

قرآن مجید میں اس کے علاؤہ اور بھی کئی مقامات پر سیدنا نوح علیہ السلام کی فریاد اور قوم کو بدعاء کا ذکر موجود ہے۔ دیکھیں سورۃ نوح ٥ تا ٩، ١٠، ٢٥ تا ٢٨، سورۃ القمر : ١٠۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور اپنے قانون جزاء اعمال کے مطابق سرکشوں کی سرکشی اور متمردوں کے تمرد کی سزا کا اعلان کر دیا اور حفظ ما تقدم کے لیے پہلے سیدنا نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک کشتی تیار کریں تاکہ اسباب ظاہری کے اعتبار سے وہ اور دیگر مومنین اس عذاب سے محفوظ رہیں جو اللہ کے نافرمانوں پر نازل ہونے والا ہے۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے جب حکم رب سے کشتی بنانی شروع کی تو کفار نے ہنسی اڑانا اور مذاق بنانا شروع کر دیا۔

قصہ مختصر، جب سفینہ نوح بن کر تیار ہو گیا تو اب خدا کے وعدہ عذاب کا وقت قریب آیا اور سیدنا نوح علیہ السلام نے اس پہلی علامت کو دیکھا جس کا ذکر ان سے کیا گیا تھا یعنی زمین کی تہ

میں سے پانی کا چشمہ ابلنا شروع ہو گیا۔تب وحی الٰہی نے ان کو حکم سنایا کہ کشتی میں اپنے خاندان کو بیٹھنے کا حکم دو اور تمام جانداروں میں سے ہر ایک کا ایک جوڑا بھی کشتی میں پناہ گیر ہو اور وہ مختصر جماعت (تقریباً چالیس نفر) بھی جو تجھ پر ایمان لا چکی ہے کشتی میں سوار ہوجائے۔

جب وحی الٰہی کی تعمیل پوری ہو گئی تو اب آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسنا شروع ہو اور زمین کے چشموں کو امر کیا گیا کہ وہ



پوری طرح ابل پڑیں۔ خدا کے حکم سے جب یہ سب کچھ ہوتا رہا تو کشتی بھی اس کی حفاظت میں پانی پر ایک مدت تک محفوظ تیرتی رہی تا آنکہ تمام منکرین و معاندین غرق آب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے قانون "جزائے اعمال" کے مطابق اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

پروردگار عالم نے قران کریم کی آیات بینات میں قوموں کی تباہی کے جو واقعات بیان فرمائے ہیں، ان کا اصل مقصد یہی ہے کہ بنی نوع انسان اور خاص طور پر امت مسلمہ، ان سے سبق حاصل کریں۔ اللہ نے ان اقوام کو طاقت و قوت، مال و دولت، شان و شوکت، قد و قامت، بلند جسامت مختصراً دنیا کی ہر نعمت عطا فرمائی لیکن جب انہوں نے نافرمانی کی، اپنے نبی کی بات ماننے سے انکار کیا اور صراط مستقیم سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے نیست و نابود کر دیا۔ ہم سب کو بھی انفرادی و اجتماعی طور پر اپنے روزمرہ معاملات کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ کہیں ہم جان نے انجانے میں اللہ اور اس کے نبی یہ مکرم کی نافرمانی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۴۷﴾

اور آسمان کو ہم نے اپنے دستِ (قدرت) سے بنایا اور ہم اسے وسیع کرتے جارہے ہیں۔

تفسیر :

رب العالمین کا ارشاد عالی ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم ہی اسے وسعت دینے والے ہیں، یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ سائینسی حقیقت بتائی کہ منکرینِ وجود باری تعالیٰ یعنی ملحدوں، سائنس پرستوں اور ان جیسے کئی کند ذہنوں کو کئی سال لگ گئے اس حقیقت سے پردہ اٹھانے میں جبکہ تاجدار کائنات، امام الانبیاء و الرسل، سید کونین، سید عرب و عجم، خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس حقیقت سے پردہ آج سے ۱۴۴۵ سال قبل اٹھا دیا تھا کہ کائنات پھیل رہی ہے یا یوں کہیں کہ کوئی تو ہے جو مسلسل کائنات کو وسعتیں بخشتا جا رہا ہے، قارئین کرام نے جس وقت یہ اقتباس پڑھنا شروع کیا تھا، اس وقت سے اب تک محض کچھ سیکنڈ گزرے ہوں گے لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس مختصر دورانیے میں بھی کائنات کئی کلومیٹر پھیل چکی ہے ؟ سبحان اللہ !

اب ذرا دیکھتے ہیں سائنس ہمیں اس متعلق کیا بتاتی ہے ؟

۱۹۱۲ سے ۱۹۱۴ کے درمیان ایک امریکی ماہر فلکیات Vesto M. Slipher نے کچھ مشاہدات کے ذریعے معلوم کیا کہ دور دراز کی کہکشاؤں سے آنے والی روشنی/شعاعوں میں ریڈ شفٹ محسوس ہوتی ہے، ریڈ شفٹ علم الطبیعیات کی ایک اصطلاح ہے۔ عام لفظوں میں کہیں تو یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے زمین سے کہکشاؤں کے پیچھے ہٹنے/دور جانے سے تعبیر کیا گیا۔ ۱۹۲۲ میں، Alexander

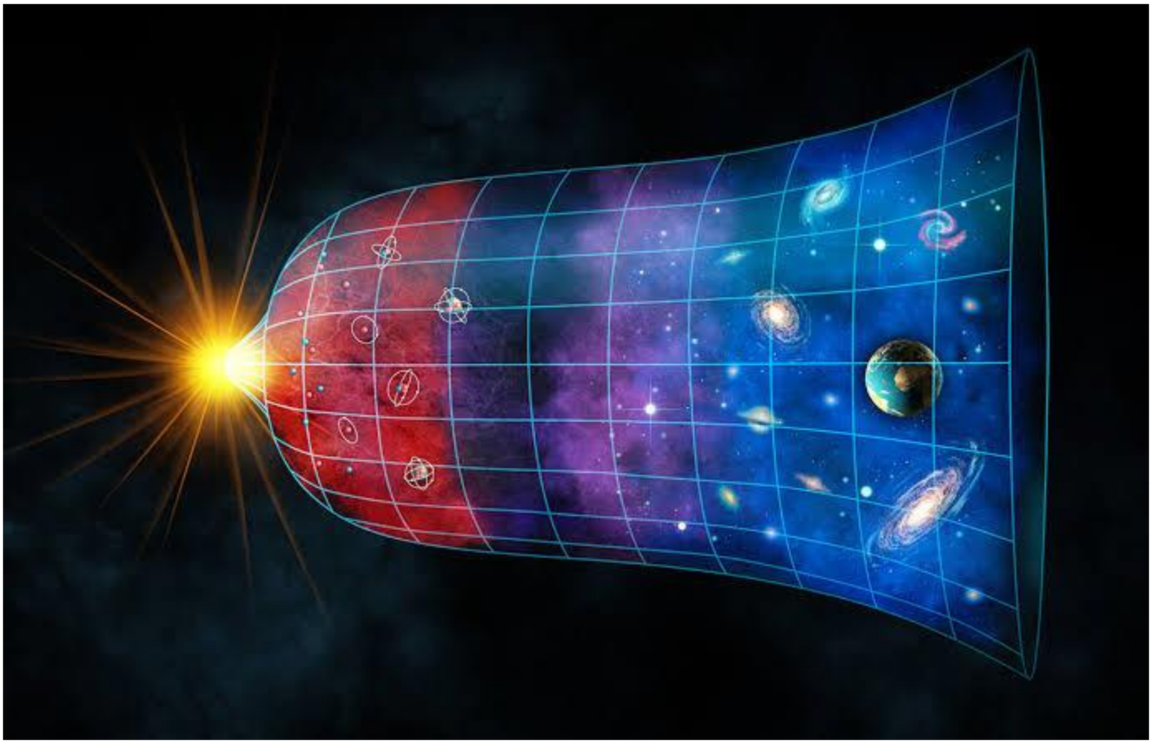
Friedman نے نظریاتی ثبوت فراہم کرنے کے لیے Einstein field equation کا استعمال کیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔

سویڈش ماہر فلکیات Knut Lundmark وہ پہلا شخص تھا، جس نے ۱۹۲۴ میں توسیع کے لیے مشاہداتی ثبوت تلاش کیے تھے۔ NASA/IPAC Extragalactic Database of Galaxy istances" کے Ian Steer کے مطابق، "Lundmark کے extragalactic فاصلے کے تخمینے ہبل کے مقابلے میں کہیں زیادہ درست تھے، سابقہ شرح کے مطابق ہبل مستقل) جو آج کی بہترین پیمائش کے ۱٪ کے اندر تھا۔"

۱۹۲۷ میں، George Lemaître آزادانہ طور پر ایک نظریاتی بنیاد پر Friedman سے ملتے جلتے نتیجے پر پہنچے اور کہکشاؤں کے فاصلے اور ان کی کساد بازاری کی رفتار کے درمیان ایک خطی تعلق کے لیے مشاہداتی ثبوت بھی پیش کیا۔ ایڈون ہبل نے مشاہداتی طور پر ۱۹۲۹ میں Lundmark اور Lemaître کے نتائج کی تصدیق کی۔ Cosmological principal کو فرض کرتے ہوئے، ان نتائج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام کہکشائیں ایک دوسرے سے دور ہو رہی ہیں۔

ماہر فلکیات Walter Baade نے ۱۹۴۰ کی دہائی میں known universe کے سائز کا دوبارہ حساب لگایا، ۱۹۲۹ میں ہبل کی طرف سے کیے گئے پچھلے حساب کو دوگنا کر دیا۔ انہوں نے روم میں بین الاقوامی فلکیاتی یونین کے ۱۹۵۲ کے اجلاس میں اس دریافت کو کافی حیران کن قرار دیا۔ بیسویں صدی کے دوسرے

نصف کے بیشتر حصے میں، Hubble constant کی قدر کا تخمینہ ۵۰ اور ۹۰ کلومیٹر (Megaparsec) s−1 Mpc−1 کے درمیان تھا۔



بحرحال، ۱۹۱۲ سے شروع کی گئی یہ تگ و دو اب ۱۹۶۵ میں Robert Woodrow Wilson اور اسکے ساتھیوں نے ثابت کردیا، مسلّم کردیا کہ کائنات پھیل رہی ہے، اس تحقیق کیلئے انہیں نوبل انعام سے نوازا گیا۔ ۱۹۲۹ میں Edwin Hubble کے دوارا شروع کیا گیا یہ سائنسی سفر ۱۹۶۵ میں آکر مسلّم کردیا گیا۔ ان سائنسدانوں نے اتنی جد و جہد، اتنی تگ و دو، اتنی محنت و مشقت کرکے، عرصہ

طویل لگا کر جو چیز ثابت کی، وہ حقیقت ۱۴۴۵ قمری سال قبل ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰﷺ بیان کر کے تھے۔ اے میرے آقا و مولا ! اے امام الانبیاء ! اے دونوں جہانوں کی رحمت ! اے سرور کائنات ! اے شفیع المزنبین ! اے خاتم الانبیاء ! کروڑوں آئین سٹائین، کھربوں ہبل، لاکھوں فریڈمین، آپﷺ کے نعلین سے اُٹھنے والی دھول پر قربان۔

یہاں ایک اور نقطۂ نظر یہ کہ اگر کائنات میں پھیلاؤ آرہا اور یہ ایک سیکنڈ میں ۶۷.۳ کلومیٹر کی رفتار سے پھیلتی جارہی ہے تو آخر ایک مقام ایسا بھی ہوگا جب یہ سب کچھ ایک جگہ ملا ہوا ہوگا ؟ کوئی ایک نقطہ ایسا بھی ہونا چاہیئے پھر ؟ جی بلکل ! ہے۔ **(مزید تفصیلات کے لیے دیکھیں مَعْرِفَةُ عِلْمِيَّة فی إلّآيات الْقُرْانية)**

وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ ﴿۴۸﴾

اور (سطحِ) زمین کو ہم نے ہی (قابلِ رہائش) فرش بنایا سو ہم کیا خوب سنوارنے اور سیدھا کرنے والے ہیں۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں رب العالمین فرماتا ہے کہ ہم نے زمین کو تمہارے لیے بچھا دیا، فرش بنا دیا یعنی سطح زمین کو ہموار بنا دیا تاکہ لوگ اور دوسرے جانور آسانی سے اس پر چل پھر سکیں۔ پھر

سطح زمین پر ایک زرخیز چھلکا چڑھا دیا جس میں روئیدگی کی قوت رکھ دی تاکہ زمین پر رہنے والوں کو غذا مہیا ہوسکے۔ زمین کو سورج سے اتنی دور رکھا کہ زمین پر بسنے والے جاندار اس کی گرمی سے جل کر تباہ نہ ہوجائیں جیسا کہ سیارہ عطارد (Mercury) اور سیارہ زہرہ (Venus) ہیں۔ اور نہ ہی اتنا زیادہ دور کردیا کہ وہ سردی سے ٹھٹھر کر مرجائیں جیسا کہ مریخ، مشتری، زحل، ارانس اور نیپچون ہیں۔

نیز انسان کی جملہ ضروریات خوردونوش، لباس، مسکن اور مدفن سب چیزوں کو زمین سے وابستہ کردیا۔ اس طرح انسان اس قابل ہوگیا کہ کائنات کی اکثر چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی منزلیں طے کرسکے اور قیامت تک اس زمین پر آباد رہ سکے۔

زمین کی ہیئت میں اس کے گول ہونے کے ذکر کے بجائے، جو ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی، اس بات کا ذکر فرمایا جو ہر شخص کے مشاہدے اور استعمال میں ہے اور جس سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بلکہ خود قرآن مجید میں ہی اس کرہ ارض کی اصل شکل کا بیان موجود ہے۔

(دیکھیں، مَعْرِفَۃُ عِلْمِیَّۃ فی إلّآیات الْقُرْانیۃ)

ہمارے چند مسلمانوں نے اس آیت مبارکہ کا مطلب غلط لیا اور یہ اخذ کیا کہ ایک تو دنیا چپٹی ہے اور دوسرا یہ کہ دنیا متحرک نہیں ہے حالانکہ یہ دونوں نظریات سائنس کے بھی خلاف ہیں اور قرآن و حدیث کے بھی۔ مسلک بریلویہ کے بانی احمد رضا خان بریلوی صاحب نے عالم اسلام میں سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا اور پھر

یہ دعویٰ بھی کردیا کہ یہ نظریہ قرآن و حدیث سے اخذ شدہ ہے۔ انہوں نے اپنے اس باطل نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے ایک کتاب لکھی "الْفَوْزُ الْمَبینَ دُرّ رَدّ حَرَکَات زُمّین" جس کا رد کئی اہل علم کر چکے ہیں، جن میں سے میرے شیخ، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب مدظلہ العالی بھی شامل ہیں۔ ویسے اس باطل نظریہ کے رد کیلئے قرآن حکیم و مجید کی ایک آیت ہی کافی ہے کہ

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (۳۳)

اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو (بھی)، تمام (آسمانی کرّے) اپنے اپنے مدار کے اندر تیزی سے تیرتے چلے جاتے ہیں۔ (الانبیاء : ۳۳)

لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (۴۰)

نہ سورج کی یہ مجال کہ وہ (اپنا مدار چھوڑ کر) چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے نمودار ہوسکتی ہے اور سب (ستارے اور سیارے) اپنے مدار میں حرکت پذیر ہیں۔ (یس : ۴۰)


سورج اور تمام سیارے اور ان کے چاند اپنے اپنے مدار میں تیرتے ہوئے



چپٹی زمین کی خیالی تصویر

وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾

اور ہم نے ہر چیز سے دو جوڑے پیدا فرمائے تاکہ تم دھیان کرو اور سمجھو۔

تفسیر :

زوج کا لفظ عربی میں تین معنوں میں آتا ہے، متضاد اشیاء جیسے دن اور رات، دھوپ اور سایہ، روشنی اور تاریکی، سیاہی اور سفیدی، خوشی اور رنج، خوشحالی اور تنگدستی وغیرہ۔ دوسرا ہم مثل اشیاء کے لیے جیسے پاؤں کے دونوں جوتے ایک دوسرے کا زوج ہیں۔ تیسرا معنی نر و مادہ کے لیے مثلاً خاوند بیوی کا زوج ہے، بیوی خاوند کی زوج ہے، ہر نر مادہ کا زوج ہے اور ہر مادہ نر کا زوج ہے۔ جانداروں میں ایک دوسرے کا زوج تو سب کے مشاہدہ میں آچکا ہے لیکن نباتات میں بھی یہ سلسلہ قائم ہے۔ باربردار ہوائیں نر درختوں کا تخم مادہ درختوں پر ڈال دیتی ہیں تو تب ہی ان میں پھل لگتا اور پکتا ہے اور جدید تحقیق کے مطابق یہ سلسلہ جمادات میں بھی پایا جاتا ہے۔ بجلی کا مثبت اور منفی ہونا یا ایک حقیر سے ذرہ میں الیکٹرون اور پروٹون کا مثبت اور منفی ہونا انسان کے علم میں آچکا ہے۔ مقناطیس میں بھی مثبت اور منفی سرے ہوتے ہیں۔ اور جمادات تو کیا ہر چیز ذرات ہی کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس نرو مادہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ چلایا کہ ان دونوں کے ملاپ سے ایک تیسری چیز وجود میں آتی ہے جس میں بعض دفعہ تو اصل نر اور

مادہ کے کچھ کچھ خواص موجود ہوتے ہیں اور بعض دفعہ یہ تیسری چیز ایسی چیز پیدا ہوتی ہے جس کے خواص پہلی دونوں چیزوں سے بالکل جداگانہ ہوتے ہیں اور اسی چیز کا نام کیمیا یا کیمسٹری ہے۔ انسان کا علم جس حد تک پہنچ چکا ہے وہ بہرحال محدود ہے۔ جبکہ وحی الٰہی پورا علم ہے جس میں یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں اور ان میں غور کرنے سے انسان کو اللہ کی قدرت کاملہ سے متعلق بہت سبق ملتے اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اس آیت حکیمہ پر ملحدین حضرات اعتراض اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ سائنس کے متضاد ہے، قدرت کے متضاد ہے، اے جی دیکھیں آپ کے پیغمبرﷺ نے یہ کتاب خود لکھی ہے یعنی یہ خدا کی وحی نہیں ہے، اگر خدا کی طرف سے ہوتی تو خدا اتنی بڑی غلط بیانی کیسے کرسکتا ہے۔ (معاذاللہ ثمہ معاذاللہ)

کہتے ہیں کہ اے جی دیکھیں فنگس تو بغیر جوڑا کے ہے، اس کا کوئی جوڑا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر جب انہیں بتایا جاتا ہے کہ قرآن نے اس حوالے سے microscopic scale پر بھی بات کی ہے، تو یہ آگے سے گپ اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تو آپ ہیں جو جدید سائنس کو زبردستی قرآن سے ثابت کررہے ہیں حالانکہ سورۃ یس میں واضح طور پر آتا ہے کہ ہم نے انکا جوڑا بھی بنایا جنہیں تم (ابھی) جانتے بھی نہیں۔ تو آئیں دیکھتے ہیں کہ قرآن انکے اس بچگانہ اور جاہلانہ سوال کا کیسا جواب دیا ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ (٣٦)

وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود ان کے نفوس ہوں خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔ (یس : ٣٦)

وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (٤٩)

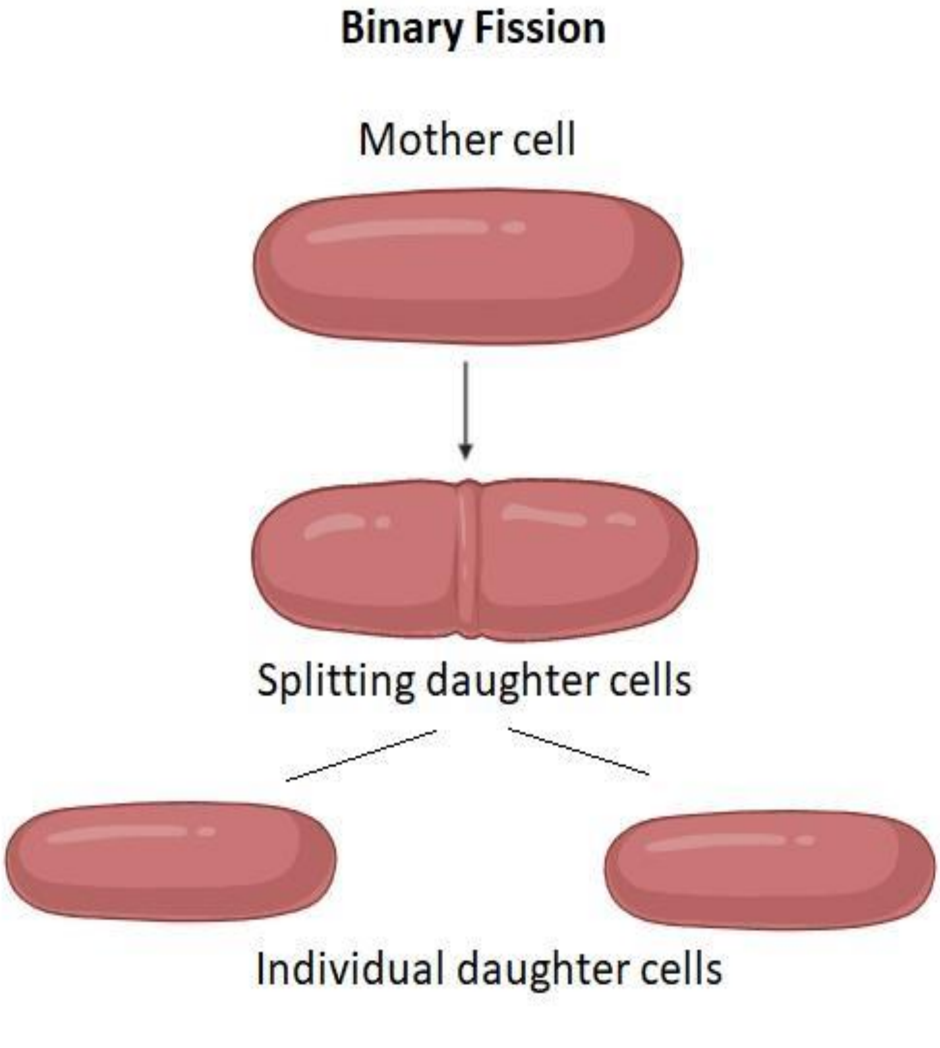
اور ہم نے ہر چیز سے دو جوڑے پیدا فرمائے تاکہ تم دھیان کرو اور سمجھو۔ (الذاریات : ٤٩)

پہلی آیت جو پودوں، انسانوں اور جانوروں کے بارے میں مخصوص ہے کہ یہ جوڑے میں بنائے گئے ہیں، جبکہ دوسری آیت زیادہ جنرل ہے اور اس میں ہر چیز شامل ہے، جاندار یا غیر جاندار۔ قرآن نے جوڑے کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ زوج ہے اس لفظ کے معنی ہم پہلے پڑھ چکے۔

یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ زوج کا مطلب صرف مرد اور عورت کے ساتھی (جیسے شوہر اور بیوی) نہیں ہے بلکہ یہ ایک جنرل لفظ ہے جس میں متوازی جوڑے جیسے جوتوں کا جوڑا وغیرہ شامل ہیں۔

بیکٹیریا:

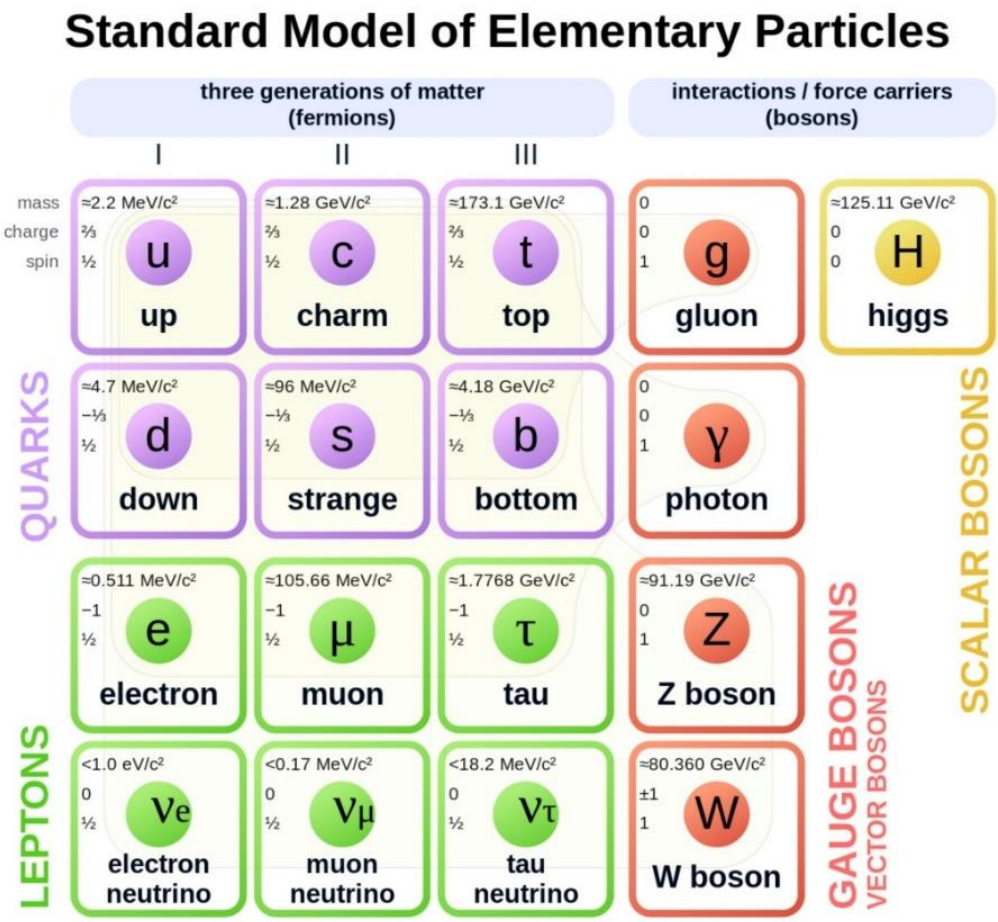
اب بیکٹیریا کی طرف آتے ہیں تو یہ قرآن 51: 49 میں بیان کردہ چیزوں سے بالکل میل کھاتا ہے۔ بیکٹیریا کی تولیدی سائیکل (بائنری فیشن) ایک بیکٹیریا سے بیکٹیریا کے ایک جوڑے کی پیداوار پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔



یہ ایک بیکٹیریا سے جوڑی کی پیداوار ہے۔ اور یاد رہے کہ یہ عمل خرد کے پیمانے پر ہوتا ہے جو کہ قرآن کے نزول کے وقت بنی نوع انسان کو معلوم نہیں تھا۔

غیر جاندار چیزوں کا جوڑا:

درحقیقت Standard model میں ہر بنیادی ذرہ (جو اس وقت بنیادی ذرات کا سب سے عام اور مشہور ماڈل ہے) میں اینٹی پارٹیکل

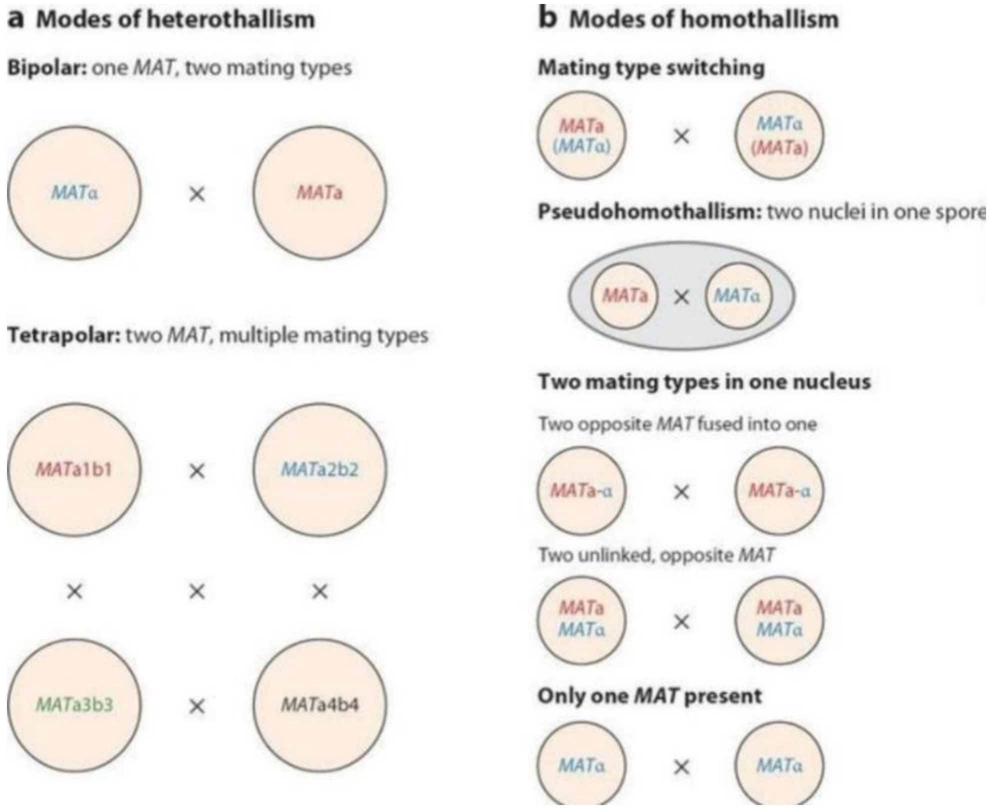


ہوتا ہے۔ لہذا کوانٹم پیمانے پر بھی ۵۱:۴۹ کا مطلب درست ہے ↑

پودوں اور جانوروں کا جوڑا:

آیت ۳۶:۳۶ کے بارے میں جو پودوں اور جانوروں وغیرہ کے جوڑے کی بات کرتی ہے۔ یہ بات اچھی طرح سے ثابت ہے کہ جانوروں اور پودوں میں بھی نر اور مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں۔ درحقیقت پودوں میں جنسی جوڑے کے متعلق یورپ میں اس کے مخالف تصور تھا، جب اسے ۱۶۸۴ میں نظریہ بنایا گیا تھا۔ یہ مسئلہ بالآخر ۱۸۵۱ میں جرمن ماہر نباتات ولہیم ہوفمیسٹر کے کام سے طے پا گیا۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں صدیوں پہلے بیان ہو چکی تھی جب کوئی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

یہاں تک کہ فنگس کو بھی دو مثالی جنسی نظام ملے ہیں، ہیٹروتھالزم اور ہوموتھالزم:



یہ تمام مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ بے شک ہر چیز جوڑوں میں پیدا کی گئی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

اب اس سارے علمی تذکرے کے بعد، زوجین کے بیان کے بعد رب العالمین نے فرمایا

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)

اب یہاں سوال یہ ہے کہ آخر یہ زوجین کے تذکرے کا نصیحت حاصل کرنے سے کیا ربط ؟ دراصل یہاں ہمیں یہ سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا زوج بنایا، زندگی کا زوج بھی دنیا کا زوج بھی۔ زندگی کا زوج ہے موت، کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور دنیاوی لذتوں کو دنیا ہی میں چھوڑ جائیں گے اور دنیا کا زوج ہے آخرت کہ جب ہم بارگاہِ الٰہی میں مجرم بن کر پیش ہوں گے اور اپنے اعمال و افعال کا جواب دیں، یہ وہ دن ہوگا جب انصاف ملے گا ہر اس عمل کا چاہے وہ خلوتوں کا عمل ہو یا جلوتوں کا۔

فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾

پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ (یعنی رجوع) کرو یقیناً میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔

تفسیر :

پس جب ثابت ہوگیا کہ وہی معبود برحق ہے، جس نے گزشتہ آیات میں پہلے بتایا کہ منکرینِ خدا اور منکرینِ رسالت کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا اور پھر اس نے دو آیات میں جامع طور پر ایسے سائینسی حقائق سے پردہ اٹھایا جنکا علم خود سائینس کو آج سے چند برس قبل ہوا ہے۔ تو اب جب اس معاملے میں آپ کے شکوک و شبہات ختم ہو گئے تو پھر ان کفر و شرک کے اندھیروں اور دنیاوی لذتوں کی غلاظتوں سے راہِ فرار اختیار کرو اور دنیا و آخرت کے اجالوں کی طرف بھاگو۔ جہاں بھی ہو، کچھ بھی کام کر رہے ہو پس اپنے تمام معاملات کو ترک کرکے بھاگ پڑو رب ذوالجلال کی طرف، دوڑ لگا دو اس رب اکبر کی طرف، خود کو رسالت مآبﷺ کے قدمین شریفین میں جا پھینکو اور پکار اٹھو کہ اے اللہ ! تیرا بندہ حاظر ہے ! اے اللہ ! تیرا مجرم حاضر ہے ! اے اللہ ! میں راہ سے بھٹک گیا تھا، مجھے معاف فرما دے ! میری توبہ قبول فرما لے ! اے اللہ مجھے اپنے سایۂ رحمت سے نواز دے۔

جب انسان سچے دل سے توبہ و استغفار کرتا ہے اور رب کائنات کی طرف رجوع کرتا ہے تو جس رفتار سے بندہ اپنے خدا کی طرف دوڑتا ہے اس سے دو گنا زیادہ رفتار سے خدا اپنے بندوں کی طرف آتا ہے، جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ توبہ و استغفار اور التَّوَّابُين کے متعلق چند آیات القرآنیۃ :

• إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (۲۲۲)

اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (البقرہ : ۲۲۲)

• وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۱۳۵)

ایسے لوگوں سے جب کوئی برا کام ہوجاتا ہے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً انہیں اللہ یاد آجاتا ہے اور وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کرسکے؟ اور وہ دیدہ دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ (آل عمران : ۱۳۵)

• وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۳۱)

اے مسلمانوں! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ نجات پاؤ (النور : ۳۱)

توبہ و استغفار اور التَّوَّابُين کے متعلق چند احادیث النبویہ :

• عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا وہ آدمی (خوش ہوتا ہے) جو ہلاکت خیز سنسان اور بے آب و گیاہ میدان میں ہو، اس کے ساتھ اس کی سواری ہو، اس (سواری) پر اس کا کھانا اور پانی لدا ہوا ہو، وہ (تھکا ہارا کچھ دیر کے لئے) سو جائے اور جب جاگے تو سواری جا چکی ہو۔ وہ ڈھونڈتا رہے

یہاں تک کہ اسے شدید پیاس لگ جائے، پھر وہ کہے: میں جہاں پر تھا، اسی جگہ واپس جاتا ہوں اور سو جاتا ہوں، یہاں تک کہ (اس نیند کے عالم میں) مجھے موت آ جائے۔ وہ اپنی کلائی پر سر رکھ کر مرنے کے لیے لیٹ جائے اور (اچانک) اس کی آنکھ کھلے تو اس کی وہ سواری جس پر اس کا زادراہ کھانا اور پانی تھا اس کے پاس کھڑی ہو، پھر بے پناہ خوشی کی شدت میں کہہ بیٹھے، اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ خوشی کی شدت کی وجہ سے غلطی کر گیا۔ تو اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا یہ آدمی اپنی سواری اور زادراہ سے خوش ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم : ۶۹۵۵، ۶۹۶۰)

• ابوھریرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار اور اس سے توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری : ۶۳۰۸)

• سیدنا عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہﷺ کو ایک مجلس میں سو مرتبہ (یہ استغفار کہتے ہوئے) گِنا کرتے تھے کہ اے میرے رب ! مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا ، نہایت مہربان ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۴) (صحیح مسلم : ۶۸۵۹)

• سیدنا ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آپﷺ نے اپنے رب عزوجل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ایک بندے نے گناہ کیا، اس نے کہا اے اللہ ! میرا گناہ بخش دے، تو (اللہ) تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا ہے، اس کو پتہ ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے، اس بندے نے پھر گناہ کیا

تو کہا میرے رب ! میرا گناہ بخش دے، تو (اللہ) تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ ہے، اس نے گناہ کیا ہے تو اسے معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور (چاہے تو) گناہ پر پکڑتا ہے۔
اس بندے نے پھر سے وہی کیا، گناہ کیا اور کہا میرے رب ! میرے لیے میرا گناہ بخش دے، تو (اللہ) تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا تو اسے معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور (چاہے تو) گناہ پر پکڑ لیتا ہے، (میرے بندے ! اب تو) جو چاہے کر ، میں نے تجھے بخش دیا ہے۔

ایک صحابی کہتے ہیں مجھے (پوری طرح) معلوم نہیں کہ آپﷺ نے تیسری بار فرمایا یا چوتھی بار کہ جو چاہے کر۔ (صحیح مسلم : ۶۹۸۷)

اس موضوع پر مزید آیات و احادیث کا مطالعہ کرنے کیلئے دیکھیں کتاب **"خَيْرُ الْعَوْدَةُ فِي الْخَشْيَةِ و التَّوْبَة"**

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥١﴾

اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ نہ بناؤ، میں اس کی طرف تمہیں صاف صاف ڈرا رہا ہوں۔

تفسیر :

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ نہ بناؤ، یعنی صرف اللہ کی طرف رجوع کافی نہیں بلکہ

اس کے سوا ہر معبود سے برأت بھی ضروری ہے، اس لیے اس کے ساتھ کسی اور کو معبود مت بناؤ۔

سیدنا انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سیدنا معاذ بن جبل رسول اللہﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے، آپ نے فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کیا، حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپﷺ نے (دوبارہ) فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کیا، حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپﷺ نے (سہ بار) فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کیا، حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول، تین بار ایسا ہوا۔ (اس کے بعد) آپ نے فرمایا کہ جو شخص سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدﷺ کے سچے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو (دوزخ کی) آگ پر حرام کر دیتا ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا اس بات سے لوگوں کو باخبر نہ کر دوں تا کہ وہ خوش ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا (اگر تم یہ خبر سناؤ گے) تو لوگ اس پر تکیہ کر بیٹھیں گے (اور عمل چھوڑ دیں گے) سیدنا معاذ نے انتقال کے وقت یہ حدیث اس خیال سے بیان فرما دی کہ کہیں حدیث رسول چھپانے کے گناہ پر ان سے آخرت میں مواخذہ نہ ہو۔ (صحیح بخاری : ۱۲۸)

• ایک مرتبہ سیدنا ابوھریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ سعادت کسے ملے گی ؟ تو رسول اللہﷺ نے فرمایا اے ابوہریرہ ! مجھے یقین تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کے بارے میں مجھ سے دریافت نہیں کرے گا کیونکہ میں نے حدیث کے متعلق تمہارا ذوق و شوق دیکھ لیا تھا۔ سنو ! قیامت میں سب سے زیادہ فیض یاب میری شفاعت سے وہ شخص ہو گا، جو

سچے دل سے لا إله إلا الله(کوئی نہیں ہے معبود سوائے الله کے) کہے گا۔ (صحیح بخاری : ۹۹)

سیدنا عبدالله بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللهﷺ نے فرمایا لا الہ الا الله (کا خالصتاً اقرار کرنے) والوں پر قبر کوئی وحشت نہ ہوگی نہ محشر میں، گویا میں لا الہ الا الله (کا اقرار کرنے) والوں کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ (قبروں سے اطمینان کے ساتھ اٹھتے ہوئے) اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں تمام تعریفیں الله تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہمارے غم کو ختم کردیا۔ (الترغیب و الترھیب میں: ۲۳۵۹)

اب دیکھتے ہیں الله کے علاؤہ اوروں کو معبود بنانا کیسا ہے ؟ (نہایت ہی مختصر انداز میں)

• جب سورة انعام کی یہ آیت اتری جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں گناہوں کی آمیزش نہیں کی تو آپﷺ کے اصحاب نے کہا یا رسول الله ! یہ تو بہت ہی مشکل ہے۔ ہم میں کون ایسا ہے جس نے گناہ نہیں کیا ۔ تب الله پاک نے سورة لقمان کی یہ آیت اتاری کہ بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ (صحیح بخاری : ۳۲)

• سیدنا ابوہریرہ نے بیان کیا، جب آیت " اور اپنے خاندان کے قرابت داروں کو ڈرا دو " نازل ہوئی تو رسول اللهﷺ نے (صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر) آواز دی کہ اے جماعت قریش ! یا اسی طرح کا اور کوئی کلمہ آپ نے فرمایا الله کی اطاعت کے ذریعہ اپنی جانوں کو اس کے عذاب سے بچاؤ (اگر تم شرک و کفر سے باز نہ آئے تو) الله کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے بنی عبد مناف ! الله کے ہاں میں تمہارے لیے بالکل کچھ نہیں کر سکوں گا ! اے

عباس بن عبد المطلب ! اللہ کی بارگاہ میں میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکوں گا ! اے صفیہ (رسول اللہ کی پھوپھی) ! میں اللہ کے یہاں تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔ اے فاطمہ ! محمدﷺ کی بیٹی ! میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے لے لو لیکن اللہ کی بارگاہ میں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔ (صحیح بخاری : ۴۷۷۱)

• سیدنا ابوہریرہ روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ شریک بنائے جانے والوں میں سب سے زیادہ میں شراکت سے مستغنی ہوں۔ جس شخص نے بھی کوئی عمل کیا اور اس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا تو میں اسے اس کے شرک کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم : ۷۴۷۵)

• ایک آدمی نبی اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا اے اللہ کے رسول ! واجب کرنے والی دو باتیں کون سی ہیں ؟ آپ نے جواب دیا جو کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرتا ہوا مرا، وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہراتے ہوئے مرا، وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔ یعنی توحید جنت کو واجب کر دیتی ہے اور شرک دوزخ کو۔ (صحیح مسلم : ۲۶۹)

سورة الذاریات کی اس آیت (جسکی ہم تفسیر پڑھ رہے ہیں) میں اللہ نے توحید کے بیان کے بعد فرمایا کہ « إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ » یعنی میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں، یعنی آج جب تم زندہ ہو، عقل و شعور رکھتے ہو، اپنے دنیاوی امور میں توجہ دیتے ہو، اپنے کام کاج میں کوئی مشکل پریشانی پیش آ جائے تو محنت

کرتے آخر اللہ کی طرف سے اس دی گئی مہلت کا یوں استفادہ کیا تم نے ؟ تم نے کبھی نہ سوچا کہ ہم قرآن و حدیث کو اٹھا کر غور کریں، تفکر کریں، تدبر کریں ؟ کبھی نہ سوچا کہ ہم اپنے اعتقادات کو درست کریں یا اپنے اعمال کو ؟ بیشک قرآن میں واضح طور پر ہر چیز بیان کردی گئی اور ہر شخص کیلئے دعوت عام رکھ دی گئی اور پھر قرآن مجید صدائیں بلند کرتا رہا کہ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ؟ ہے کوئی ہدایت کا طلبگار ؟

كَذَٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٥٢﴾ أَتَوَاصَوْا بِهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٥٣﴾

اس طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں کیا خوب انداز میں رب کریم نے اپنے پیارے محبوب محمد مصطفیٰﷺ کو تسلی دی کہ جب مشرکین مکہ نے انہیں ساحر اور مجنون کہنا شروع کردیا۔ یہ مشرکین مکہ وہی تھے جو بعثت سے پہلے رسول اللہﷺ کو صادق و امین مانا کرتے تھے، لیکن جب رسول کریمﷺ نے انہیں سچائی کی طرف بلایا تو یہ لوگ رسول اللہﷺ سے بگڑ گئے اور رسول اللہﷺ کو طرح طرح کے ناموں سے پکارنے لگے۔ رب کریم نے اپنے محبوبﷺ کو تسلی دیتے ہوئے

فرمایا کہ یہ ساحر اور دیوانہ کا جو لقب کفار مکہ کی طرف سے آپ کو دیا گیا ہے، تو اے نبی، آپ اس لقب میں منفرد نہیں بلکہ پہلی قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کو انہی القاب سے نوازا تھا۔ کفار رسولوں کو ساحر تو اس لحاظ سے کہتے تھے کہ بعض کفار کے مطالبہ پر اور بعض دفعہ مطالبہ کے بغیر ان پیغمبروں سے ایسے واقعات کا ظہور یا صدور ہوتا تھا جو خلاف عادت ہوتے تھے۔ جنہیں معجزات بھی کہا جاتا ہے یا پھر جو کوئی عقل و شعور رکھنے والا شخص دل کی گہرائیوں سے انبیاء کرام کا کلام سنتا تو وہ اسے نبی مانے بغیر نہ ٹھہرتا تھا، اس لیے جب بھی کوئی اسلام قبول کرتا تو مشرکین کہتے فلاں بن فلاں پر بھی محمدﷺ کا جادو چل گیا (یعنی وہ بھی مسلمان ہوگیا) اور مجنوں اس لحاظ سے کہتے تھے کہ پیغمبر جو دعوت پیش کرتا ہے وہ ساری قوم کے مزاج اور اعتقاد اور ان کی عقل کے خلاف ہوتی تھی، مثلاً جنت و دوزخ، بعث بعد الموت، خدا کا ایک ہونا وغیرہ وغیرہ۔ رسول یہ دعوت پیش کرکے ساری قوم کی مخالفت مول لے لیتے تھے اور یہ بات بھی ان لوگوں کی نگاہ میں دیوانگی تھی۔

ان مشرکین مکہ اور سابقہ اقوام انبیاء کے اس رویے کے تسلسل سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم اپنے بعد میں آنے والی قوم کو یہ وصیت کرکے مرتی رہی کہ اگر تمہارے پاس ہماری طرح کوئی بھی رسول آئے تو تم بھی اسے ساحر اور مجنون ہی کہنا۔ بات یوں نہیں کہ ان قوموں کے درمیان کافی بعد زمانی یا مکانی پایا جاتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسے سب کافروں میں چند باتیں قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہیں، ان کا مرض، ان کی گندگی، ان کے دلوں کا کوڑ کباڑ سب مشترک ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنتَ بِمَلُومٍ ﴿۵۴﴾

پس (اے نبیﷺ) ! آپ ان کی پروا نہ کیجئے، آپ پر کوئی الزام نہیں۔

تفسیر :

نبی کریمﷺ توحید باری تعالیٰ سمجھانے اور لوگوں کو خیر خواہی کی دعوت دینے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ آپ لوگوں کو بار بار سمجھاتے کہ لوگو! اللہ کے ساتھ شرک کرنا چھوڑ دو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ آپ کے مخاطبین اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپ پر مختلف قسم کے الزامات لگاتے۔ آپﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو اذّیتیں دیتے تھے جو کہ جسمانی بھی تھیں اور ذہنی تو بہت زیادہ تھیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری فرماتے ہیں میں نبی اکرمﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا، اس وقت حضورﷺ بیمار تھے، میں نے اپنا ہاتھ آپ کے اوپر اوڑھی ہوئی مخملی چادر کے اوپر رکھا، مجھے اس کے اوپر سے حرارت محسوس ہوئی، میں نے کہا یا رسول اللہﷺ آپ کو تو بہت سخت بخار ہے تو نبی اکرمﷺ نے فرمایا ہم انبیاء پر اس طرح کی تکالیف دوگنی آتی ہیں، اور ان پر ہمیں اجر بھی دگنا ملتا ہے، میں نے کہا یا رسول اللہﷺ کس شخص پر سب سے زیادہ آزمائش آتی ہے، آپﷺ نے فرمایا نبیوں پر۔ میں نے پوچھا ان کے بعد ؟ آپﷺ نے فرمایا صالحین پر۔ کسی آدمی کو فقر میں اس طرح آزمایا جاتا ہے کہ

اس کے پاس صرف ایک ہی چادر ہوتی ہے، وہ اسی کو لپیٹ کر لباس کے طور پر پہنتا ہے، کسی کو جوؤں کے ساتھ آزمایا گیا حتی کہ جوؤں نے اس کو مار ڈالا اور ان لوگوں کو نعمتوں سے زیادہ یہ آزمائشیں اچھی لگتی تھیں۔ (المستدرک الحاکم : ۷۸۴۸) (سنن ابن ماجہ : ۴۰۲۴)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا میں نے کہا یا رسول اللہﷺ ! سب سے سخت مصیبت کس پر آتی ہے ؟ آپ نے فرمایا نبیوں پر، پھر جو ان کے بعد سب سے افضل ہیں(اہل بیت و صحابہ)، پھر جو ان کے بعد افضل ہیں۔ بندے پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین (اور ایمان) میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے، اگر اس کا ایمان نرم ہو تو اس کے ایمان کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ بندے پر آزمائش (اور مصیبت) آتی رہتی ہے حتیٰ کہ اسے ایسا کر کے چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہوتا ہے اور اس پر کوئی گناہ (باقی) نہیں ہوتا۔ (سنن ابن ماجہ : ۴۰۲۳)

اس صورت حال میں آپ کی طرف سے جن لوگوں پر حق کا ابلاغ ہوچکا تھا، ان کے بارے میں آپﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ ان پر مزید وقت صرف کرنے کی بجائے ان سے اعراض کا رویہ اختیار فرمائیں، اس اعراض پر آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔ ان کی بجائے آپ اس عمل خیر اور منصب اعلیٰ پر معمور کیے گئے ہیں، اس کے امور کو انجام دیتے رہیں۔ آپ ایمانداروں اور ان لوگوں کو نصیحت فرماتے رہیں جو سلیم الفطرت ہیں اور حق بات کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں۔ بلاشبہ آپ کی نصیحت ایمان لانے والوں کے لیے نہایت ہی فائدہ مند ہوتی ہے۔ انہیں پہلی نصیحت یہ فرمائیں کہ

تمہارے رب نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے لہٰذا اس کا فرمان ہے صرف میری ہی عبادت کرنی چاہیے۔ یہی جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد ہے اور یہی انبیائے کرام علیہ السلام کی دعوت کا پہلا اور مرکزی مقصد ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا

رحمان کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر مصلحت کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔ (الفرقان : ۶۳)

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۵﴾

اور نصیحت کرتے رہیے۔ کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کو فائدہ دیتی ہے۔

تفسیر :

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریمﷺ کو حکم دیا ہے کہ مشرکین کے ساتھ بغیر الجھے اور بغیر ٹکراؤ پیدا کئے قرآن پڑھ کر انہیں نصیحت کرتے رہئے، تاکہ جن کی قسمت میں ایمان لانا لکھا ہے اس سے مستفید ہوں اور وہ لوگ بھی مستفید ہوں، جو ایمان لا چکے ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

تفسیر :

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر شے کو کسی نہ کسی حکمت کے سبب تخلیق فرمایا، ایک چھوٹے سے ذرے (atom) میں موجود الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران بھی بے مقصد نہیں ہیں۔ چھوٹے ذرے سے لے کر بڑی بڑی کہکشاؤں میں موجود بڑے بڑے سیاہ شگاف (black hole) تک ہر چیز کی تخلیق کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت ہے تو انسان نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ بے مقصد و منشا پیدا کردیا گیا، اور وہ دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ کھائے، پیئے، سوئے، کمائے اور دیگر دنیاوی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا جائے اور پھر ایک دن اکھیاں میٹ لے۔ نہیں، ہر گز ایسا نہیں ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان اس بات کے مکلف ہیں کہ وہ حکم الٰہی کو قبول کریں اور فرما برداری اختیار کریں۔

تمام مخلوقات میں جس مخلوق کو اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز حاصل ہے، انہیں رب کائنات نے اس حساب سے ایک عظیم الشان

حکمت و مصلحت کے تحت پیدا فرمایا۔ وہ حکمت و مصلحت اور وہ مقصد اس آیت میں بیان ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵۶)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (الذاریات : ۵۶)

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (۲)

ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ (الدھر : ۲)

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ (۲)

جس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر غالب بھی ہے اور بخش دینے والا بھی۔ (الملک : ۲)

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (۷)

بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کے لیے زینت بنایا ہے، تاکہ ہم انھیں آزمائیں ان میں سے کون عمل میں بہتر ہے۔ (الکہف : ۷)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ آزمانا چاہتا ہے کہ انسان اپنے مقصد تخلیق یعنی "عبادت" کو اچھے سے سر انجام دیتا ہے یا نہیں۔ اب جب ہمیں پتہ چل گیا کہ عبادت کی اہمیت انسانی

حیات میں کیا ہے تو ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ عبادات کا انداز کیسا ہونا چاہیئے ؟ عبادت اصل میں کہتے کسے ہیں ؟ کیا چند جملے جنہیں ہم نے بچپن میں رٹا ہو، انہیں پڑھنا اور زمین پر ٹکریں مارنا عبادت ہے ؟ ہرگز نہیں ایسی عبادت، ریاضت تو ہوسکتی ہے مگر عبادت نہیں۔

جیسا کہ اس آیت میں جن و انس کیلئے عظیم الشان حکمت کو مختص کردیا گیا تو ہم پر ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے دیکھیں کہ یہ عظیم الشان منصب کا اصل مفہوم و معنی کیا ہے ؟ عبادت اصل میں ایسے اعمال و افعال کو کہتے ہیں جو عبد کا معبودِ برحق سے تعلق جوڑتا ہے، عبد اور معبود کے مابین قربتیں بڑھاتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبادت ایک جامعہ لفظ ہے جو اللہ کے تمام پسندیدہ و محبوب، ظاہری و باطنی، اقوال و افعال کو شامل ہے۔
چنانچہ نماز، زکوۃ، روزہ، حج، سچائی، امانت کی ادائیگی، والدین سے حسن سلوک، رشتہ داروں سے نیکی، ایفائے عہد، نیکی کا حکم، برائی سے روکنا، کفار و منافقین سے جہاد، پڑوسیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور زیر دست انسانوں اور جانوروں کے ساتھ بھلائی نیز دعا، ذکر و اذکار، قرآت وغیرہ سب عبادات ہیں اسی طرح اللہ اور اس کے رسولﷺ سے محبت، خشیت الٰہی، رجوع الی اللہ، خالص اسی کی عبادت، اس کے حکم پر ڈٹ جانا، اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا، اس کی قضا و قدر پر راضی ہونا، اس پر توکل کرنا، اس کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف سب عبادات ہیں۔
(العبودیہ : ۸)

اکابرین و عمائدین نے عبادات کو کچھ اقسام میں تقسیم کیا تاکہ سمجھنے اور پھر دوسرے کو سمجھانے کیلئے مزید آسانی ہو سکے۔

عبادت کی اقسام :

• قلبی • قولی • مالی • جسدی

قلبی عبادت :

عبادت میں سب سے اہم شاخ قلبی عبادات کی ہے کیونکہ اس کا تعلق ہماری خلوتوں پر ہے تو لہٰذا جب ہماری خلوتیں خشیت الٰہی، معرفت الٰہی، عشقِ مصطفیٰ ﷺ، عشق اہل بیت و صحابہ سے مالا مال ہوں گی تو ہمیں اپنی جلوتوں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ جب ہماری خلوتیں ہی اتنی حسین و جمیل ہوں گی تو جلوتوں کا عالم کیا ہوگا۔ قلبی عبادات اصل میں ہمارے دل کی ان کیفیات کا نام ہے جس سے ہماری جسدی عبادات میں نکھار آتا ہے، اور یہی عبادت کی معراج ہے، یہی وہ عمل خیر ہے جو ہمیں اولیاء اللہ کی فہرست میں شامل کرتا ہے۔ جیسے ہمارے تمام اعمال و افعال کا دارومدار ہمارے دل و دماغ میں بسنے والے خیالات پر ہوتا ہے بلکل ایسے ہی ہماری جسدی عبادات کا دارومدار بھی دل و دماغ کی کیفیات پر ہے۔ اگر ان کیفیات کے بغیر نماز پڑھی جائے تو وہ نماز نہیں بلکہ زمین پر ٹکریں مارنے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر عمل کا نتیجہ ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی ملے گا۔ (صحیح بخاری : ۱)

رسول اللہ ﷺ نے قلب مبارک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تقویٰ یہاں (سے) ہے۔ (صحیح مسلم : ۲۵۶۴)

قولی عبادت :

پھر اسکے بعد آتا ہے قولی عبادت کا بیان، قولی عبادات سے مراد ایسے اعمال و افعال ہیں جن میں ہم اپنے زبان کے استعمال سے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی جائے، وعظ و نصیحت کی جائے، تنبیہ کی جائے، قرآت کی جائے، حمد و نعت پڑھی جائے، دعا کی جائے۔

مالی عبادت :

یعنی ایسے اعمال و افعال جن میں اپنی جیب کے ذریعے رب کریم کی خوشنودی حاصل کی جائے۔ حلال طریقے سے کمانا، اہل و عیال پر خرچ کرنا، اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا، جہاد کیلئے خرچ کرنا، صدقہ و خیرات کرنا، یتیموں، مسکینوں، فقیروں، غریبوں، مسافروں اور دیگر ضرورت مندوں کی ملی لحاظ سے مدد کرنا، انسانیت کی خدمت میں پیسے صرف کرنا اور سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول پر پیسے لگانا مالی عبادات میں شامل ہیں۔

جسدی عبادات :

ایسے امور جن میں ہم اپنے جسد، اپنے جسم کے ذریعے رب العالمین کی عبادت کریں۔ مثلاً صوم و صلوٰۃ، والدین کی خدمت، حج و عمرہ وغیرہ وغیرہ۔

مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾

میں ان سے رزق نہیں چاہتا نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تو خود ہی رزاق ہے، بڑی قوت والا ہے اور المتین ہے، اللہ تعالیٰ کے متین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ مضبوط اور غیر متزلزل ہے جسے کوئی ہستی یا کوئی قوت اس کے مقام یا اس کے ارادہ سے ہلا نہیں سکتی۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبیﷺ میں نے لوگوں سے کسی قسم کے رزق کا تو مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اپنے لیے ان سے کچھ طلب کیا یعنی میری عبادت و اطاعت سے میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں، جیساکہ دوسرے آقاؤں کا مقصود ہوتا ہے، بلکہ رزق کے سارے خزانے تو خود میرے ہی پاس ہیں۔ میری عبادت و اطاعت سے تو خود ان ہی کو فائدہ ہو گا کہ ان کی آخرت سنور جائے گی نہ کہ مجھے کوئی فائدہ ہو گا، آخرت تو سنورے گی ہی لیکن دنیاوی زندگی میں بھی انقلاب آئے گا اور ایک سکون و اطمینان محسوس ہوگا۔ دنیاوی خواہشات جن پر رب العزت نے بہت ہی خوبصورت لبادہ ڈال دیا، تو انسان جب دل و جاں سے رب العزت کی عبادت میں مشغول ہو جائے گا تو اس کی دل کی آنکھ ان خوبصورت لبادوں کے پیچھے غلاظت

کے ڈھیر کو پہچان لیتی ہے اور اس بندے کو اس کے مضر اثرات سے محفوظ کر دیتی ہے۔

دوسرا قول اس آیت کے متعلق یہ بھی ہے کہ رب العالمین نے نبی کریمﷺ سے فرمایا کہ اے نبیﷺ آخر کیوں یہ مشرکین ہدایت کو قبول نہیں کرتے ؟ آخر کس چیز نے روک رکھا ہے ؟ اے نبیﷺ کیا آپ ان سے کسی قسم کا رزق تو طلب نہیں کرتے ؟ کیا ان لوگوں نے یہ وہم تو نہیں پال لیا کہ تم انہیں توحید کی دعوت اس لیے دے رہے ہو کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تم اسے اپنے سے کھلاؤ پلاؤ، جیسا کہ اس زمانے میں بت پرستوں کا رواج تھا۔ اس بیان کے بعد رب العالمین نے خود فرمایا کہ میں ہی تو وہ ہوں جس نے تمہیں رزق دیا، تمہارے لیے زمین و آسمان کی ہر شے کو مسخر کردیا، بیشک رب ذوالجلال ہی تو سب سے زیادہ قوت و طاقت والا ہے اور المتین ہے، اللہ تعالیٰ کے متین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ مضبوط اور غیر متزلزل ہے جسے کوئی ہستی یا کوئی قوت اس کے مقام یا اس کے ارادہ سے ہلا نہیں سکتی۔

آج ۵ مئی ۲۰۲۴ بمطابق ۲۶ شوال المکرم ۱۴۴۵ھ ہے اور آج شام کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا نکاح ہے اور جس شہزادی سے یہ نکاح ہونے والا ہے، اسکا نام بھی اسی سورۃ مبارکہ کی نسبت سے **زاریہ** ہے، شکر گزار ہوں اس مالک کا کہ جس نے اتنی نعمتوں سے نوازا۔

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾

سو ان ظالموں (کے گناہوں) کا ڈول بھی ایسے ہی بھر چکا ہے جسے ان جیسے دوسرے لوگوں کا بھر گیا تھا، لہٰذا یہ مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کریں۔

تفسیر :

کنوئیں وغیرہ سے پانی نکالنے والا ڈول یا بالٹی اگر بھرا ہوا ہو تو اسے ذُنُوْبٌ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان مشرکین نے کفر و شرک کی حدیں پار کردیں اور اس سے انہوں نے اپنے ہی نفوس پر ظلم کیا، قرآن مجید کی رو سے انکا یہ ظلم کیا تھا ؟ آئیں دیکھتے ہیں

- اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا :

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا ؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا جب حق اس کے پاس آجائے وہ اسے جھٹلائے، کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم نہ ہوگا۔ (العنکبوت : ۶۸)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (الصف : ۷)

مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

پس اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹی تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم کو راست نہیں دکھلاتا۔ (الانعام : ۱۴۴)

• آیات بینات کو جھٹلانے والا :

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا ؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا جب حق اس کے پاس آجائے وہ اسے جھٹلائے، کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم نہ ہوگا۔ (العنکبوت : ۶۸)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا بتلائے، ایسے بے انصافوں کو کامیابی نہ ہوگی۔ (الانعام : ۲۱)

• جو قرآن کریم سے نصیحت حاصل نہ کرے :

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے وہ پھر بھی منہ موڑے رہے اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اسے بھول جائے، بیشک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اسے (نہ) سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے، گو تو انہیں ہدایت کی طرف بلاتا رہے، لیکن یہ کبھی بھی ہدایت نہیں پانے کے۔ (الکہف : ۵۷)

• خدا کی نشانیوں کو، شہادتوں کو چھپانے والا :

قُلْ أَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ، اللہ کے پاس شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔ (البقرہ : ۱۱۴)

یہ تمام تر عیوب جداگانہ طور پر سابقہ مجرم اقوام میں پائے جاتے تھے لیکن رسول اللہﷺ کے دشمنوں اور انکاریوں کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ان میں یہ تمام تر عیوب بیک وقت موجود تھے۔ اور پھر یہ رسول اللہﷺ سے کہا کرتے تھے کہ تم ہمیں قوم عاد و ثمود اور فرعون و نمرود پر قہر الٰہی کے جو قصے سنا کر ڈراتے ہو، ہم پر یہ عذاب کب برسے گا ؟ اگر تمہارا خدا سچا ہے تو اسے کہو کہ

ہم پر بھی عذاب برسائے۔ ان کی اس بکواس کا جواب رب ذوالجلال نے یوں دیا کہ تمہیں بھی تمہارے ان ساتھیوں، جو محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے آنے والے نبیوں کی تکذیب کرتے رہے، تمہیں بھی ان کے ساتھ اور انکی طرح باری باری، مقررہ وقت پر عذاب ملتا رہے گا سو تم اس معاملے میں پریشان مت ہو اور نہ ہی جلدی کرو۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

پس خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن کی جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں۔

تفسیر :

اس سے مراد قیامت کا دن ہے جس میں ان کو مختلف قسم کے عذاب، سزاؤں، بیڑیوں کی وعید سنائی گئی ہے ان کا کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا ہوگا۔ ہم اس عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر قیامت کو یوم وعید کہا گیا ہے یعنی وہ دن جس کا ان مشرکین و کفار سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

سُوْرَةُ الطُّورِ

بِسْمِ اللَّـهِ الرَّحْمَـٰنِ الرَّحِيمِ

وَالطُّورِ ﴿١﴾ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ﴿٢﴾ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ ﴿٣﴾ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ
﴿٤﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ﴿٥﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ﴿٦﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ
﴿٧﴾ مَا لَهُ مِن دَافِعٍ ﴿٨﴾ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاء مَوْرًا ﴿٩﴾ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا
﴿١٠﴾ فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ﴿١٢﴾ يَوْمَ
يُدَعُّونَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٤﴾
أَفَسِحْرٌ هَذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿١٥﴾ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا
سَوَاء عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ
وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا
وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ
وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا
بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ
﴿٢١﴾ وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا
لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ
﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا
مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ
نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا
مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا
فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ
طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن
كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ

خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ
هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ
مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ
مُّثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ
كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ
﴿۴۳﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاء سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ
حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا
وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ
تَقُومُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾

تعارف :

سورۃ طور مکی سورتوں میں سے ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے چھہترویں جبکہ مُصحَف کی موجودہ ترتیب کے اعتبار سے باونولیں سورۃ ہے اور قرآن کے ستائیسویں پارے میں واقع ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کا نام اسکی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ سورۃ طور ۴۹ آیات، ۳۱۳ کلمات اور ۱۳۲۴ حروف پر مشتمل ہے۔ حجم اور آیتوں کے اختصار کے اعتبار سے اس کا شمار مُفَصَّلات میں ہوتا ہے۔
سورۃ طور میں کافروں کو عذاب سے ڈراتے ہوئے، عذاب کی خصوصیات بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد بہشتیوں کے لیے نعمات کا ذکر کرتے ہوئے پیغمبر اکرمؐ کی نبوت کے منکرین کی توبیخ کی

گئی ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ عبد کو معبود کے قریب کرنے، دلوں میں خشیت الٰہی اور خوف آخرت پیدا کرنے کیلئے بہت موضوع ہے۔

سیدنا جبیر بن مطعم بدر والے (قیدی) مشرکوں کے سلسلے میں نبی کریمﷺ کے پاس آئے، اس وقت وہ مسلمان نہیں تھے، وہ کہتے ہیں جب میں رسول اللہﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نمازِ مغرب پڑھا رہے تھے اور اس میں سورۃ طور کی تلاوت کر رہے تھے، یہ قرآن سن کر مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا دل پھٹنے لگا ہے اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیات سن کر مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا دل اڑنے لگا ہے۔ (صحیح بخاری : ۷۶۵، ۳۰۵۰) (سنن نسائی : ۹۸۸) (سنن ابن ماجہ : ۸۳۲) (مسند احمد بن حنبل : ۱۶۲۶) (مشکوٰۃ المصابیح : ۸۳۱)

اہل تشیع کی تفسیر مجمع البیان میں اس سورۃ مبارکہ کی تلاوت کے بارے میں نبی مکرمﷺ سے نقل ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سورت کی تلاوت کرے تو وہ جہنم کی عذاب سے محفوظ رہے گا، بہشت میں جگہ دی جائے گی۔ (مجمع البیان، ۱۳۷۲ش، ج۹، ص۲۴۵)

اسی طرح اہل تشیع کی ایک اور روایت میں امام محمد الباقر بن زین العابدین اور انکے صاحبزادے امام جعفر صادق سے نقل ہوا ہے کہ جو شخص سورۃ طور کی تلاوت کرے گا اسے دنیا و آخرت کی تمام خیر و برکات سے نوازا جائے گا۔ (ثواب الأعمال، ۱۴۰۶ق، ص۱۱۶)

مضامین :

- کوہ طور کیا ہے ؟
- بیت المعمور کیا ہے ؟
- قیامت کا ہونا یقینی ہے
- کافروں کو عذاب اللہ کے ذمے ہونا
- پیغمبر کاہن، مجنون اور شاعر نہیں ہے
- قیامت میں عذاب حتمی ہونا
- صبر اور اللہ کی بندگی
- پیغمبر سے انکار کا سبب طغیانگری
- قیامت کے دن دین کے منکروں کو عذاب
- کافروں کی خلقت دوسروں سے فرق نہیں وہ بھی عذاب سے دوچار ہونگے
- قیامت کے دن متقین کو اجر
- پیغمبر کے انتخاب میں کافروں کا کوئی کردار نہیں
- پیغمبر نے تم سے کوئی اجرت نہیں مانگا ہے
- پیغمبر کا انکار ایک سازش ہے، علمِ غیب کی وجہ سے نہیں
- اللہ کا کوئی شریک نہیں اس کے بھیجے ہوئے پر ایمان لانا ہوگا

وَالطُّورِ ﴿١﴾

قسم ہے طور کی۔

تفسیر :

سورۃ الذاریات کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ جس دن کا کفار سے وعدہ کیا جاتا ہے اس دن ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہوگی۔ سورۃ الطور کا آغاز پانچ قسمیں اٹھانے کے بعد اس بات سے ہوا ہے کہ جو دن کفار کے لیے ہلاکت کا باعث ہوگا اس کی ہلاکت اور عذاب کو کفار بھی ٹال نہیں سکتے۔

امام ابن کثیر کے مطابق طور ہر اس پہاڑ کو کہتے ہیں، جس پر درخت ہوں جبکہ جو خشک پہاڑ ہو اسے جبل کہا جاتا ہے طور نہیں کہا جاتا۔ تو امام ابن کثیر کے مطابق اللہ رب العزت نے سورۃ طور میں ہر اس پہاڑ کی قسم یاد فرمائی جس پر سبزا یا درخت موجود ہوں۔ عبدالسلام بھٹوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ '' الطُّوْرِ '' کا معنی وہ پہاڑ جس پر پودے اگتے ہوں۔ ایک خاص پہاڑ کا نام بھی ''طور'' ہے جس کے دامن میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اگر اس پر ''الف لام'' جنس کا ہو تو تمام پہاڑ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کی طرف توجہ دلانے کے لیے متعدد مقامات پر پہاڑوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کا زمین میں گڑا ہوا ہونا،

آسمان کی طرف بلند ہونا، سمندر سے ہزاروں فٹ بلند ہونے کے باوجود ان پر چشموں، پودوں اور درختوں کا اور اتنی بلندی پر گلیشیروں کی صورت میں پانی کے بے حساب ذخیروں کا موجود ہونا، ان کے اندر چھپے ہوئے معدنیات کے بے شمار خزانے، اتنے بلند اور ٹھوس ہونے کے باوجود ان میں راستوں کا موجود ہونا، غرض پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔

جبکہ زیادہ تر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد ایک پہاڑ کا وہ حصہ ہے، جسے طور کہا جاتا ہے، جس پر سیدنا موسیٰ کلیم اللہ اپنے رب اکبر سے ہم کلام ہوئے۔ طور کو طور سیناء اور طور سینین بھی کہا گیا ہے۔ سیناء اور سینین دونوں ایک ہی پہاڑ کے نام ہیں۔ جس کی سطح سمندر سے بلندی ۷۲۶۰ فٹ ہے اور مدین سے مصر یا مصر سے مدین جاتے ہوئے (شام کے ملک میں) راستے میں پڑتا ہے۔ اسی مقام پر موسیٰ علیہ السلام کو دو دفعہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اسی پہاڑ کی ایک چوٹی کا نام طور ہے اور اسی پہاڑ کے دامن میں واقع وادی کا نام طویٰ ہے جسے قرآن میں وادی مقدس اور بقعۃ المبارکۃ بھی کہا گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لائے تو اسی راستے سے گزرے تھے۔ کوہ طور کو اسی نسبت سے طور سینین کہا جاتا ہے۔ زیادہ رائج قول سیدنا موسیٰ والے کوہِ طور کا مانا جاتا ہے۔ میرے شیخ، شیخ فرحان احمد الٰہی صاحب فرماتے ہیں کہ اس قسم کے باعث کوہِ طور شعائر اللہ میں شامل ہے۔



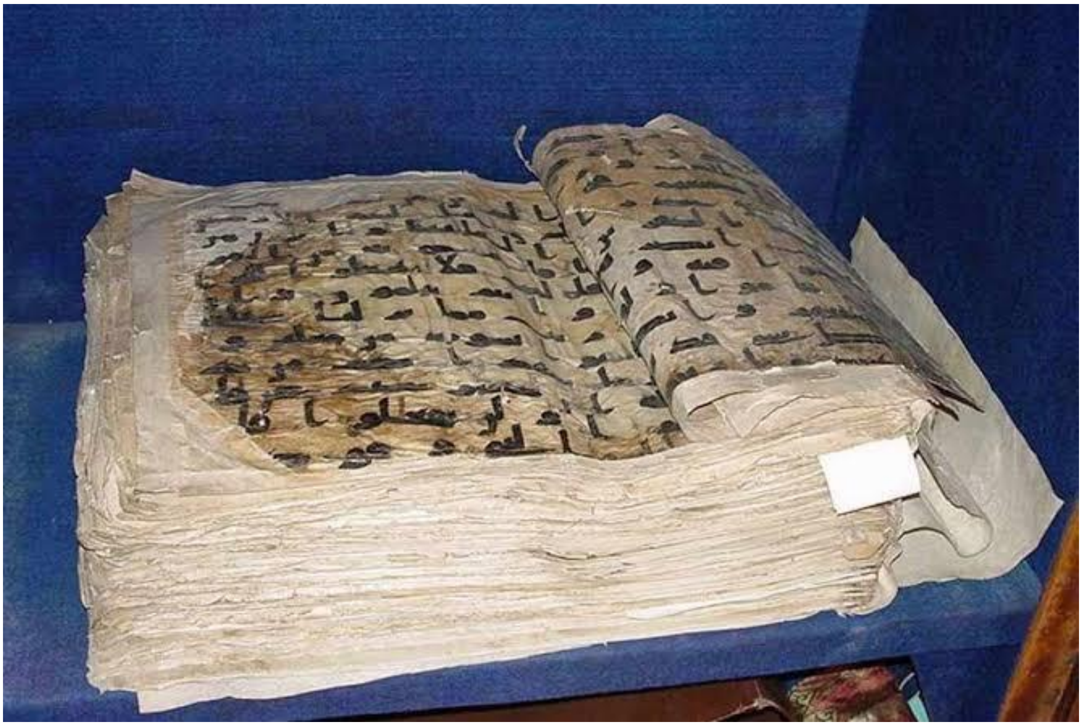
وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ﴿٢﴾ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ ﴿٣﴾

اور لکھی ہوئی کتاب کی۔ جو کھلے ہوئے صفحات میں لکھی ہوئی ہے۔

تفسیر :

رَقِّ بمعنی پتلا اور نرم ہونا اور رق ہر وہ چیز ہے جو پتلی اور نرم ہو۔ مثلاً درختوں کے پتے جھلی، پتلا چمڑہ اور کاغذ وغیرہ اور کتب

سماویہ عموماً جھلی اور پتلے چمڑے پر لکھے جاتی تھیں۔ تاکہ امتداد زمانہ کا ساتھ دے سکیں اور خراب نہ ہوں۔ اور نشر کے معنی کھولنا بھی ہے اور پھیلانا بھی۔ اس سے مراد کوئی بھی آسمانی کتاب ہوسکتی ہے بلکہ لوح محفوظ بھی اور ربط مضمون یا طور کے ذکر کے لحاظ سے تورات کی تختیاں بھی۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے اس سے مراد اہل کتاب کی کتابوں کا وہ مجموعہ ہے جو دور نبوی میں بھی دستیاب تھا، نایاب نہیں تھا اور لوگوں میں معروف و مشہور تھا۔ یعنی ایسی کتاب کی قسم جو چمڑے کے اوراق میں لکھی گئی ہے جو بالکل ظاہر ہے، مخفی نہیں ہے اور اس کا حال ہر خرد مند اور صاحب بصیرت سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ بعض اکابرین اس سے لوح محفوظ مراد لیتے ہیں اور بعض اس سے سماوی کتب مراد لیتے ہیں، دونوں اقوال ہی اپنے اپنے حساب سے درست ہیں۔

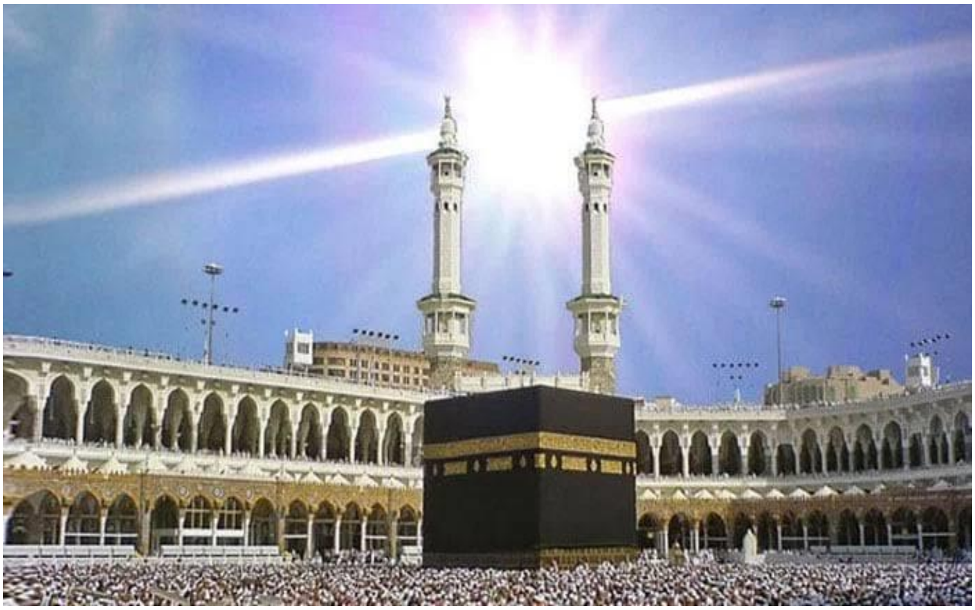


وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ﴿۴﴾

اور بیت المعمور کی قسم۔

تفسیر :

پھر رب العالمین نے بیت المعمور کی قسم یاد فرمائی، بیت المعمور یعنی ہر وقت آباد رہنے والا گھر، بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ وہ اس طرح کہ خانہ کعبہ ہر وقت حج و عمرہ اور طواف اور عبادت کرنے والوں سے بھرا رہتا ہے اور کبھی خالی نہیں ہوتا۔ اور بعض مفسرین اس سے مراد ساتویں آسمان پر فرشتوں کی وہ عبادت گاہ بھی لیتے ہے جو خانہ کعبہ کے عین سیدھ میں واقع ہے۔ رسول اللہﷺ کو شب معراج میں جب آسمانوں کی سیر



کرائی گئی تو رسول اللہﷺ نے سیدنا ابراہیم کو اسی گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے دیکھا تھا۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہﷺ نے سفر معراج میں سیدنا جبرائیل سے پوچھا اے جبریل ! یہ کیا ہے ؟ انہوں نے کہا یہ بیت معمور ہے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جب اس سے نکل جاتے ہیں، تو اس (زمانے) کے آخر تک جو ان کے لیے ہے دوبارہ اس میں نہیں آ سکتے۔ (صحیح مسلم : ۱۶۴، ۴۱۱، ۴۱۶) **دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔**

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ﴿۵﴾

اور اونچی چھت کی

تفسیر :

اس سے مراد وہ نیلگوں آسمان ہے جو ہمیں اپنے سروں پر قبہ کی طرح چھایا ہوا نظر آتا ہے نیز اس سے پورے کا پورا عالم بالا/سماوی کائنات بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ یہاں ذکر آیا آسمانوں کا، جو کہ اس تفسیر میں پہلے بھی ایک آدھ بار آچکا ہے، تب بھی تفسیر لکھتے ہوئے میرے ذہن میں ایک بات یاد آئی لیکن اس وقت میں اس سے اگلی آیات پر کام شروع کرچکا تھا تو سوچا کہ سورۃ طور میں بیان کردوں گا۔

قرآن مجید میں سمآء لفظ کس کس کیلئے استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں سمآء لفظ مروجہ سات آسمانوں کے علاؤہ ان معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے :

- بادل
- فضاء
- بارش
- کرہ ہوائی
- گھر کی چھت
- سماوی کائنات

1 . بادل :

قران مجید میں بہت سے مواقع پر لفظ سمآء بادلوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بارش بادلوں سے برستی ہے، جو ہماری زمین ہی کی فضا میں معلق ہوتے ہیں۔ قران مجید میں جہاں کہیں بارش کا ذکر ایا ہے وہاں لفظ سمآء کا استعمال بارش کے معنی میں ہوا ہے۔ جیسا کہ

- وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ

اور ہم ہواؤں کو بادلوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے بھیجتے ہیں پھر ہم آسمان کی جانب سے پانی اتارتے ہیں پھر ہم اسے تم ہی کو پلاتے ہیں اور تم اس کے خزانے رکھنے والے نہیں ہو۔ (الحجر : ۲۲)

اس آیت مبارکہ میں پانی سے بھرے بادلوں کو سمآء کہا گیا، جس پانی برسا کر رب العالمین آبی چکر چلاتا ہے، پیاسی زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔ اس طرح کی قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر پانی سے بھرے بادل جنہیں ہم کالے بادل کہتے ہیں، انکو سمآء کہا گیا ہے۔

2 . بادلوں کی فضاء :

بادلوں کی فضاء کو اگر کرہ ہوائی کی وہ تہیں کہیں جن میں بادل تیرتے پھرتے ہیں، تو غلط نہ ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ

• أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِن جِبَالٍ فِيهَا مِن بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَن مَّن يَشَاءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو (پہلے) آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس (کے مختلف ٹکڑوں) کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر اسے تہ بہ تہ بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان خالی جگہوں سے بارش نکل کر برستی ہے اور وہ اسی آسمان (یعنی فضا) میں برفانی پہاڑوں کی طرح (دکھائی دینے والے) بادلوں میں سے اولے برساتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان اولوں کو گِراتا ہے اور جس سے

چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے (مزید یہ کہ انہی بادلوں سے بجلی بھی پیدا کرتا ہے) یوں لگتا ہے کہ اس (بادل) کی بجلی کی چمک آنکھوں (کو خیرہ کر کے ان) کی بینائی اچک لے جائے گی۔ (النور : ۴۳)

• اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۖ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر وہ اس (بادل) کو فضائے آسمانی میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے پھر اسے (متفرق) ٹکڑے (کر کے تہ بہ تہ) کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اس کے درمیان سے نکلتی ہے ، پھر جب اس (بارش) کو اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے تو وہ فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔

(الروم : ۴۸)

ان آیات کریمہ میں لفظ سمآء کا استعمال زمین کے کرہ ہوائی یعنی Atmosphere کی ان تہوں کے لیے ہوا ہے جن میں بادل معلق ہوتے ہیں۔ نیز بادلوں کی بناوٹ اور ان کی مختلف تہوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے، جو سمندروں سے چل کر خشکی پر برستے ہیں اور زمینی حیات کی سیرابی کا باعث بنتے ہیں۔ (دیکھیں سورۃ الذاریات، آیت ۱ تا ۴)

3. بارش :

اب بارش چونکہ بادلوں سے ہی پیدا ہوتی ہے، اس لیے بادل اور بادلوں کی فضا یعنی Atmosphere کے علاوہ بھی لفظ اسمآء کا استعمال قرآن مجید میں براہ راست بارش ہی کے معنی میں بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ

• أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کردیا جنہیں ہم نے زمین میں اقتدار دیا تھا کہ ایسا اقتدار تمہیں بھی نہیں دیا اور ہم نے ان پر لگا تار برسنے والی بارش بھیجی اور ہم نے ان (کے مکانات و محلّات) کے نیچے سے نہریں بہائیں پھر (اتنی پُرعشرت زندگی دینے کے باوجود) ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں ہلاک کردیا اور ان کے بعد ہم نے دوسری اُمتوں کو پیدا کیا۔ (الانعام : ۶)

• وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ

اور اے لوگو! تم اپنے رب سے (گناہوں کی) بخشش مانگو پھر اس کی جناب میں (صدقِ دل سے) رجوع کرو وہ تم پر آسمان سے موسلادھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بنتے ہوئے اس سے روگردانی نہ کرنا۔ (ھود : ۵۲)

اس آیت حکیمہ میں بارش کو سما کہا گیا ہے

اب اسے پڑھتے ہوئے بعض قارئین کرام کے ذہنوں میں یہ سوال ابھرے گا کہ یہاں اس سے مراد بادل بھی تو ہو سکتا ہے لیکن یہاں سمآء کے مروّجہ معنی آسمان کسی صورت میں بھی مراد نہیں لیے جا سکتے کیونکہ آسمان تو کبھی برستا ہی نہیں، ہمیشہ بارش ہی برستی ہے۔

4. کرہ ہوائی :

قرآن مجید میں لفظ سماع کا استعمال زمین کے گرد لپٹے کرہ ہوائی کے لیے بھی ہوا ہے۔ پرندے زمین کی فضا میں اس سطح سے کچھ بلندی پر اڑتے ہیں، زمینی فضاء کی وہ بلندی جہاں پر پرندوں کی عام پرواز ہوتی ہے، قرآن مجید میں اسے بھی سمآء کہا گیا ہے۔ جس کا ذکر درجہ بالا آیت کریمہ یعنی سورۃ طور کی آیت ۵ پہ ذکر ہو رہا ہے، مثال کے طور پر

- أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی ہوا میں (قانونِ حرکت و پرواز کے) پابند (ہو کر اڑتے رہتے) ہیں، انہیں اللہ کے (قانون کے) سوا کوئی چیز تھامے ہوئے نہیں ہے، بیشک اس (پرواز کے اصول) میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (النحل : ۷۹)

5. گھر کی چھت :

فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ
پس اسے چاہیئے کہ گھر کی چھت سے رای باندھ کر لٹک جائے۔
(حج : ۱۵)
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ
اور (قسم ہے) اونچی چھت کی (طور : ۵)

ان دونوں آیات میں سمآء لفظ کسی چھت نما چیز کیلئے استعمال کیا گیا، جو کہ گھر کی چھت بھی ہے اور آسمان پر نظر آنے والی نیلی چھتری بھی۔

6. سماوی کائنات :

لفظ سمآء کو اللہ رب العزت نے اپنے کلام مجید میں کروڑوں اربوں نوری سال کے مسافت میں بکھری ناقابل احصاء و شمار کہکشاؤں کے سلسلوں پر مشتمل تمام کائنات کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ تخلیق کائنات کے وقت ہر طرف جو دکھانی کیفیت (gaseous state) موجود تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (۱۱) فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (۱۲)

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھواں تھا تو اس نے (اس طرح کے) آسمان اور زمین سے کہا کہ وجود میں آجاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، دونوں نے کہا ہم فرمانبرداروں کی طرح آگئے۔ پھر اس نے آسمان کو دو دنوں میں سات آسمان بنا دیا، اور ہر آسمان میں اس سے متعلق حکم جاری فرما دیا، اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کردیا، اور ان کے ذریعہ اس کی حفاظت کردی، یہ تدبیر و انتظام اس اللہ کا ہے جو زبردست، دانا ہے۔ (فصلت : ۱۱،۱۲)

اس آیت مبارکہ میں بالائی کائنات کو سمآء کہا گیا ہے۔ توجہ طلب نقطہ یہ ہے کہ اس مقام پر بات اس وقت کی ہو رہی ہے جب ابھی سات آسمان نہیں بنے تھے، یہاں جس شے کو سمآء کہا گیا ہے، وہ سات آسمانوں کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھی۔ جس حالت میں سات آسمانوں کی تخلیق عمل میں آئی اسے بھی قران نے سمآء سے تعبیر کیا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے لفظ سمآء کو جملہ سماوی کائنات کے معنی میں استعمال کرتے ہوئے فرمایا

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا (۶۱)

بابرکت ہے وہ جس نے آسمان (آسمانی کائنات) میں (کہکشاؤں کی شکل میں) برج بنائے اور اس میں (سورج کو روشنی اور تپش دینے والا) چراغ بنایا اور (اسی کی روشنی سے) منور مہتاب بھی۔ (الفرقان : ۶۱)

قرآن مجید سے آسمان کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ یہ کوئی ایسا ٹھوس اور جامد جسم نہیں جس کے آر پار

جانا ممکن نہ ہو جیسا کہ قدیم فلاسفہ کا خیال تھا اور ان کے زیر اثر ہمارے بعض علماء نے بھی یہی تصور کر لیا۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (١١) فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (١٢)

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھواں تھا تو اس نے (اس طرح کے) آسمان اور زمین سے کہا کہ وجود میں آجاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، دونوں نے کہا ہم فرمانبرداروں کی طرح آگئے۔ پھر اس نے آسمان کو دو دنوں میں سات آسمان بنا دیا، اور ہر آسمان میں اس سے متعلق حکم جاری فرما دیا، اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کردیا، اور ان کے ذریعہ اس کی حفاظت کردی، یہ تدبیر و انتظام اس اللہ کا ہے جو زبردست، دانا ہے۔ (فصلت : ١١،١٢)

ان آیات کریمہ اور ان کے سیاق و سباق سے درجہ ذیل امور سامنے اتے ہیں :

- عالم سمآء ابتداءً دھواں تھا (cloud of hot gases)
- اس عالم سمآء کو سات محکم طبقات میں تقسیم کیا گیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۖ مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ

جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ (تو اسے دیکھنے والے) اللہ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے۔ (الملک : ۳)

سات کا عدد خاص بھی ہو سکتا ہے اور لغت عرب کے قاعدے کے مطابق اس سے محض عددی کثرت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

• تمام ستارے اور سیارے مثلا چاند، سورج اور دیگر اجرام فلکی، جو عالم افلاک میں چراغوں کی مانند چمک رہے ہیں، پہلے طبقہ آسمانی میں موجود ہیں۔ ان کا مدار آسمان دنیا کے نیچے ہی ہے، کوئی ستارہ یا سیارہ پہلے آسمان سے اوپر نہیں، یہ تمام سیارگان فلکی باری تعالی کے حکم اور اس کی تعبیر کے مطابق محوِگردش ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ

اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ (الاعراف : ۵۴)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ

وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔ (الانبیاء : ۳۳)

کائنات کی حدود اس نوعیت کی نہیں کہ انہیں چھوا نہ جا سکے یا ان کے ار پار جانا ناممکن ہو۔ قرآن و حدیث سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں کہ انسان آسمانوں کے پار نہیں جا سکتا، بلکہ اس کا عقلی و شرعی امکان خود قرآن سے یوں ثابت ہے۔ اللہ رب العزت نے جنوں کے ساتھ انسانوں کو بھی مخاطب کیا اور فرمایا

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا ۚ لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ

اے گروہ جنات و انسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین میں کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو! بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے۔ (الرحمٰن : ۳۳)

اسی آیت کریمہ کے مفہوم کا ایک مفاد یہ ہے کہ انسان زمین و آسمان کے کناروں سے تو باہر نکل سکتا ہے، مگر اللہ تعالی کے حکمرانی کی حدود سے نہیں نکل سکتا۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ﴿۶﴾

اور بھڑکائے جانے والے سمندر کی

تفسیر :

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسے سمندر کی قسم یاد فرمائی جو لبالب بھرا ہوا ہے، لبریز ہے اور پھر اسے بھرکا دیا گیا ہے یا بھرکا دیا جائے گا۔ اس مراد قرب قیامت کا وہ منظر ہے کہ جب آبی سمندروں کو آتشی سمندروں میں تبدیل کردیا جائے گا۔

پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مجموعہ ہے۔ ہائیڈروجن خود آتش گیر گیس ہے اور آکسیجن ہائیڈروجن کو بھڑکانے میں مدد دیتی ہے۔ جب یہ دونوں کیمیائی عمل سے ملائی جاتی ہیں تو جو پانی حاصل ہوتا ہے، وہ ان دو گیسوں کے بالکل برعکس آگ کو فوراً بجھا دیتا ہے۔ قیامت کے دن سمندروں کے پانی کو پھر سے انہی دو گیسوں میں تبدیل کر دیا جائے گا اور اللہ کے حکم سے سمندروں میں آگ بھڑك اُٹھے گی۔ جیسا کہ سورۃ التکویر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (۶)

اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔ (التکویر : ۶)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ ﴿۸﴾

یقیناً آپ کے رب کا عذاب ضرور آنے والا ہے۔ جسے کوئی دور کرنے والا نہیں

تفسیر :

سورۃ الذاریات کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ جس دن کا کفار سے وعدہ کیا جاتا ہے اس دن ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہوگی۔
مذکورہ بالا پانچ چیزوں کی قسمیں کھاتے ہوئے یا انہیں بطور شہادت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی مظہر ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کا وہ عذاب بھی یقیناً واقع ہو کر رہے گا، جس کا اس نے وعدہ کیا ہے۔ اسے کوئی ٹالنے پر قادر نہیں ہو گا۔

اس کی ہلاکت اور عذاب کو کفار بھی ٹال نہیں سکتے، وہ عذاب کا دن ضرور آئے گا، یہاں اس سے مراد قیامت ہے۔

جس دن مجرموں کو عذاب دیا جائے گا اس کا آغاز اس طرح ہوگا کہ آسمان کپکپانے لگے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہلنا شروع ہوجائیں گے۔ جو اس دن کو جھٹلاتا ہے اس کے لیے ہلاکت ہوگی۔ قیامت کے دن جونہی اسرافیل صور پھونکیں گے تو زمین میں زلزلے رونما ہوں گے اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہلنا شروع ہو جائیں گے اور آسمان اس طرح تیزی کے ساتھ ہلنا اور جھولنا شروع ہوگا کہ بالآخر نیچے گر پڑے گا۔ بلآخر قیامت کی ہولناکیوں کے بعد جب سیدنا اسرافیل نفخہ حیات پھونکیں گے تو سب جاندار میدان عرفات کی طرف بھاگیں گے اور پھر ادھر انہیں انکے اعمال حسنہ اور اعمال خبیثہ کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اس دن ندا کی جائے گی کہ اگر کوئی

اتنی طاقت رکھتا ہے کہ وہ خدا کی سلطنت سے بھاگ سکتا ہے تو بھاگ جائے، خدا کی پکڑ بہت سخت ہے اور یہ سختیاں اور عذاب انکے اعمال خبیثہ اور شرک و بدعت اور ہٹ دھرمیوں کے باعث ہوگا، اس دن کوئی بھی سفارش یا رشوتیں کام نہ آئیں گی۔ بچت صرف اس صورت میں ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو معبود برحق اور شرک سے پاک مان لیا جائے اور رسالت مآبﷺ کو دل سے تسلیم کرلیا جائے اور اللہ اور اس کے رسولﷺ کے احکامات و ہدایات اور ممنوعات کے سامنے سر تسلیم خم کردیا جائے، تاکہ اس روز ہم خدائے ذوالجلال والاکرام ہم پر رحم و کرم کی نظر کریں اور رسول اللہﷺ ہماری شفاعت فرمائیں اور اپنے دست شفقت سے ہمیں آب کوثر پینے کا شرف عطا فرمائیں۔

يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ﴿٩﴾ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾

وہ اس دن واقع ہوگا جب آسمان بری طرح حرکت کرنے لگے گا۔ اور پہاڑ اڑتے پھریں گے۔

تفسیر :

ان آیات بینات میں رب ذوالجلال والاکرام نے قیامت کے انعقاد کے متعلق فرمایا کہ اس دن جب آسمان کانپنے لگے گا اور پہاڑ ریت کے بھربھروں کی مانند، یعنی مکمل طور پر ذرہ ذرہ ہو جائیں گے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر کائنات کے تجاذبی انہدام (Gravitational collapse of the universe) کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید قیامت کے

انعقاد کے ضمن میں کائنات کے کششی دھماکے(gravitational explosions) سے رونما ہونے والی کیفیات و حالات اور بے تحاشا تباہیوں کو یوں بیان کرتا ہے کہ

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (١) لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (٢) خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ (٣) إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا (۴) وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۵) فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنبَثًّا (۶)

جب قیامت قائم ہوجائے گی۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی۔ جبکہ زمین زلزلہ کے ساتھ کپکپا کر لرزنے لگے گی۔ اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے۔پھر وہ مثل پراگندہ غبار کے (اڑنے لگے) گے۔ (الواقعہ : ١-۶)

وْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا (١۴)

جس دن زمین اور پہاڑ تھر تھرائیں گے اور پہاڑ مثل بھربھری ریت کے ٹیلوں کے ہوجائیں گے (اور اڑ جائیں گے)۔ (المزمل : ١۴)

السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا (١٨)

جس دن آسمان پھٹ جائے گا، اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو کر ہی رہے گا۔ (المزمل : ١٨)

وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً (١۴) فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (١۵) وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ (١۶)

اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے اور یکبارگی کے ساتھ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے۔ اس دن واقع ہوجانے والی (قیامت) واقع

ہوجائے گی۔ اور آسمان پھٹ پڑے گا، وہ اس دن کمزور بھر بھرا ہوجائے گا۔

(الحاقہ : ۱۴-۱۶)

وْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ (٧) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (٨)

جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کے مانند ہوجائے گا۔ اور پہاڑ رنگ دار دھنی ہوئی اون کی طرح ہوجائیں گے۔ (المعارج : ۷-۸)

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (١) وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ (٢) وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (٣)

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب تارے (تجاذبی انہدام سے) بے نور ہوجائیں گے۔ اور جب پہاڑ (غبار بنا کر) چلائے جائیں گے۔

(التکویر : ۱-۳)

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ (١) وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ (٢) وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ (٣)

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور ستارے بکھر کر گر پڑیں گے۔ اور جب سمندرپوری شدت کے ساتھ بہ پڑیں گے۔ (الانفطار : ۱-۳)

وَخَسَفَ الْقَمَرُ (٨) وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (٩)

اور چاند بے نور ہوجائے گا۔ چاند اور سورج ایک جیسی حالت پر جمع کردیے جائیں گے۔ (القیامہ : ۸-۹)

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ (٨) وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ (٩) وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (١٠)

پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے۔ اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کرکے اڑا دیئے جائیں گے۔ (المرسلات : ۸-۱۰)

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا (۱۹) وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۲۰)

اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا اور وہ دروازے ہی دروازے بن کررہ جائے گا۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے حتی کہ وہ سراب بن جائیں۔ (النباء : ۱۹،۲۰)

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ (۱۱)

اور جب آسمان کو پھاڑ کر اپنی جگہوں سے ہٹا دیا جائے گا۔

(التکویر : ۱۱)

وْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (۱۰۴)

جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ لیں گے جیسے دفتر میں اوراق لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ (الانبیاء : ۱۰۴)

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا (۲۱)

ہرگز نہیں جب زمین ریزہ ریزہ توڑی جائے گی۔ (الفجر : ۲۱)

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (۶۷)

اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان

اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں۔ (الزمر : ۶۷)

کائنات کے قیامت خیز انہدام کے بارے میں جدید سائنسی تحقیقات اور علوم قرآنیہ کے مابین ناقابل تصور یگانگت اور مطابقت دیکھنے کو ملتی ہے۔ فلکی طبیعیات (astrophysics) قیامت سے متعلقہ امور کو بالکل اسی طرح واضح کرتی ہے، جس طرح انہیں قران مجید نے مذکورہ بالا آیات میں بیان کیا ہے۔

انحام کائنات سے متعلقہ سائنسی تحقیقات ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہیں کہ ہماری مادی کائنات، جس کا آغاز آج سے کم و بیش ۱۵ ارب سال قبل، بگ بینگ کی صورت میں ہوا تھا۔ اس کا انجام آج سے تقریباً ۶۵ ارب سال بعد کائنات کے آخری عظیم دھماکے بگ کرنچ پر ہوگا۔

سائنس ہمیں مزید یہ بتاتی ہے کہ ایک وقت ایسا بھی ائے گا، جب ہماری پھیلتی ہوئی کائنات اپنی نصف عمر گزار لینے کے بعد کشش باہمی کی وجہ سے سکراؤ کا شکار ہو جائے گی۔ باہر کو پھیلتی ہوئی کہکشاؤں کی رفتار کم ہو جائے گی، حتی کہ وہ رک جائیں گی اور پھر مرکز کی سمت اندرونی انعام کا شکار ہو جائیں گی اور آپس میں ٹکرا کر مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گی۔ یہ ٹکراؤ یعنی بھی کرنچ بگ بینگ جیسے انتہائی عظیم اولین دھماکے کی طرح ہوگا، تمام اجرام سماوی کا مادہ سیاہ شگاف میں جا گرے گا اور کائنات کے تمام ہائیڈروجن اور ہیلیم ستاروں کی تھرمونیوکلائی آگ میں جل کر ختم ہو جائیں گی۔ کوئی نیا ستارہ پیدا نہیں ہوگا اور کائنات مردہ

ستاروں اور شہابیوں اور چٹانوں اور انہی جیسے دوسرے کائناتی ملبے پر مشتمل ہوگی۔ جب کائنات کی عمر 10^{27} سال ہو جائے گی، تو وہ بکثرت ایسے سیاہ شگافوں پر مشتمل ہو جائے گی، جو مردہ ستاروں کے جھرمٹ میں گرے ہوئے ہوں گے۔ کچھ عرصہ مزید گزرنے کے بعد تمام کہکشائیں گھومتی ہوئی ایک دوسرے کی طرف آئیں گی اور آپس میں ٹکراتے ہوئے بریک کائنات سیاہ شگافوں پر منتج ہوگی۔

ایک اندازے کے مطابق تباہی و بربادی کا یہ عمل آج سے ۶۵ ارب سال بعد شروع ہوگا اور 10^{140} سال بعد مکمل ہوگا۔ (اسلام اور جدید سائنس از شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)



” کہ جب سورج کو لپیٹ لیا جائے گا “ کی خیالی تصویر

فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۱﴾

اس دن کو جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔

تفسیر :

قیامت جیسی حقیقت، جو دینی طور تو مسلمہ تھی ہی، اب اسے سائنس نے بھی مسلمہ قرار دے دیا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ کائنات کے انہدام کے بارے میں جدید سائنسی تحقیقات اور علوم قرآنیہ کے مابین ناقابل تصور یگانگت اور مطابقت دیکھنے کو ملتی ہے۔ فلکی طبیعات قیامت سے متعلقہ امور کو بالکل اسی طرح واضح کرتی ہے جس طرح انہیں قران مجید نے بیان کیا۔ تو اگر اب بھی کوئی اس واضح حقیقت کا انکار کرے تو وہ شخص سراسر ضد اور ہٹ دھرمی پر اترا ہوا جاہل ہے، جو کہ اپنے اس عمل سے طاغوت کو خوش کرتا ہے اور جانے انجانے میں اس کی پرستش بھی۔ جی، یہاں میں بات کر رہا ہوں ملحدین کے متعلق۔ بظاہر تو ان افراد کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کسی خدا کو نہیں مانتے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ طاغوت کو اپنا آقا و مولا بنائے بیٹھے ہیں اور طاغوت نے انکی عقلوں پر ایسے موٹی چادر کے پردے لٹکا دیے ہیں کہ یہ واضح حقائق کو بھی جھٹلا دیتے ہیں۔ تو ایسے افراد کیلئے بہت خرابی ہے اس دن جب آسمان پھٹ جائے اور پہاڑ ریت کے بھربھروں کی مانند اڑا دیے جائیں گے، یعنی قیامت قائم ہو جائے گی، پھر یہ لوگ جس حقیقت سے اعراض کیا کرتے تھے، یہ لوگ اسے اپنے سامنے پا لیں گے اور خود پکار اٹھیں گے کہ ہائے ! آج میری بربادیوں کا افتتاح ہوگیا ! ۔

الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٤﴾ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿١٥﴾ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

جو لوگ شغل کے طور پر لگے ہوئے ہیں۔ جس دن انہیں (سخت) دھکے مار مار کر آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ تو کیا یہ جادو ہے، یا تمہیں کچھ نظر آتا ہی نہیں۔ تم سب اس میں جھلستے رہو، اور صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے لئے برابر ہے، جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے اسی کا تمہیں بدلہ دیا جا رہا ہے۔

تفسیر :

جتنے بھی شغل خور قیامت کے بارے میں طنز و مزاح کرتے ہیں، چاہے وہ آج کے دور کے داہریے/ملحد/ناستک ہوں یا پھر رسالت مآبﷺ کے زمانے کے جہلاء، کہ جن کے سامنے جب بھی قیامت اور عذاب الٰہی کی بات کی جاتی تو شغل خوری کرتے اور کوئی دلیل سے رد نہ کرتے۔ حالانکہ انہوں نے عذاب الٰہی کے trailer بہت اچھے سے دیکھ لیے تھے، جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ

سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے ان سے کہا کیا محمد تم لوگوں کے سامنے اپنا چہرہ زمین پر رکھتے ہیں؟ (یعنی کیا تم نے رسول اللہﷺ کو نماز میں سجدہ کرتے دیکھا)۔ سیدنا ابو ہریرہ عنہ نے کہا ہاں، چنانچہ ابوجہل کہنے لگا لات اور عزیٰ کی قسم ! اگر میں نے ان کو ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو میں ان کی گردن کو روند ڈالوں گا یا ان کے چہرے کو مٹی میں ملاؤں گا (العیاذ باللہ) پھر جب رسول اللہﷺ نماز پڑھ رہے تھے وہ آپ کے پاس آیا اور یہ ارادہ کیا

کہ آپ کی گردن مبارک کو روندے گا۔ سیدنا ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابو جہل (رسول اللہﷺ کی طرف غلط ارادے سے بڑھنے کے بعد پلٹا اور) اچانک ایڑیوں کے بل پلٹتا ہوا اور اپنے دونوں ہاتھوں (کو آگے کر کے ان) سے اپنا بچاؤ کرتا ہوا پیچھے کی طرف رسول اللہﷺ سے دور ہورہا ہے۔ تو سیدنا ابو ہریرہ نے اس سے کہا کیا تمھیں کیا ہوا ؟ تو ابوجہل نے کہا میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خندق اور سخت خوف پیدا کرنے والی مخلوق، جس کے بہت سے پر تھے، وہ حائل ہوگئی تھی۔ تو رسول اللہﷺ نے فرمایا اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ایک ایک عضو کو اُچک لیتے۔ (صحیح مسلم : ۷۰۶۵)

بات یہ میں بتا رہا تھا کہ حق تک تمام افراد پہنچ جاتے ہیں، کسی کو کوئی بات سمجھ آجاتی ہے تو کسی تو کسی کو کوئی۔ خدا نے تمام بنی نوع انسان پر حق واضح کرکے دلوں تک بھی پہنچایا، لیکن اسے قبول کرنے کا یا رد کرنے کا اختیار جن و انس کے ہاتھ میں دے دیا۔ ابوجہل کو عذاب کی جھلکی دکھا کر اور ملحدین کو مَعْرِفَةُ عِلْمِيَّة کے ذریعے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ

انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ (۴۶)

دیکھو ہم کیسے کیسے مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر بھی یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں۔ (الانعام : ۴۶)

لیکن جب ان لوگوں کو حق کی پہچان ہو جائے اور اس کے بعد بھی یہ لوگ نہ مانیں، ماننا تو دور، یہ لوگ آگے سے طنز و مزاح کریں یا شغل خوری کریں اور شعائر اللہ کو جھٹلائیں تو ایسے افراد کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ کی ان آیات میں فرمایا کہ اگر تم نے نہیں ماننا تو نہ مانو لیکن پھر جس دن تمام بنی نوع انسان کے اعمال و افعال کا حساب ہوگا، تو اس دن تمہاری اس ہٹ دھرمی کا جواب ہم دیں گے۔ اس دن انہیں ذلت اور سختی کے ساتھ دھکے مار مار دوزخ کے نزدیک لایا جائے گا اور انہیں فرشتے جہنم واصل کرنے سے قبل طنز کرتے ہوئے پوچھیں گے کہ کیا یہ وہی آگ نہیں جسکے متعلق تو گپ اڑایا کرتا تھا ؟ کیا یہ وہی عذاب تو نہیں جس کے متعلق تو اکڑ کے کہا کرتا تھا کہ اگر عذاب سچ میں ہے تو اپنے خدا سے کہو مجھ پر برسائے۔ اگر یہ وہ عذاب نہیں تو اور کیا ہے ؟ کیا یہ جادو ہے ؟ نظر کا دھوکا ہے ؟ یا پھر تم نے اپنی بینائی کھو دی ہے ؟ آج تم اس نارِ جہنم کا ٹھٹھہ کیوں نہیں اڑاتے ؟ پس پھر انہیں جہنم میں اوندھے منہ پھینکتے ہوئے کہا جائے گا کہ تم اپنی کرتوتوں کے سبب اس آگ میں جھلستے رہو۔ مجرمین اور منکرین اس عذاب کی شدت سے تڑپیں گے اور چیکھیں گے، چلائیں گے لیکن ان سے کہا جائے گا تم اس آگ کی تپش کو برداشت کرو یا نہ کرو، اس سزا پر صبر کرو یا نہ کرو، اب یہ آتشِ جہنم ہی تمہارا مقدر ہے۔ اب تمہاری کوئی معافی قابل قبول نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے، یہ سب تمہارے اپنے اعمال و افعال کا نتیجہ ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾

بے شک متقین جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔

تفسیر :

جیسا کہ پہلے ہم نے پڑھا، ایک طرف جہنمی اپنے کیے کی سزا پا رہے ہوں گے اور دوسری طرف جنتی جنت میں انعامات سے سرفراز ہوتے رہیں گے۔ جنتی کو حکم ہوگا کہ اپنے نیک اعمال کے بدلے میں کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ۔ ان آیات حکیمہ میں بنی نوع انسان کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دونوں طرح سے نصیحت کی گئی، یوم محشر کی ہولناکیوں اور عذاب سے خوف دلا کر اور جنت کی نعمات و بخششات کے زکر سے ان کی طلب پیدا کرکے۔ یہاں جنتیوں کی ایک صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ متقی ہوں گے، یعنی رب ذوالجلال والاکرام سے ڈرنے والے اور اس ذات اکبر کے خوف سے اپنی اعمال و افعال کو سنوارنے والے۔ ان متقین کے اعمال و افعال عکاس ہوتے انکے خوف خدا کے۔ ہر معاملے میں اللہ رب العزت اور اسکے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کے احکامات و ہدایات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انجام دیتے ہیں، عام لفظوں میں کہیں تو جب خدا کا حکم آگیا تو فوراً اس سے ہٹ گئے، متقین کی بہترین قرآن و حدیث نے خود بیان فرمائی ہے۔

وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (٢٨٥)

(صحیح اہل ایمان کہتے ہیں کہ) ہم نے (اللہ کے احکام) سنے اور ہم نے (ان کی) اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور ہمیں تیری طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ (البقرہ : ۲۸۵)

متقین حضرات جیسے ہی قرآن و حدیث کو سنتے ہیں تو بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں "سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا" کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ متقین آگے سے حیلے بہانوں میں نہیں پڑتے اور نہ ہی اپنی عقل ہے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ اسکی بہترین مثال ایک روایت میں آتی ہے کہ

سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر دین رائے اور قیاس پر مبنی ہوتا تو موزوں کا نیچے والا حصہ اوپر والے کی بہ نسبت مسح کا زیادہ مستحق ہوتا، مگر میں نے رسول اللہﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اپنے موزوں کے اوپر ہی مسح کیا کرتے تھے۔

)سنن الدارمی : ۷۴۲) (سنن ابو داؤد : ۱۶۲)

تو ایسے افراد جن کی دلی کیفیات ایمان کے ایسے عروج پر ہوں کہ ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام کرتے ہوئے سوچیں کہ اس کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہے یا نہیں۔ ایسے افراد کو صحیح والا متقی کہا جاتا ہے اور انکے لیے اس آیت مبارکہ میں جنت اور جنتی نعمات کی بشارت ہے۔

فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿۱۸﴾

ان کا رب انہیں جو نعمتیں دے گا ان سے لطف اندوز ہوں گے، اور ان کا رب انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لے گا۔

تفسیر :

ان سب جنتی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے زکر سے قبل ایک اس سے بھی نعمت کا تذکرہ ہمیں اس آیت سے ملتا ہے۔ جنت میں پرہیز گاروں کے داخلہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان، کہ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیا جائے گا، سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی الگ نعمت ہے اور دوزخ کے عذاب سے بچا لینا الگ نعمت ہے کیونکہ کوئی بھی شخص جنت میں اپنے اعمال و افعال کے بل بوتے پر داخلہ حاصل نہیں کرسکتا کہ جب تک رحمت خداوندی اسے اپنے حصار میں نہ لے لے۔ جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں آتا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے (ایک مجمع میں صحابہ سے) فرمایا کہ حقیقت یہی ہے کہ کسی کو اس کا عمل ہرگز جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہﷺ ! آپ کو بھی نہیں ؟ تو نبی الرحمۃ نے فرمایا مجھے بھی نہیں، الا یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور جان رکھو کہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے ، چاہے کم ہو۔ (صحیح مسلم : ۲۸۱۸)

اور صحیح بخاری شریف میں آتا ہے کہ سیدنا ابوھریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کر سکے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ ! آپ کا بھی نہیں ؟ آپﷺ نے فرمایا نہیں! ، میرا بھی نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے مجھے نوازے اس لیے (عمل میں) میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب چلو اور تم میں کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ یا وہ نیک ہو گا تو امید ہے کہ اس کے اعمال میں اور اضافہ ہو جائے اور اگر وہ برا ہے تو ممکن ہے وہ توبہ ہی کر لے۔ (صحیح بخاری : ۵۶۷۳)

یہاں میں ایک نقطہ بیان کرتا چلوں کہ قرآن مجید و حکیم میں عذاب اور اس سے متعلقہ الفاظ کی تعداد ۱۱۷ ہے، جبکہ لفظ مغفرت اس سے دوگنا بار آیا ہے یعنی ۲۳۴ مرتبہ۔ سبحان اللہ

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿۲۰﴾

(ان سے کہا جائے گا) تم لوگ دنیا میں جو نیک اعمال کرتے تھے ان کے بدلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔ وہ ایک دوسرے سے ملے قطار میں بچھے تختوں پر ٹیک لگائے ہوں گے، اور ہم ان کی شادی کشادہ اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے کردیں گے۔

تفسیر :

جنتیوں کو جنت میں داخلے کے بعد کہا جائے گا کہ یہ سب بدلہ ہے اس ان اعمال و افعال کا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے، دنیاوی عیش و عشرت اور لذتوں کو انہوں نے آخروی زندگی کیلئے ترک کردیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکامات کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا تو اب جنت میں ان کے لیے لذیذ کھانے، دلکش مشروبات، نہایت خوبصورت اور پاکیزہ حوریں، بڑے بڑے محلات مختصر انداز میں بیان کیا جائے تو ان جنتیوں کے مزے ہی مزے ہوں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿۲۱﴾

اور جو لوگ ایمان لائے، اور ان کی اولاد نے ایمان لا کر راہ راست پر چلنے میں ان کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) ان سے ملا دیں گے، اور ان کے نیک اعمال میں ہم کوئی کمی نہیں کریں گے، ہر آدمی اپنے عمل کے بدلے گروی ہوگا۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں رب کریم نے دو باتیں ارشاد فرمائی، ایک یہ کہ اور جو لوگ ایمان لائے، اور ان کی اولاد نے ایمان لا کر راہ راست پر چلنے میں ان کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو جنت میں ان سے ملا دیں گے یعنی والدین نیک اور پرہیزگار تھے۔ اولاد نے اپنے والدین کی پیروی کی کوشش تو کی مگر نیکی اور پرہیزگاری میں اس درجہ تک نہ پہنچے جو والدین کا درجہ تھا تو اللہ تعالیٰ اولاد پر یہ مہربانی فرمائیں گے کہ ان کو بھی ان کے والدین کے درجہ تک پہنچا کر جنت میں ان کے والدین کے ساتھ ملا دیں گے تاکہ والدین اور اولاد جیسے دنیا میں اکٹھے رہے تھے جنت میں بھی اکٹھے رہ سکیں اور والدین اور اولاد دونوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ اس سلسلہ میں یہ نہ ہوگا کہ کچھ والدین کا کچھ درجہ کم کردیا اور کچھ اولاد کا کچھ بڑھا دیا اور دونوں کو ایک درمیانی درجہ کے مقام میں جنت میں ملا دیا بلکہ اولاد کا درجہ ہی بڑھایا جائے گا والدین کا کم نہیں کیا جائے گا۔

اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ ہر آدمی اپنے عمل کے بدلے گروی ہوگا یعنی ہر شخص پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتیں قرض ہیں اور اس کے بدلے انسان کا نفس اللہ تعالیٰ کے پاس بطور رہن یا مرہونہ چیز ہے۔ قرض کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ اس کے احکام کی تعمیل کرے اور اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرے۔ جس شخص نے یہ قرض ادا کردیا اس کا نفس عذاب جہنم سے آزاد ہوگیا۔ وہ کامیاب

ہوگیا' اور بچ نکلا اور جس نے یہ قرض ادا نہ کیا اس کا نفس پہلے ہی اللہ کے پاس رہن رکھا ہوا ہے۔ اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ جنت محض اللہ کے فضل سے ملے گی۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کی نیکی دوسرے کے نفس کو نہ رہا کرا سکے گی اور نہ عذاب جہنم سے بچا سکے گی۔ (تفسیر تیسیر القرآن)

وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾

اور ہم انہیں ان کی رغبت و خواہش کے مطابق خوب میوے اور گوشت دیں گے۔ وہاں وہ لوگ بڑھ کر ایک دوسرے سے شراب کے پیالے لیں گے، جس کے زیر اثر نہ وہ بے ہودہ گوئی کریں گے، نہ ہی کوئی گناہ۔ اور ان کے سامنے سے ان کے لئے خاص کئے گئے خدمت گذار لڑکے گذرتے رہیں گے، جو سیپ میں بند موتیوں کے مانند خوبصورت ہوں گے۔

تفسیر :

ان آیات کریمہ میں جنتیوں کیلیے اللہ تعالیٰ جن نعمات کا اہتمام فرمائیں گے، اس کا تزکرہ ہے، جن کا سادہ سا مطلب پہلے بھی بیان کیا کہ ان جنتیوں کیلیے وہاں مزے ہی مزے ہوں گے، جس چیز کی

طلب کریں گے بلکل عین وقت انہیں انکی مرضی کے مطابق عطا کردی جائے گی۔

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾

اور وہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے آکر حالات دریافت کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہم لوگ اس اخروی زندگی سے پہلے، اپنے بال بچوں میں عذاب آخرت سے ڈرتے رہتے تھے۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں آتا ہے کہ جنتی جنت میں محافل و مجالس سجایا کریں گے، گفت و شنید فرمائیں گے جیسے کہ دنیا میں اچھے دوست مل بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں بلکل ایسے ہی جنتی دوست بھی دنیا میں بیتے ہوئے ایام کی یاد تازہ کرنا چاہیں گے اور کہیں گے ہمیں تو ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا تھا کہ ہم سے کوئی ایسا فعل سر زد ہوجائے جس کی پاداش میں اللہ کے حضور ہماری جواب طلبی اور گرفت ہوجائے، اور گھر والوں کا ذکر اس لیے کریں گے کہ انسان دنیا میں بہت سے گناہ کے کام محض اہل و عیال کی خاطر کرتا ہے۔ مال و دولت کی ہوس کی وجہ سے اسے مال کمانے میں حرام و حلال کی تمیز نہیں رہتی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر آتا ہے کہ

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (١٥)

تمہارا مال اور اولاد صرف فتنہ (یعنی آزمائش ہیں) اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔ (التغابن : ١٥)

مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾

تو ہم پر اللہ نے احسان کیا، اور ہمیں بدن کو جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچا لیا۔ ہم لوگ اس سے پہلے اسی کو پکارتے تھے، وہ بے شک بڑا احسان کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر :

جیسا کہ ہم نے اسی سورۃ مبارکہ کی آیت نمبر ١٨ میں پڑھا کہ جنت میں داخلے میں اہل بہشت کا اپنا کوئی کمال نہیں، یہ سب رحمت خداوندی کی چھاؤں سے ہے اور اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ رحمت خداوندی کی چھاؤں ہی سے انہوں نے اپنی زندگیوں میں اچھے اعمال کیے اور پھر جنت میں داخلے کیلئے بھی رحمت خداوندی کے محتاج رہے۔ اپنے اس سفر کا تزکرہ کرتے ہوئے جنتی آپس میں کہیں گے کہ یہ تو خدا کا احسان ہے ہم پر کہ ہمارے ایسے ایسے اعمال و کردار کے باوجود جنت میں داخل کردیا۔ یہی ان جنتیوں کی عاجزی و انکساری ہوگی جو خدا کو پسند آئے گی کہ وہ تمام کی تمام

اچھائیوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور تمام تر خامیوں کو خود کی طرف، اور سچائی بھی یہی ہے لیکن انسان اسی کا اقرار نہیں کرتا۔ جنتی مزید کہیں گے کہ ہم اپنی دنیاوی زندگیوں میں اسی وحدہ لا شریک کو پکارا کرتے تھے، اس کے ساتھ شرک نہیں کیا کرتے تھے۔ جب بھی شرک کی بات ہوتی ہے تو دل دکھتا ہے کہ کیسے کیسے آج کے ہمارے مسلمان بھائیوں نے ہی شرک کے چور دروازے گھڑ لیے ہیں کہ مشرکینِ مکہ بھی دیکھ کر شرمائیں۔ عقیدہ شفاعت اور غیر اللہ سے توسل اور استعانت کے ایسے ایسے حیلے بہانے تلاش کرلیے اور پھر آگے سے انکی دلیلیں، **سبحان اللہ ! سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ !** بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اس شرک سے جو کہ یہ جاہل مشرک اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ تو بہت زیادہ احسان اور رحم فرمانے والا ہے۔

فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾

پس آپ نصیحت کرتے رہئے۔ اپنے رب کے فضل سے آپ کاہن یا مجنون نہیں۔

تفسیر :

پس اے نبیﷺ آپ بنی نوع انسان کو نصیحت کرتے رہیئے، خوفِ آخرت کے ذریعے بھی اور رحمت باری تعالیٰ کے وعدوں سے بھی، جیسا کہ ہم پہلے بھی پڑھ چکے کہ کفار کے پاس دلائل تو سرے

سے موجود نہ تھے اور نہ ہی ایسا کوئی ٹھوس مواد موجود تھا کہ جسکی بنا پر حق کا رد ہوسکے، تو ان جاہلوں نے رسول اللہﷺ کی ذات اقدس کے متعلق طرح طرح کی باتیں کہنا شروع کردیں کہ محمدﷺ تو کاہن، جنات کا ہمنوا، جنات سے دوستیاں کرکے سچی جھوٹی خبریں لینے والا یا پھر نجومی ہیں۔ ان کی اس بے تکی بکواس کا جواب ویسے تو دینا بنتا نہیں لیکن پھر بھی سورة الذاریات کی آیت ۸ میں اسکا جواب موجود ہے۔

جب انکی یہ نجومی والی ڈال بھی نہ گلی تو انہوں نے رسول اللہﷺ کو کہا کہ یہ مجنون ہیں، دیوانے ہیں جو ایسے ہی اپنے سے بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے۔ تو یہ سب بکواسات انکے ذہنوں کی جہالت اور ہٹ دھرمی اور ضد کی عکاسی کرتی ہیں کہ کل تک جس شخص کو صادق و امین مان کر امانتیں رکھوایا کرتے تھے، آج اس سے ایسی ایسی باتیں منسوب کررہے ہیں۔ رسول اللہﷺ کی سیرت اور حقانیت قرآن اور حقانیت خدا کے موضوع پر تفصیلاً گفتگو دیکھیں "مَعْرِفَةُ عِلْمِیَّة فی إلَّایات الْقُرْانیۃ" کے باب "علم النفسیات اور قرآنی شخصیت محمدیﷺ"۔

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾

کیا کفار کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے جس کے لئے ہم گردشِ ایام کا انتظار کرتے ہیں۔

تفسیر :

اب اللہ رب العزت اس آیت میں کفار کے ایک گھناؤنے بیانیے کا ذکر کہ کافروں نے کاہن اور نجومی اور دیوانہ و مجنون کے بعد یہ کہا کہ ہو سکتا ہے محمدﷺ کوئی شاعر ہیں، جو ایسا کلام لکھتے ہیں کہ سننے والے پر سحر طاری کر دیتا ہے اور اسے اپنی طرف مائل کرلیتا ہے۔ کفار پھر خود ہی کہنے لگ پڑتے ہیں کہ کیوں نہ ہم پھر انتظار کرتے ہیں کہ کب محمدﷺ کے ایام گردش میں آئیں یعنی کب یہ اس ارض فانی سے پردہ فرما لیں تو پھر اس طرح انکا یہ پیغام بھی رک جائے گا، کیونکہ شاعر وغیرہ اپنی زندگی میں تو لوگوں پر اثر انداز ہو جاتے ہیں لیکن ان کے مرتے ہی انکی شخصیت بھی ختم ہو جاتی ہے، لیکن ان جاہلوں کو کیا معلوم کہ توحید کی دعوت اب رکنے والی نہیں رہتی دنیا تک اور دوسری بات کہ رسول اللہﷺ شاعر تھے اور شاعری بیان کرتے تھے؟ تو قرآن مجید نے اس کا جواب ایک چیلنج کی صورت میں دیا کہ اگر تو قرآن کسی انسان کی تصنیف ہے تو ٹھیک ہے، تم عرب کے بڑے بڑے سیانے بیانے علماء و مشائخ اکٹھے کر لو، چاہے اپنے مذہب کے یا پھر تمام مزاہب کے اکٹھے کرلو اور اس قرآن کی ایک چھوٹی سورۃ جیسی ایک سورۃ بنا کر/لکھ کر دکھا دو۔ اس چیلنج کو آج ۱۴۴۵ قمری سال اور ۱۴۰۲ شمسی سال گزر گئے لیکن کوئی اس پر پورا نہ اتر سکا اور نہ ہی انشاء اللہ اترے گا۔

قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿٣١﴾

آپ کہہ دیجیے کہ انتظار کرلو، بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

تفسیر :

جیسا کہ ہم نے پچھلی آیت مبارکہ میں پڑھا کہ کفار نے بکواس کی کہ ہم انتظار کرتے رسول اللہﷺ کی وفات کا کیونکہ وہ انہیں شاعر سمجھتے تھے اور ہم نے یہ بھی پڑھا کہ شعراء کی شخصیت انکی وفات کے بعد مدہم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ان مشرکینِ مکہ کی بکواس کے جواب میں رب العالمین نے فرمایا کہ اے نبیﷺ آپ ان سے کہیں کہ چلو ٹھیک ہے، تم میرے گردشِ ایام کے منتظر رہو اور میں تمہارے، کہ کب ہم دونوں دوزخ کی ہولناکیوں کو اپنے سامنے دیکھیں، پھر دیکھتے ہیں خدا کس پر رحم برساتا ہے اور کس پر قہر۔

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾

کیا ان کی عقلیں انہی باتوں کا حکم دیتی ہیں، یا وہ حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی ان مشرکینِ مکہ کی عقلوں پر طنز کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ کیا ان کی عقلیں اتنی ہی گئی گزری ہے کہ یہ لوگ واضح نشانیوں کو دیکھ کر بھی رسول اللہﷺ کے ساتھ اس طرح کی بے جور باتیں منسوب کرتے ہیں، کہ رسول اللہﷺ یا تو کاہن ہیں یا نجومی یا پھر شاعر۔ پھر آگے اللہ تعالی خود ہی فرماتا ہے کہ اگر تو یہ لوگ ناقص عقل والے پاگل یا مجنون نہیں تو پھر ضرور یہ حد سے تجاوز کرنے والے یعنی شدید قسم کے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں اور ان لوگوں نے ٹھان رکھا ہے کہ جو کچھ بھی ہو جائے ہم اپنی جاہلانہ روش نہ چھوڑیں گے چاہے حق ہمارے پر حق جتنا بھی عیاں ہوجائے، رسول اللہﷺ جتنی مرضی نشانیاں لے آئیں۔

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾

یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ خود گھڑ لیا ہے؟ بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ پس وہ اس جیسی ایک ہی بات بنا کرلے آئیں، اگر سچے ہیں۔

تفسیر :

تو جیسا کہ ہم نے پچھلی آیات میں پڑھا کے کفار کا رسول اللہﷺ کے ساتھ اس طرح کی بے جور باتیں منسوب کرنے کا مطلب یہی تھا کہ

قرآن مجید وحی الٰہی نہیں بلکہ رسول اللہﷺ کی تصنیف ہے اور رسول اللہﷺ نے اسے خود گھر لیا ہے اور پھر اسے خدا کے ساتھ منسوب کر دیا۔ تو اگر ہم قرآن مجید کا صرف مطالعہ علم النفسیات کے اصول و ضوابط کو ذہن میں رکھتے ہوئے کریں اور پھر سیرت نبویﷺ کا مطالعہ کریں تو ہم پر یہ چیز واضح ہو جائے گی کہ قرآن مجید کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ یہ اس خدا کی کتاب ہے یا اس خدا کا کلام ہے جو انسانی جذبات کے تلاطم سے ماورا ہے اگر پھر بھی ان جاہلوں اور منکروں کے دماغ مطمئن نہ ہوں تو علم الفلکیات یا علم الجنینیات یا ارضیات، یا دیگر کسی علوم کو جس میں بھی یہ خود ماہر ہوں، اسے پڑھنے کے بعد قرآن مجید کا مطالعہ، تعصب کی عینک اتار کر کریں اور پھر دیکھیں کہ قرآن مجید کس دور میں اور کن حالات و واقعات میں نازل ہوا، ان پر حق عیاں ہو جائے گا کہ قرآن مجید ایک انسانی تصنیف نہیں بلکہ وحی الٰہی اور کلام باری تعالی ہے۔ اگر پھر بھی ان کے ذہن مطمئن نہ ہوں تو یہ ان کے شدید قسم کے ضدی اور ہٹ دھرم کافر ہونے کی دلیل ہوگی کیونکہ حق کو سمجھنے کے لیے، حق کے متلاشی کے لیے ایک دلیل بھی کافی ہے۔ اگر پھر بھی یہ حق کو قبول کرنے کے بجائے طرح طرح کی باتیں کریں اور طرح طرح کے اعتراضات کریں تو پھر ان کے لیے قرآن مجید کا چیلنج ۱۴۰۰ سال سے ادھر کا ادھر ہی قائم ہے کہ اگر تو تم ہمارے نزدیک قرآن مجید ایک انسانی تصنیف ہے تو پھر اس کے پائے کی کوئی ایک کتاب لے آؤ، چلو کتاب بھی چھوڑو اس کی ۱۱۴ سورتوں جیسی کوئی ایک سورۃ لے آؤ، جیسا کہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس چیلنج کا تذکرہ ہے۔

• وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۲۳)

ہم نے اپنے بندے پر جو کچھ اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔ (البقرہ : ۲۳)

• أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۳۸)

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو، بلا لو اگر تم سچے ہو۔ (یونس : ۳۸)

• أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۱۳)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے۔ جواب دیجئے کہ پھر تم بھی اسی کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ بلا بھی لو اگر تم سچے ہو۔ (ھود : ۱۳)

• قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (۸۸)

کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ (بنی اسرائیل : ۸۸)

لیکن افسوس کہ ایسے لوگ جنہوں نے حق خلافی کو اپنا نصب العین بنا لیا ہو تو وہ ہزارہ دلائل دیکھنے کے بعد بھی نہیں مانیں گے کیونکہ وہ شدید قسم کے بے ایمان ہیں۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾

کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں؟ یا خود ہی اپنے خالق کرنے والے ہیں۔

تفسیر :

یہ وہی آیت مقدسہ ہے، جس کے بارے میں ہم نے اس سورۃ مبارکہ کے تعارف میں بیان کیا کہ سیدنا جبیر بن مطعم نے کہا تھا کہ جب نے یہ آیت سنی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا دل پھٹنے لگا ہے اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیات سن کر مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا دل اڑنے لگا ہے۔ (صحیح بخاری : ۷۶۵، ۳۰۵۰) (سنن نسائی : ۹۸۸) (سنن ابن ماجہ : ۸۳۲) (مسند احمد بن حنبل : ۱۶۲۶) (مشکوٰۃ المصابیح : ۸۳۱)

رب العالمین نے یہاں مشرکین سے سوال کیا کہ کیا کہ کیا تم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تم بغیر کسی بنانے والے کے، خود بخود پیدا ہوگئے ہو یا پھر تم لوگوں نے خود ہی خود کو تخلیق کرلیا ؟ یعنی جو دعوت رسول اللہﷺ نے ان مشرکین کو دی تھی، آخر یہ اسکی اتنی

مخالفت کیوں کرتے ہیں ؟ آخر یہ خود بھی تو کسی خالق کے ماننے والے ہیں، اور مشرکین مکہ خود اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ ہم کسی ایک خالق کی مخلوق ہیں لیکن ان میں بگاڑ لات، منات، عزیٰ اور حبل کو بارگاہِ الٰہی میں سفارشی بنانے کا تھا۔ تو رب العالمین نے ان سے پوچھا کہ آخر تمہیں اسلام سے اتنی مخالفت کیوں ؟ بہرحال، کفار مکہ نے بھی جب یہ آیت سنی تو لرز گئے لیکن ایمان پھر نہ لائے۔

اب یہاں رب العالمین نے جو سوال پوچھا کہ کیا تم لوگ بغیر کسی خالق کے، خود بخود ہی پیدا ہوگئے ؟ یا پھر تم لوگوں نے خود ہی خود کو بنایا ہے ؟ ملحدین حضرات کہتے ہیں کہ ہاں ! وہ خود بخود، بغیر کسی خالق کے پیدا ہوگئے۔ اس بات میں کوئی لاجک نہیں، وہ کیسے ؟ یہ ہم آگے پڑھیں گے لیکن ملحد جو لاجک بتاتے ہیں اسے نظریہ ارتقاء کہا جاتا ہے۔

نظریہ ارتقاء (theory of evolution) سے مراد علم حیاتیات میں ایک ایسے نظریے سے لی جاتی ہے جس کے تحت تمام جاندار اجسام، ماضی میں رہنے والے کسی ایک ہی جدِ امجد یا مورث (ancestor) کی ترمیم شدہ اشکال ہیں۔ ان ترامیم سے بنیادی طور پر مراد وراثی مادے میں ہونے والی ترامیم کی لی جاتی ہے؛ یعنی وراثوں میں ہونے والی ایسی تبدیلیاں کہ جو ایک جاندار کی گذشتہ سے اگلی نسل کے درمیان واقع ہوں۔ چونکہ وراثے ہی لحمیات تیار کرتے ہیں جو کسی بھی جاندار کی طرزظاہری (phenotype) پر براہ راست اثر پیدا کرنے والے سالمات ہیں۔ گو چند نسلوں کے مابین، وراثی مادے میں ہونے والی یہ ترامیم بہت ہی قلیل اور ناقابلِ شناخت

ہوتی ہیں لیکن ارتقا کے نظریات دانوں کے مطابق یہ ترامیم عرصۂ دراز گذرجانے پر مجتمع ہوکر طرز ظاہری پر نمایاں اثر پیدا کرتی ہیں اور جاندار کی جسمانی ساخت تبدیل کر کہ نئی انواع وجود میں لانے کا سبب بن سکتی ہیں اور یہ عمل جس میں نئی انواع نمودار ہوتی ہیں انتواع (speciation) کہلاتا ہے۔ ارتقا دانوں کے نزدیک نامیات (organisms) کے مابین پائی جانے والی ساختی مماثلت اس بات کی توثیق ہے کہ تمام انواع (یعنی تمام اقسام کے موجودہ جاندار) ایک نسبِ مشترک (common descent) سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدائی سطور میں آیا کہ جد امجد سے شروع ہوکر نسل در نسل منتقل ہونے والی ان تبدیلیوں میں اہم کردار وراثی مادے یعنی genes کی ترامیم کا سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے اس نسبِ مشترک کے تصور کو تالابِ وراثہ (gene pool) کی اصطلاح سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔

(Icons of evolution ,jonathan wells)

(.Evolution ,Douglas J)

نظریہ ارتقاء کو اگر آسان الفاظ میں بیان کیا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک خلیے سے ایک جاندار بنا، پھر ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے کئی کھرب سالوں بعد وہ جاندار اب کئی انواع و اقسام کے جانداروں میں تبدیل ہوچکا، ان جانداروں میں سے بندر جب مزید ارتقائی مراحل سے گزرے تو آہستہ آہستہ اپنی شکل و صورت تبدیل کرتے کرتے انسان بن گئے۔

کئی بڑے بڑے سائنسدانوں نے اس باطل نظریہ اور ڈارون کے اس فتنے کی علمی طریقے سے دھجیاں بکھیر کر رکھ دی۔ جن میں سے کچھ کے نام بمعہ انکے اظہار خیال، مندرجہ ذیل ہیں۔

۱. ایک اطالوی سائنس دان روزا کہتا ہے کہ گذشتہ ساٹھ سال کے تجربات نظریہ ڈارون کو باطل قرار دے چکے ہیں۔

۲. ڈی وریز (De Viries) ارتقاء کو باطل قرار دیتا ہے وہ اس کی بجائے انتقال نوع (Mutation) کا قائل ہے جسے آج کل فجائی ارتقاء (Emergence Evelution)کا نام دیا جاتا ہے اور یہ نظریہ علت و معلول کی کڑیاں ملانے سے آزاد ہے۔

۳. ولاس (Wallace) عام ارتقا کا تو قائل ہے لیکن وہ انسان سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔

۴. فرحو کہتا ہے کہ انسان اور بندر میں بہت فرق ہے اور یہ کہنا لغو ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔

۵. میفرٹ کہتا ہے کہ ڈارون کے مذہب کی تائید ناممکن ہے اور اس کی رائے بچوں کی باتوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

۶. آغا سیز کہتا ہے کہ ڈارون کا مذہب سائنسی لحاظ سے بالکل غلط اور بے اصل ہے اور اس قسم کی باتوں کا سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

۷. ہکسلے (Huxley) کہتا ہے کہ جو دلائل ارتقا کے لیے دیے جاتے ہیں ان سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ نباتات یا حیوانات کی کوئی نوع کبھی طبعی انتخاب سے پیدا ہوئی ہو۔

۸. ٹنڈل کہتا ہے کہ نظریہ ڈارون قطعاً ناقابل التفات ہے کیونکہ جن مقدمات پر اس نظریہ کی بنیاد ہے وہ قابل تسلیم ہی نہیں ہیں۔

۱۰. دورِ جدید کے ایک سائنس دان ڈُواں گِش (Duane Gish) کے بقول اِرتقاء (اِنسان کا جانور کی ترقی یافتہ قسم ہونا) محض ایک فلسفیانہ خیال ہے، جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے۔

۱۱. جیریمی رِفکن (Jeremy Rifkin) نے اپنے مقالات میں اِس حقیقت کا اِنکشاف کیا ہے کہ علمِ حیاتیات اور علمِ حیوانات کے بہت سے تسلیم شدہ محققین مثلاً سی ایچ واڈنگٹن (C. H. Waddington)، پائرے پال گریس (Pierre-Paul Grasse) اور سٹیفن جے گولڈ (Stephen Jay Gold) نے مفروضۂ اِرتقاء کے حامی نیم خواندہ سائنسدانوں کے جھوٹ کو طشت اَز بام کر دیا ہے۔

۱۲. پروفیسر گولڈ سمتھ (Prof. Goldschmidt) اور پروفیسر میکبتھ (Prof. Macbeth) نے دو ٹوک انداز میں واضح کر دیا ہے کہ مفروضۂ اِرتقاء کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے۔ اِس نظریے کے پس منظر میں یہ حقیقت کارفرما ہے کہ نیم سائنسدانوں نے خود ساختہ سائنس کو اِختیار کیا ہے۔ مفروضۂ اِرتقاء کے حق میں چھپوائی گئی بہت سی تصاویر بھی جعلی اور مَن گھڑت ہیں۔

بہرحال ابھی ہمارا موضوع اس باطل نظریہ کا رد نہیں بلکہ وجودِ خالق حقیقی ہے۔ اب آئیں، اپنے ذرا سی بائیولوجی، خصوصاً اناٹومی کے علوم کا مطالعہ کرتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ (٢٠)

کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخر کر رکھا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر تمام کردی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم، بغیر دلیل اور بغیر کسی روشنی دینے والی کتاب کے جھگڑتے ہیں. (لقمان : ٢٠)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ (١)

اے لوگو ! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ (النساء : ١)

اب ہم مالیکیولر بیالوجی کا مطالعہ کرکے، انسانی جسم میں پائے جانے والے خلیوں سے پوچھیں گے کہ کیا تیرا کوئی خالق ہے ؟ یا تو خود بخود ہی پیدا ہوا اور پھر منظم طریقے سے اپنے افعال انجام دیتا چلا جارہا ہے ؟

خَلیہ تمام جانداروں کی ساخت اور فعل کی اِکائی ہے۔ آسان الفاظ میں جس طرح مکان اینٹوں سے مل کر بنتا ہے اور اینٹ ہی مکان کی بنیادی اکائی ہے۔ اسی طرح انسان اور تمام جاندار خلیوں سے مل کر بنتے ہیں اور خَلیہ ہی انسان اور تمام جانداروں کی بنیادی اکائی ہے۔

مثلا انسانی جسم میں لگ بھگ ایک سوکھرب (10،000،000،000،000) خلیات پائے جاتے ہیں۔ واضع رہے کہ تعداد کی یہ مقدار صرف ایک ممکنہ حد تک درست لگایا گیا اندازہ ہے کیونکہ انکی جسامت اتنی چھوٹی ہے کہ انکو گننا ممکن ہی نہیں، تو کم از کم ہو اندازہ لگایا جا سکتا تھا وہ یہی ہے۔ یہ خلیات، نیوکلک ایسڈ، پروٹین، کاربوہائیڈریٹ اور لپڈس جیسے نامیاتی مالیکیولز سے مل کر بنتے ہیں، جنکی تعداد اندازے کے مطابق کم از کم چار کروڑ بیس لاکھ ہے۔

پھر آگے اس خلیے میں مزید اجزاء پائے جاتے ہیں جو اپنے اپنے افعال انجام دیتے ہیں۔ اجزائے حیواناتی خلیہ :

۱.مرکزیچہ (نیوکلیولس)

۲.مرکز (نیوکلس)

۳.رائبوسوم

۴.ویزیکل

۵.رف انڈوپلازمک ریٹکولم

۶.گولجی اپریٹس

۷.سائٹوسکلٹن

۸.سمود انڈوپلازمک ریٹکولم

۹.مائٹوکونڈریا

۱۰.ویکیول

۱۱.سائٹوسول (وہ مایہ جس کے اندر خلیائی اجزاء ہوتے ہیں)

۱۲.لائسوسوم

۱۳.سنٹروسوم

۱۴.جھلی (ممبرین)

عمومی طور پر خَلیہ کو تمام زندہ اجسام کی بنیادی ساختی و فعلیاتی اکائی تصور کیا جا سکتا ہے، مگر پھر یہ خَلیہ بھی بذات خود مزید ذیلی ساختی اور فعلیاتی اکائیوں سے ملکر بنا ہوتا ہے۔ ایک خلیے میں لگ بھگ ایک سو کھرب (10،000،000،000،000) ایٹم پائے جاتے ہیں۔ اب مثال کے طور پر آنکھ کو کے لیں، مکمل آنکھ نہیں بلکہ آنکھ ایک جزو جسے ہم اردو میں پردہ بصارت یا شبکیہ (Retina) کہتے ہیں، اس ایک چھوٹے سے پردے میں کم از کم ۲۷ کڑوڑ خلیات پائے جاتے ہیں۔

پھر اس کے بعد آجائیں انسان کی چھوٹی آنت کی لمبائی پر، اس کی لمبائی ۲۲ فٹ ہے، آپ اندازہ لگائیں کہ ۲۲ فٹ کا پائپ ہمارے چھوٹے سے پیٹ میں رکھا ہوا ہے، پھر آجائیں خون کی وریدوں کی لمبائی پر، انکی لمبائی ۶۰ ہزار میل ہے، اگر کلومیٹر میں دیکھیں تو یہ 1000,000 کیلومیٹر بنتا ہے اور ہمارے اس کرہ ارض کا ڈایامیٹر ۱۲۷۴۲ کیلومیٹر ہے۔ پھر ہمارے نازک سے دلوں کا ایک خاص نظم و ضبط سے اتنی لمبی وریدوں تک خون پہنچانا۔ کیا یہ سب کچھ محض اتفاق ہے یا پھر ہم نے خود ہی خود کو اتنا خوبصورت اور منظم طریقے سے خلق کرلیا ؟ یہ سوال جب ہم سائنس سے کریں کہ بتا ! یہ منظم نظام کیسے اور کیوں ہے تو جواب

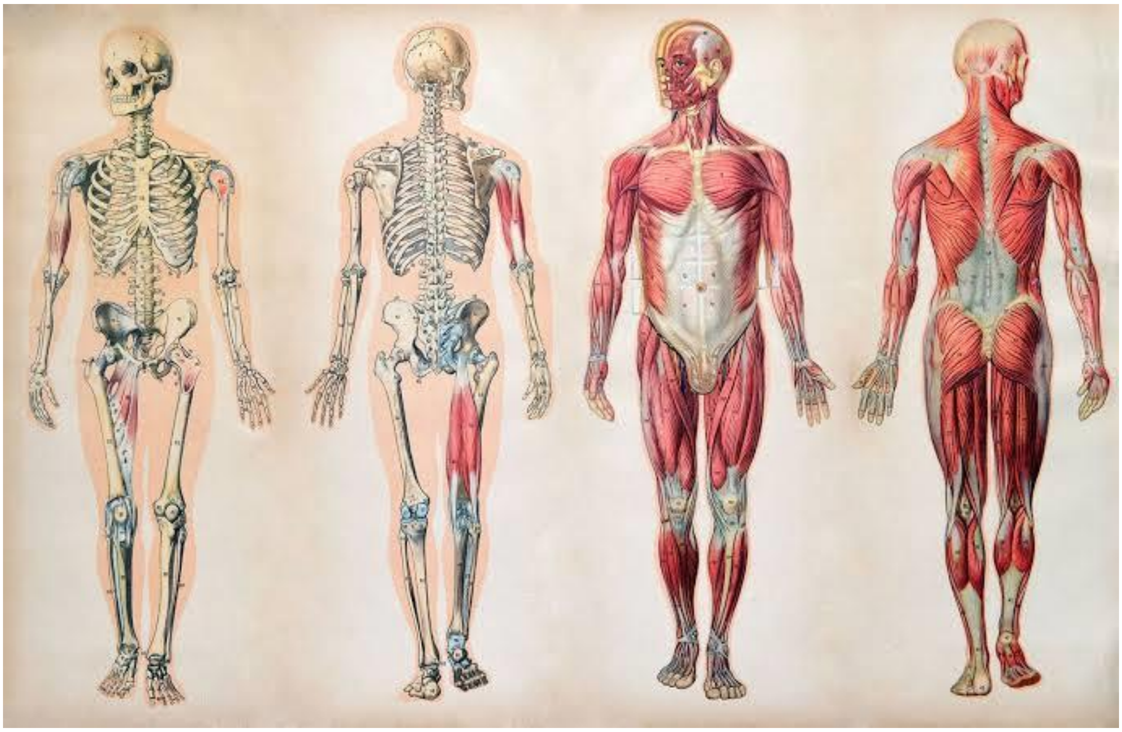
ملے گا کہ یہ میرے ادراک سے ماورا ہے، میرا کام محض بتانا ہے کہ یہ کیسے ہورہا ہے لیکن یہ بتانا کہ

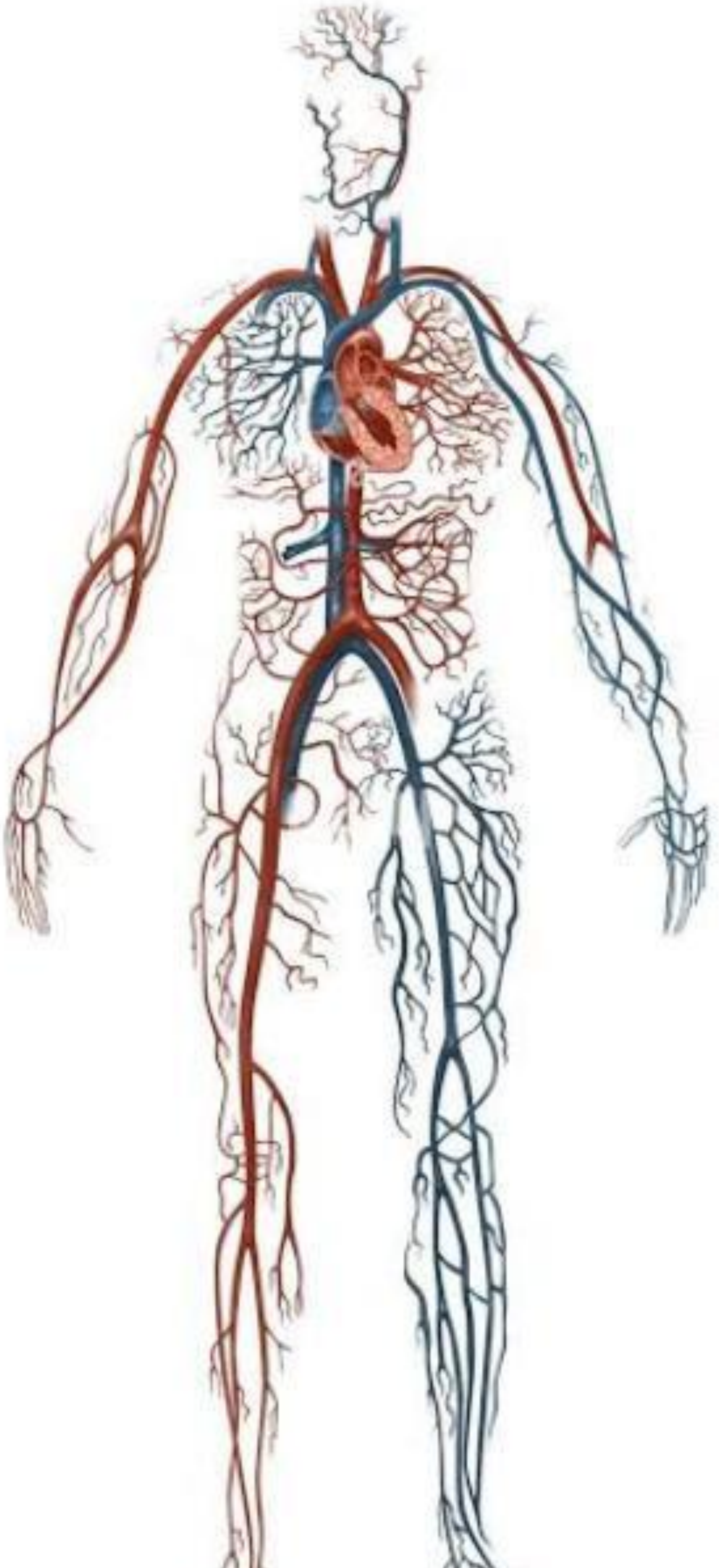
کیوں ہورہا ؟

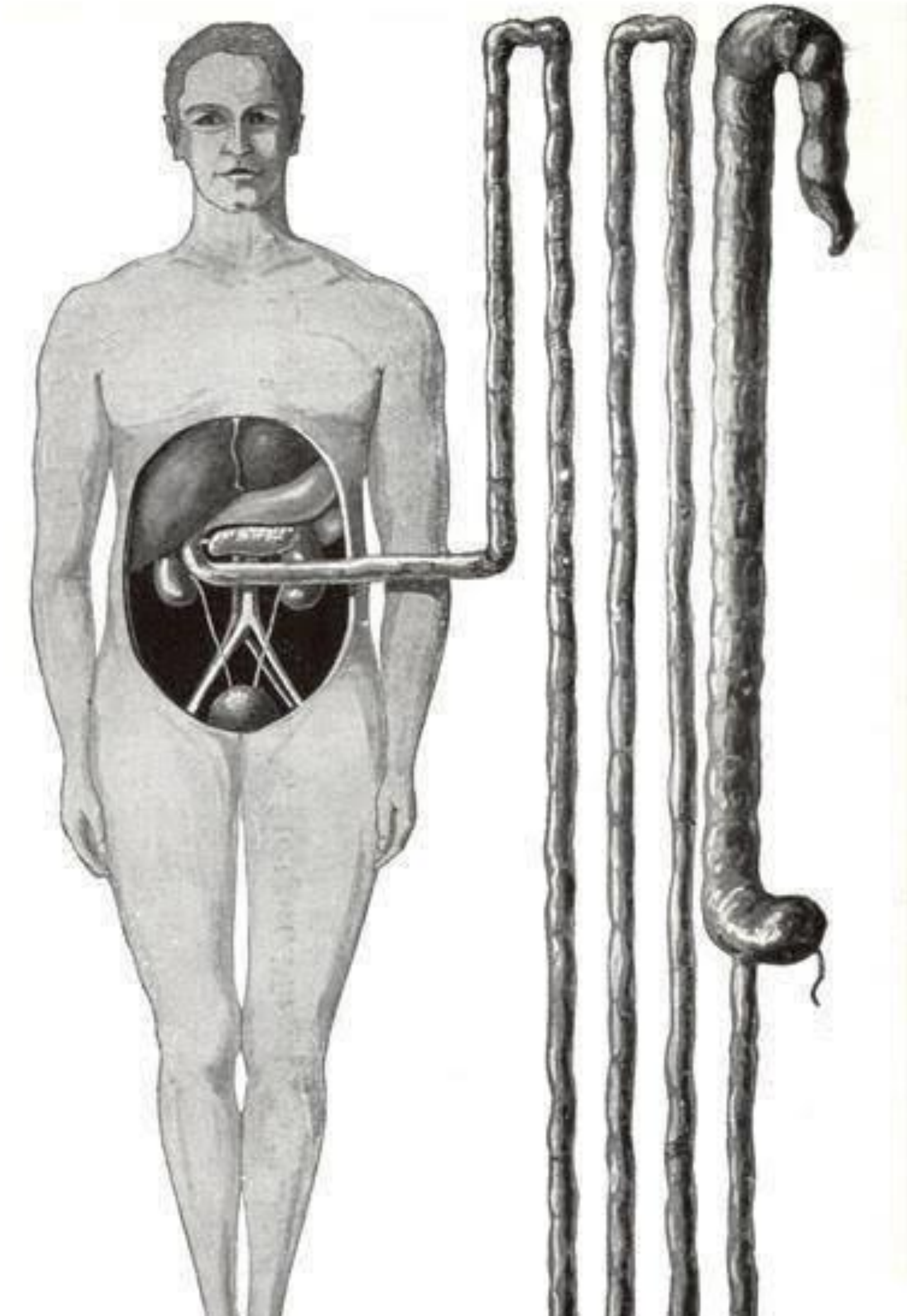
کون کررہا ہے ؟

کیسے کررہا ہے ؟

یہ میرا ادارہ نہیں بلکہ وحی خداوندی کا کام ہے۔







أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾

یا آسمانوں اور زمین کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ وہ (اللہ کی قدرتوں پر) یقین ہی نہیں رکھتے۔

تفسیر :

پہلے رب العالمین نے کفار و اصنام پرستوں سے انکی تخلیق کے متعلق سوال کیا کہ کیا تم نے خود ہی اپنے آپ کو خلق کیا ہے یا پھر تم خود بخود پیدا ہوئے ہو ؟ اس سوال کے بعد اب رب العالمین ان سے پوچھ رہا ہے کہ اگر تم نے خود کو نہیں بنایا تو کیا یہ آسمان و زمین تم نے بنائے ؟ یہ سورج چاند ستارے، جملہ اجرام فلکی، یہ کہکشائیں، یہ سماوی کائنات وغیرہ وغیرہ کیا یہ تم نے بنائے ہیں ؟ یا پھر یہ خود بخود پیدا ہوگئے ؟ اس کا جواب پڑھے لکھے ملحدین کو بھی معلوم ہے اور دیگر مذاہب سے وابستہ افراد کو بھی اور اہلیان اسلام کو بھی کہ اسکا جواب ہے کہ اسے خدا نے بنایا ہے۔ اب آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات واضح کرنا چاہوں گا کہ یہاں میں رب الکریم کے اس سوال کی تفسیر میں تخلیق کائنات کیوں بیان کررہا ہوں تو اسکا جواب اسی آیت مقدسہ میں ہے۔ اس سوال کے بعد اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

بَل لَّا يُوقِنُونَ (٣٥)

اصل بات تو یہ ہے کہ (یہ منکرین واضح نشانیوں کے باوجود) یقین نہیں رکھتے۔ (الطور : ٣٥)

یعنی اس سوال میں کچھ تو ایسا موجود ہے جو ہمیں وجود باری تعالیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ اب اگر تخلیق کائنات یا تخلیق ارض و سماء کے متعلق ان منکرین خدا سے پوچھیں تو ہمیں ایک نظریہ پیش کرتے ہیں، جسے بگ بینگ/عظیم دھماکہ کہتے ہیں۔ یہ ایک عظیم دھماکہ تھا جو آج کے دور سے تقریباً ١٣ ارب ٧٠ کروڑ سال قبل ظہور پزیر ہوا تھا بمطابق زمین کی تشکیل بگ بینگ کے تقریباً ساڑھے نو ارب سال بعد ہوئی۔ بگ بینگ کا یہ نظریہ، قانونِ ہبل کے تحت دور بعید کہکشاؤں کے سرخ تغییر (Red Shift) سے وابستہ ہے۔ جب اس سرخ تغییر کو اصول کائنات (Cosmological Principle) کے ساتھ دیکھا اور پرکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ فضاء یا خلاء، عمومی اضافیت کے فریڈ مان ماڈل کے تحت وسیع ہو رہی ہے یا پھیل رہی ہے۔ (اور اس پھیلنے کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے اور ہم اس بارے میں تفصیلاً سورۃ الذاریات کی آیت ٤٧ میں پڑھ آئے ہیں۔)

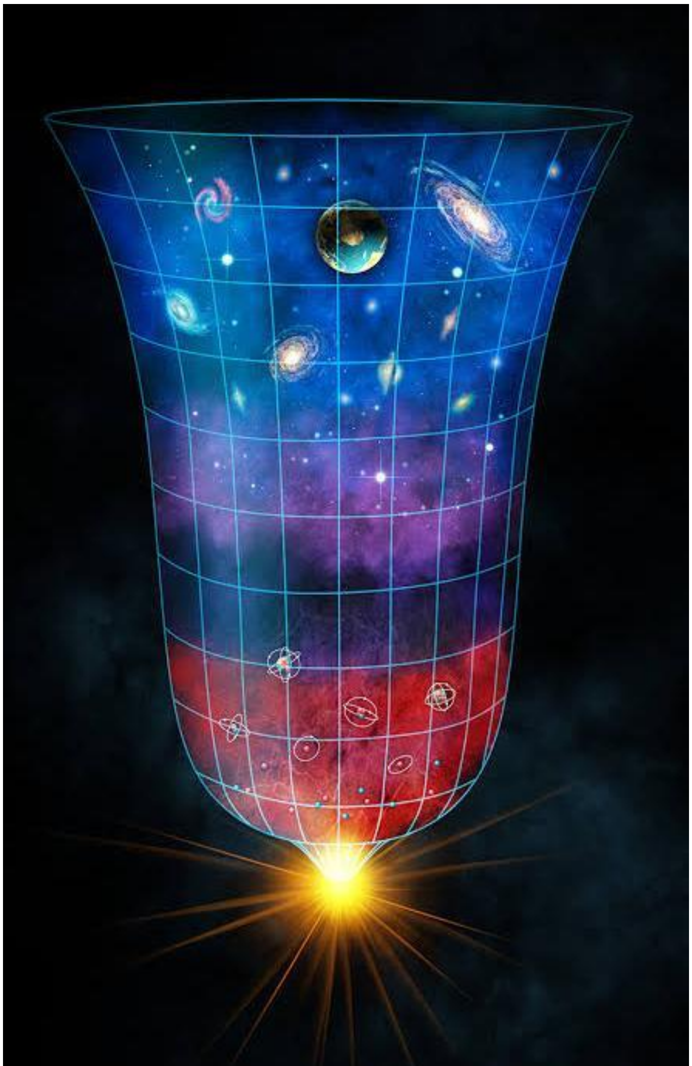
از روئے قرائن، اگر گمان و قیاس کے گھوڑوں کو علمی حساب کتاب کے ساتھ ماضی کی جانب دوڑایا جائے تو اب تک کی معلومات کے مطابق یہ مشاہدے میں آتا ہے کہ یہ کائنات ایک ایسے مقام سے پھیلنا شروع ہوئی ہے کہ جب اس کا تمام کا تمام مادہ اور توانائی ایک انتہائی کثیف اور گرم مقام پر مرکوز تھا۔ مگر اس کثیف اور

گرم نقطے سے پہلے کیا تھا؟ اس پر تمام طبیعیات دان متفق نہیں ہیں۔ یہ پڑھ چکے، اب ہم چلتے سر آئزک نیوٹن کے پاس جو کہ ایک انگریز طبیعیات دان، ریاضی دان، ماہر فلکیات، فلسفی اور کیمیادان تھے جن کا شمار تاریخ کی انتہائی اہم شخصیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے حرکات کے تین قوانین وضع کیے جنہیں ہم "نیوٹن کے تین قوانین حرکات" کے نام سے جانتے ہیں۔

ان قوانینِ حرکات میں سے جو تیسرا قانون ہے، وہ یہ کہ ہر عمل کا ایک برابر اور مخالف ردعمل ہوتا ہے۔ یعنی یہ حرکت کا قانون ہے کہ کوئی جسم کوئی حرکت نہیں کرسکتا کہ جب تک اس پر کوئی قوت اثرانداز نہ ہو۔ اب واپس چلتے ہیں کہ بگ بینگ اور تخلیق کائنات کی طرف۔ یہ ہزاروں لاکھوں کہکشائیں جو آج سائنسدانوں کے مشاہدوں میں آئی ہیں، یہ جملہ اجرام فلکی، یہ ارض و سماء بگ بینگ سے پہلے ابتدائی ایٹم کی صورت میں تھے، جسکا تذکرہ ہم نے سورۃ الطور کی آیت ۳۴ میں کیا تھا۔ یہ مکمل کائنات اس وقت ایک ایٹم کی صورت میں تھا اور پھر عظیم دھماکہ ہوا، بگ بینگ ہوا اور پھر کہکشائیں بنتی گئی، جن میں ایک ہماری ملکی وے بھی تھی اور ادھر ملکی وے میں ہماری چھوٹی سی دنیا، بگ بینگ کے تقریباً ۹ ارب سال بعد ہوئی۔ اب یہاں سوال ہے منکرینِ خدا سے کہ آؤ ذرا ہمیں بتلاؤ کہ آخر وہ کون سی قوت تھی، وہ کون سی طاقت تھی ؟ جس نے اس ایٹم کو پھاڑا ؟ تو آگے سے یہ لوگ یا تو یہ جواب دیں گے کہ قدرتی عمل ہے یا پھر کہیں گے ہمیں معلوم نہیں۔ تو آئیں ہم آپ کو ۱۴۰۰ برس قبل، عرب کے پس ماندہ ریگستانی علاقوں میں، عرب کے بدوؤں میں سے ایک صادق اور امین چرواہے پر نازل ہونی والی کتاب یعنی قرآن مجید سے بتائیں کہ وہ قوت کونسی تھی ؟

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ

کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین باہم ملے جلے تھے پھر ہم نے انھیں جدا کیا اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ (الانبیاء : ۳۰)



أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾

کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں؟ یا یہ ان (خزانوں) پر حکم چلانے والے ہیں؟

تفسیر :

اس آیت مبارکہ کو اگر ربط کلام کے لحاظ سے دیکھیں تو اسکا یہ مطلب ہوگا کہ یہ ملحدین اور مشرکین دعوت حق کو آخر قبول کیوں نہیں کرتے ؟ کیوں آگے سے طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں ؟ کیا یہ لوگ بغیر کسی خالق کے پیدا ہوگئے ؟ کیا انہوں نے خود ہی خود کو بنا ڈالا ؟ کیا زمین و آسمان کی پیدائش میں انکا کوئی حصہ ہے ؟ یہ مشرکین اور منکرین، رسول اللہﷺ کے ساتھ جو بے جوڑ باتیں منسوب کرتے ہیں، کبھی شاعر، کبھی کاہن، کبھی نجومی اور پھر کبھی یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بشر کو رسول بنانا تھا تو کیا اسے یہی شخص اس کام کے لیے پسند آیا تھا ؟ کیا مکہ اور طائف کے سردار مر گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا اللہ کی رحمت کے خزانوں کے مالک یہ ہیں؟ یا اللہ نے اپنے خزانوں کی تقسیم کا اختیار انھیں دے رکھا ہے۔ کہ جونسی نعمت جسے چاہیں دیں جسے چاہیں نہ دیں۔

أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾

کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر وہ (عالم بالا کی) باتیں سن آتے ہیں؟ (اگر ایسی بات ہو) تو ان میں سے کوئی سننے والا صریح سند کے ساتھ وہ بات پیش کرے۔

تفسیر :

اس آیت میں رب کریم فرماتا ہے کہ آخر اتنی واضح نشانیوں کے بعد بھی یہ لوگ گپ اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں میں سے نہیں ہیں، نیز خدا کے ساتھ ایسی ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو خدا کے شایانِ شان نہیں جیسا کہ اگلی آیات میں ان باتوں کا ذکر ہے، بہر حال اس آیت میں رب العالمین پوچھتا ہے کہ کیا ان صنم پرستوں کے پاس کوئی ایسا آلا یا سیڑھی ہے جسکی مدد سے یہ عالم بالا یا سماوی کائنات میں کوئی انہونی شے دیکھ آئے ہیں یا کوئی قدرت کے منافی شے دیکھ آئے ہیں ؟ یا پھر یہ عالم بالا سے کچھ اکٹھا کر لائے ہیں کہ جس کی بنا پر انہیں اپنے باطل نظریات پر پورا اعتماد ہے ؟ اگر ایسا کچھ ہے تو صریح سند سے اپنے ثبوت پیش کریں اور اگر ایسی کوئی بات نہیں ہے تو پھر یہ کوئی پکا سچا ثبوت پیش کریں کہ جس سے رسول کریمﷺ اور قرآن عظیم کی حقانیت کا انکار ہوسکے۔

ایک طرح رب العالمین نے ان کفار و مشرکین کو دعوت دی کہ آؤ، تمام مزاہب کے لوگ مل بیٹھو اور رسول اللہﷺ اور قرآن عظیم کی حقانیت کا رد کرنے کیلئے جتنی تغ و دو کرسکتے ہو کرلو۔ سوائے گپ اور بے تکے اعتراضات کے، ان لوگوں کو کچھ نہ ملے گا۔

أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾

کیا اس (اللہ) کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے؟

تفسیر :

مشرکینِ مکہ کا ماننا تھا کہ لات، منات، عزیٰ اور حبل اور بنو خزاعہ اور بنو کنانہ فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، یعنی ایک ظلم تو یہ کیا کہ اللہ کی اولاد قرار دی جب کہ اس کی کوئی اولاد نہیں پھر اولاد بھی مونث، جسے وہ اپنے لئے پسند ہی نہیں کرتے اللہ کے لئے اسے پسند کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں دیگر مقامات پر آتا ہے کہ

• وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ (٥٧) وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (٥٨) يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (٥٩)

اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں اور اپنے لئے وہ جو اپنی خواہش کے مطابق ہو۔ ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟ (النحل : ۵۷ تا ۵۹)

• أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُم بِالْبَنِينَ (۱۶) وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (۱۷) أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ (۱۸) وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا ۚ أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۚ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ (۱۹) وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُم ۗ مَّا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (۲۰)

کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا۔ (حالانکہ) ان میں سے کسی کو جب اس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اس نے (اللہ) رحمٰن کے لئے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑجاتا ہے اور وہ غمگین ہوجاتا ہے۔ کیا (اللہ کی اولاد لڑکیاں ہیں) جو زیورات میں پلیں اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کرسکیں؟ اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے عبادت گزار ہیں عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی۔ اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے انہیں اس کی کچھ خبر نہیں یہ صرف اٹکل پچو (جھوٹ باتیں) کہتے ہیں۔ (الزخرف : ۱۶ تا ۲۰)

• أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ (١٩) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ (٢٠) أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ (٢٢) تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ (٢٢) إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ (٢٣)

کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔ اور ایک تیسری منات کو بھی؟ کیا تمہارے لئے تو لڑکے ہوں اور اس کے لئے لڑکیاں؟ یہ تو ایک غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ دراصل یہ کچھ نہیں مگر چندنام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ثبوت میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی یہ لوگ محض وہم گمان اور نفسانی خواہشات کی پیروی کررہے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی جانب سے ان کے پاس صحیح ہدایت آچکی ہے۔ (النجم : ۱۹ تا ۲۳)

اسی طرح کی اور بھی کئی غیر منصفانہ اور غیر منطقی باتیں مشرکینِ مکہ نے خدا کے ساتھ منسوب کر رکھی تھیں تو خدا نے اسکے جواب میں ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے علم کی حدود اتنی ہیں کہ تم عالم بالا یا سماوی کائنات تک رسائی حاصل کرسکو ؟ اگر نہیں تو پھر کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ ! تمہارے علم کی حدود تو اس زمین کا بھی مکمل طور پر احاطہ نہیں کرتیں اور باتیں منسوب کرتے ہو رب العالمین کے ساتھ۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾

کیا آپ ان سے (تبلیغ پر) کوئی اجر طلب کرتے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے جارہے ہیں؟

تفسیر :

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوبﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے نبیﷺ کیا آپ ان کفار سے کوئی اجرت طلب کرتے ہیں کہ یہ کفار اس کی ادائیگی کے بوجھ تلے یہ دب جائیں اور راہ حق سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ یہ سوال دراصل کفار کے لیے طنز تھا کہ تمہیں جس کی دعوت دی گئی ہے یعنی اچھے اعمال جو کہ ان ہی کی بھلائی کے لیے ہیں، انہیں چھوڑ کر گمراہیوں میں جا رہے ہو، آخر کیوں ؟ رسول اللہﷺ تو تم سے اپنے لیے کوئی اجرت طلب نہیں کرتے بلکہ رسول اللہﷺ اور ان کے اہل و عیال نے صراط مستقیم کے لیے جان و مال کی قربانیاں دی رسول اللہﷺ زمانۂ نبوت سے پہلے مکہ کے کامیاب تاجروں میں سے تھے لیکن وفات اس حالت میں ہوتی ہے کہ یہودی تاجر کے پاس اپنی ذرہ گروی رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر تو رسول اللہﷺ نے کسی سے بھی کسی قسم کی اجرت طلب کی ہوتی جیسا کہ آج کل کے بڑے بڑے علماء و مشائخ اور خود ساختہ ولی اللہ، پیر فقیر اور گدی نشین حضرات کرتے ہیں۔
رسول اللہﷺ کی سیرت مبارکہ و مقدسہ سے یہی نظر آتا ہے کہ وہ قبل نبوت مکہ کے کامیاب ترین تاجروں کی فہرست میں شامل تھے،

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد نے بھی رسول اللہﷺ کی تجارت میں ایمانداری اور تجارت کے انداز سے متاثر ہوکر شادی کا فیصلہ کیا۔ پھر بعد از نبوت رسول اللہﷺ کے بارے میں ہمیں کتب احادیث میں ملتا ہے کہ

• ام المومنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدسﷺ کی وفات تک حضورﷺ کے اہل و عیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ (شمائل ترمذی : ۱۳۴)

• ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اکرمﷺ اور آپ کے گھر والے کئی کئی رات پے درپے بھوکے گذار دیتے تھے کہ رات کو کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا اور اکثر غذا آپ کی جو کی روٹی ہوتی تھی گو کبھی کبھی گہیوں کی روٹی بھی مل جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی : ۱۳۶)

• حضور کریمﷺ کی حیات مبارکہ کے بالکل آخری ایام میں بھی (جب کہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرمانروا بھی تھے) آپ کے گھر کے گذارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرہ گروی رکھ کر آپﷺ نے صرف ۳۰ صاع جَو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لے رکھے تھے۔ (صحیح بخاری : ۲۵۰۸)

بہرحال، جب یہ بدلختان ازل رشد و ہدایت کے فیوض سے محروم رہتے تو حضور کو بتقاضائے شفقتِ پیغمبرانہ بڑا دکھ ہوتا اور آپﷺ کے قلب اطہر پر یہ انکار و تمرد بہت گراں ہوتا۔ اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کا کام محض میرے پیغام کو ان تک پہنچا دینا ہے، اگر یہ نہیں تسلیم کرتے تو نہ کریں، آپ ان سے کچھ معاوضہ تو وصول کرتے ہی نہیں جو ناکامی پر خواہ مخواہ ملال ہو۔

مان جائیں تو اس میں ان کا اپنا بھلا ہے، نہیں مانتے ہیں تو اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ آپ بالکل پرواہ نہ کریں اور شمانیت قلب کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے رہیں۔

(تفسیر سراج البیان)

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾

کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں۔

تفسیر :

پچھلی آیات کریمہ میں کفار کے جن اعتقادات و نظریات، اور رب العالمین اور اسکے رسولﷺ کے ساتھ منسوب بے جوڑ باتوں کے تذکرے سے یہ معلوم پڑتا ہے کہ گویا کفار کے پاس غیب کا علم ہے کہ جس کی مدد سے انہوں نے پتہ لگایا کہ لات، منات اور عزیٰ خدا کی بیٹیاں ہیں یا پھر فرشتے رب کریم کی بیٹیاں ہیں، رسول اللہﷺ کا نجومی یا کاہن ہونا وغیرہ وغیرہ۔ ہرگز نہیں، مشرکینِ مکہ کو غیب کا علم تو بہت دور، انہیں تو ظاہر کا علم بھی مکمل طور پر نہ تھا بلکہ یہ لوگ بدوؤں میں سے تھے جو چٹے ان پڑھ تھے، یہ تو خدا ان پر مہربان ہوا اور ان میں ایک ایسی کتاب نازل کی کہ جس کی پہلی نازل ہونے والی آیت ہی پڑھنے سے متعلق ہے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (١) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (٢) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (٣) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۵)

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو (رحم مادر میں) جونک نما معلق وجود سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب ہی سب سے زیادہ کرم والا ہے۔ وہ جس نے قلم کے ساتھ سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (العلق : ۱ تا ۵)

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾

یاان کا ارادہ مکروفریب پھیلانے کا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یادرکھیں کہ یہ منکر خود ہی (شیطان کے) فریب میں پڑے ہیں۔

تفسیر :

جیسا پچھلی آیات میں بیان ہوا ہے، اگر یہ سب باتیں نہیں تو لامحالہ یہ ان کی فریب کارانہ چالیں ہیں کہ خدا کریم کی نازل کردہ کتاب مقدسہ اور رسول اللہﷺ پر طرح طرح کے الزامات لگا کر لوگوں کو آپﷺ اور آپﷺ کے پیغام حق سے بدظن کردیں اور آپﷺ کی ہمت توڑ دیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عنقریب یہ اپنی چالبازیوں، شاطرانہ چالوں اور سازشوں کے جال میں خود پھنس جائیں گے اور انکا مکر و فریب انکے کسی کام نہ آئے گا اور انکی چالیں اور سازشیں انہیں کی طرف واپس لوٹا دی جائیں گی۔ کوئی ایسی چال جو

کفار کی قدرت و اختیار میں تھی، انہوں نے باقی نہ چھوڑی کہ جس پر عمل نہ کیا ہو مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں اپنے نبی کریمﷺ کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا اور اپنے دین کو غالب فرمایا، ان کو بے یارومددگار تنہا چھوڑا اور ان سے انتقام لیا۔

اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا

اور ایسا انہوں نے زمین میں اپنے کبر و غرور اور بری سازشوں کی وجہ سے کیا، حالانکہ بری سازش ہمیشہ سازشیوں کے ہی گلے کا پھندا بن جاتی ہیں، پس کیا یہ لوگ اقوام گذشتہ کی مانند عذاب کا انتظار کر رہے ہیں، پس آپ اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے، اور نہ آپ اللہ کے طریقے کو ٹلنے والا پائیں گے۔

(فاطر : ۴۳)

واضح رہے کہ کافروں کے بارے میں یہ پیشین گوئی مکی زندگی کے اس دور میں کی گئی جب ابتدائی مسلمان کافروں کے ظلم و جور کی چکی میں بری طرح پس رہے تھے اور کسی کو یہ خیال تک بھی نہ آسکتا تھا کہ یہ سارا معاملہ الٹ بھی سکتا ہے۔

أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾

یا پھر خدا کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے اگر یہی بات ہے تو یقین کرو کہ الہ تعالیٰ کی ذات ان کے شرک سے پاک ہے۔

تفسیر :

اگر یہ حقانیت قرآن اور حقانیت محمد مصطفیٰﷺ کی واضح نشانیوں کا مشاہدہ کرنے اور ان کے اعتراضات اور غلط نظریات کے مدلل رد کے بعد بھی اپنے کفر و شرک اور چالبازیوں سے باز نہیں آتے تو ان کے خیال کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی بھی پرستش کرتے ہیں، وہ انکا معبود برحق ہے اور انکی حفاظت کرنے والا ہے تو یہ بھی محض انکے اپنے ذہنوں کا فطور ہے اور اس کا اصلیت سے کوئی تعلق نہیں۔ اصل اللہ رب العزت کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر یہ لوگ واضح دلائل اور نشانیوں کے مشاہدے کے بعد ایسی کذب بیانیوں میں پڑے ہیں تو ان کو یہ بات لازماً جان لینی چاہیے کہ یہ یہود و نصاری اور دیگر مذاہب کے ماننے والے اور آج کے مخصوص مسلمانوں نے رب العالمین کے ساتھ جیسا شرک منسوب کر رکھا ہے، خدا اس سے بالکل پاک ہے۔

وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾

اگر یہ لوگ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو کہیں گے یہ تو تہ بہ تہ جماہوا بادل ہے۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں بتایا جا رہا ہے کہ یہ مشرکین کبھی ایمان نہ لائیں گے کیوں کہ یہ اس قدر ضدی اور ہٹ دھرم واقع ہوئے ہیں کہ اگر ان کے مطالبہ کے مطابق آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا بھی دیا جائے یا پھر آسمان کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ (پورٹال) ان پر کھول دیا جائے جیسا کہ سورۃ الحجر میں آتا ہے کہ

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ (۱۴) لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ (۱۵)

اور اگر ہم کافروں کے لیے آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں اور وہ اس میں چڑھتے چلے جائیں۔ پھر بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو مدہوش کردیا گیا ہے، بلکہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے۔ (الحجر : ۱۴، ۱۵)

تو پھر بھی یہ اس کی طبعی توجیہیں تلاش کرنے لگیں گے اور کہہ دیں گے کہ یہ آسمان کا ٹکڑا کب ہے؟ یہ تو بادل کا ٹکڑا ہے جو تہ بہ تہ ہو کر موٹا، غلیظ اور بوجھل ہونے کیو جہ سے زمین پر آ رہا ہے، یہی مرض آج کے ملحدین میں بھی پایا جاتا ہے کہ جب انہیں قرآن مجید اور احادیث نبوی سے حقانیت قرآن اور حقانیت محمدی بتائی جاتی ہے تو آگے سے بےتکے اعتراضات اور قہقہ و ٹھٹھہ کی باتوں کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں ہوتا۔ انہیں قرآن مجید سے خدا کی نشانیاں بتائی جاتی ہیں تو آگے سے طرح طرح کی تاویلات پیش کرتے ہیں لیکن دلیل کے ساتھ رد نہیں کرتے۔

فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٦﴾

پس آپ انہیں چھوڑ دیجیے، یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پہنچ جائیں جب وہ بے ہوش کر دئیے جائیں گے۔ جس دن ان کی سازش ان کے کسی کام نہیں آئے گی، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

تفسیر :

تو بس پھر اے نبیﷺ آپ ایسے ضدی اور ہٹ دھرمی پر اترنے والوں کو انکے حال ہی پر چھوڑ دیں ان لوگوں یا ان جیسے ہٹ دھرم لوگوں کی بد بختی کا یہ عالم ہے کہ اگر انہیں قیامت تک زندگی مل جائے تو بھی ایمان نہیں لائیں گے، انھیں ان باتوں کا یقین تب ہی آئے گا جب عذاب خود ان پر واقع ہو جائے گا لہٰذا رسول اللہﷺ سے کہا گیا کہ آپ ایسے لوگوں کے پیچھے نہ پڑیں بس سننے اور سمجھنے والوں کو نصیحت کرتے جائیے حتٰی کہ وہ دن آجائے کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، جس دن تمام جاندار سیدنا اسرافیل کے صور پھونکنے سے بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، اس سے مراد پہلا نفخہ صور ہے، اس دن ان جاہلوں کی کوئی چال یا سازش انکے کوئی کام نہ آسکے گی اور پھر نہ ہی انکا کوئی خود

ساختہ معبود انکی مدد کو آئے گا کہ جن کو یہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے۔

یہاں موقع غنیمت جانتے ہوئے ضمناً یہاں پر عرب کے کچھ بتوں کا بیک گراؤنڈ بتاتا چلوں اور پھر قارئین کرام سے گزارش ہے کہ مشرکینِ مکہ اور آج کے دور کے مسلمانوں کا موازنہ کرکے دیکھ لیں کہ آج کا برصغیر پاک و ہند رسول اللہﷺ کی بعثت سے پہلے کے زمانہ جاہلیت کی عکاسی کرتا ہے کہ نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا دومتہ الجندل میں قبیلہ کلب ود کو پوجتے تھے، ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد پھر قبیلہ بنو غطیف جو صرف کے رہنے والے تھے یہ شہر سبا بستی کے پاس ہے یغوث کی پوجا کرتا تھا، ہملان قبیلہ یعقوب کا پجاری تھا، آل ذی کلاع کا، قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا، یہ سب بت دراصل قوم نوح کے صالح بزرگ اولیاء اللہ لوگ تھے ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی کوئی یادگار قائم کریں، چنانچہ انہوں نے وہاں نشان بنا دیئے اور ہر بزرگ کے نام پر انہیں مشہور کیا جب تک یہ لوگ زندہ رہے تب تک تو اس جگہ کی پرستش نہ ہوئی لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کو مر جانے کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے جہالت کی وجہ سے انہوں نے باقاعدہ ان جگہوں کی اور ان ناموں کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ (صحیح بخاری : ۴۹۲۰)

محمد بنی قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بزرگ عابد، اللہ والے، اولیاء اللہ، آدم علیہ السلام، اور نوح علیہ السلام کے سچے تابع فرمان صالح لوگ تھے جن کی پیروی اور لوگ بھی کرتے تھے جب یہ مر گئے تو ان کے مقتدیوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنا لیں تو ہمیں عبادت میں خوب دلچسپی رہے گی اور ان بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر شوق عبادت بڑھتا رہے گا چنانچہ ایسا ہی کیا جب یہ لوگ بھی مر کھپ گئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں یہ گھٹی پلائی کہ تمہارے بڑے ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور انہیں سے بارش وغیرہ مانگتے تھے چنانچہ انہوں نے اب باقاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کر دی اور یہی شرک اس روئے زمین پر پہلا شرک تھا۔ ہمارے عالم اسلام میں بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میرے گھر والوں کا تعلق مسلک بریلویہ سے ہے اور میں بچپن میں جب ان کے ساتھ درباروں مزاروں پر جایا کرتا تھا تو مجھے قبر کے پاس جا کر، جھک کر چومنے کے بجائے قبر سے کچھ فاصلے پر رہ کر دعا کرنے کی تلقین کی جاتی تھی (حالانکہ کچھ لوگ قبر کو جھک کر چومتے بھی تھے، جھک کر سلام بھی پیش کرتے اور ایک آدھ بندہ تعظیماً سجدہ بھی کردیا کرتا تھا) لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اور ان کے دلوں میں مسلکی تعلیمات کی وہ قدر نہ رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی، کیونکہ شیطان نے انہیں اب اپگریڈ کردیا تھا اور انکے دلوں میں اولیاء کرام کی محبت اسلامی تعلیمات سے کئی زیادہ بڑھ چکی تھی تو اب یہ حضرات جو مجھے قبر کے پاس جانے سے بھی روکتے تھے، آج خود جب حاضری کیلئے جاتے ہیں تو قبر کا ادب بجا لاتے ہوئے دبے پاؤں اندر داخل ہوتے، پھر قبر پر جھکتے ہیں اور قبر

کے غلاف کو بوسہ دیتے ہیں پھر آنکھوں پر لگاتے ہیں، پھر غلاف کو واپس رکھتے ہیں اور دونوں ہاتھ اور پیشانی کو قبر پر رکھ کر ایک سجدہ کی سی کیفیت بناتے ہیں اور من ہی من میں کچھ پڑھتے ہیں اور پھر قبر سے کچھ ہاتھ فاصلے پر آکے رک کر اپنی حاجت و ضرورت پیش کرتے ہیں۔ قوم نوح میں عقیدت کی ارتقاء کچھ زمانوں بعد ہوئی لیکن آج کے مسلمانوں کی عقیدت میں تغیر و تبدل آتا ہوا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہی عقیدہ ان لوگوں کا کل کو بگڑتے ہوئے بہت زیادہ غلط شکل اختیار کرلے گا اور یہ معاملہ انکے اپنے زمہ دار علماء و مشائخ کے قابو سے باہر ہوگا۔

بہر حال، اس آیت میں آتا ہے کہ ان مشرکین کو قیامت والے دن کوئی بچانے نہ آئے گا، چاہے انکا بنایا ہوا کوئی بت ہو یا پھر کوئی اور۔ اس دن ایک اکیلے اللہ کی بادشاہت ہوگی جو اصل خالق و مالک ہے، وہی ہم سب کا پالنہار ہے اور ہمارا حاجت روا بھی، مشکل کشاء بھی، گنج بخش بھی۔

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

اور بے شک ظالموں کے لئے اس سے پہلے ایک عذاب ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

تفسیر :

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (٢١)

ہم انھیں (قیامت کے) بڑے عذاب سے پہلے ہلکے عذاب کا مزا بھی ضرور چکھائیں گے شاید وہ (اپنی روش سے) باز آجائیں۔

(السجدہ : ٢١)

پچھلی آیت میں اللہ رب العزت نے قیامت کے روز کے عذاب سے مجرموں کو آگاہ فرمایا اور اب اس آیت میں قیامت کے روز عذاب سے پہلے کے عذاب کا ذکر ہورہا ہے جس کا مطلب ہے جملہ دنیاوی آلام و مصائب یعنی قتل کیے جانے، قیدی بنائے جانے، اپنے گھروں سے نکالے جانے، بیماری کے آجانے، جملہ جسمانی و مالی مصائب وغیرہ وغیرہ۔ بعض اکابر علماء کے نزدیک اس سے مراد قبر اور برزخ کے مصائب ہے جبکہ شیخ محمد عبدہ الفلاح، اشرف الحواشی میں لکھتے ہیں یہ آیت غزوہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی اور یہ دن کفار کیلئے ایک عذاب سے کم نہ تھا کیونکہ کفار کی بڑی بڑی رہنما شخصیات بری طرح مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اور کفار کیلئے پورے خطہ عرب میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ اس آیت مبارکہ کا شان نزول اور اصول التفسیر کے مطابق زیادہ راجح قول یہی ہے کہ اس سے مراد دنیاوی آلام و مصائب ہیں، جیسا کہ سنن ابو داؤد میں روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا مومن کو جب کوئی بیماری آتی

ہے اور پھر اللہ اسے عافیت اور شفا دے دیتا ہے تو وہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ کے لیے نصیحت کا سبب ہوتی ہے اور منافق جب بیمار پڑتا ہے اور پھر اسے عافیت دی جاتی ہے تو اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہوتی ہے جسے اس کے گھر والوں نے باندھا ہو اور پھر کھول دیا ہو، اسے معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں باندھا تھا اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں چھوڑ دیا ہے۔ (سنن ابو داؤد : ۳۰۸۹)

یعنی ایمان سے محروم دلوں کو جب کوئی تنگی یا پریشانی پیش آتی ہے تو انکو معلوم نہیں ہوتا کہ آخر یہ پریشانی کیوں آئی ؟ وہ انسان اس پریشانی کے دنیاوی اسباب کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے اور پھر جب وہ پریشانی ختم ہو جاتی ہے تو وہ اسکے خاتمے کو بھی ظاہری اور دنیاوی اسباب سے منسوب کرتا ہے۔ اس کی یہ کیفیت بلکل ایسے ہوتی ہے کہ جیسے ہم کوئی پالتو جانور گھر لائیں اور پھر اسے باندھ دیں، اس بیچارے جانور کو نہیں معلوم کہ وہ کیوں باندھ دیا گیا اور پھر جب ہمارا موڈ ہو اور ہم اس جانور کو آزاد کردیں تو تب بھی اسے نہیں معلوم کہ وہ باندھا کیوں گیا تھا اور اب آزاد کیوں چھوڑ دیا گیا۔ دراصل دنیاوی مشکلات انسان کو آزمانے کیلئے ہوتی ہیں اور بعض مشکلات کسی عملِ صالح یا عملِ بد سے ہوتی ہیں۔ جیسا ہم مندرجہ بالا حدیث میں پڑھا کہ ایمان سے خالی افراد کو انکے اعمال کے باعث بیماریوں میں مبتلا کیا جاتا ہے، یہ بیماریاں انکے لیے عذابِ صغرا ہوتی ہیں اور پھر قبر کا عذاب آتا ہے اور پھر آخرت کا عذاب۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾

تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے، بیشک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو اٹھے اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر۔

تفسیر :

پہلے اس آیت میں رسول اللہﷺ کو صبر دلایا جا رہا ہے، اے نبیﷺ آپ کفار و مشرکین کی بکواسات پر صبر کیجئے اور اپنے رب کے اگلے حکم کا انتظار کریں۔ کفار کے طعنہ و تشنیع اور کمزور اصحاب پر ہونے والے مظالم پر رسول اللہﷺ کو صبر کا حکم دینے کے بعد رب کریم نے بہت ہی خوبصورت بات رسول اللہﷺ سے ارشاد فرمائی کہ آپ ہماری نظروں کے سامنے ہیں، یہ کفار جو کچھ بھی آپ کے ساتھ معاملہ کررہے ہیں، بیشک ہم یہ سب دیکھ رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ایک محبوب کیلئے کیا چیز ہوگی کہ جس کی خاطر وہ سختیاں سہہ رہا ہے وہ اس کو یہ سب برداشت کرتے ہوئے دیکھے، یہ الفاظ رسول اللہﷺ کیلئے بہت تسلی اور شفقت والے تھے۔ ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے آپ کو بےیارو مددگار نہیں چھوڑا بلکہ جب ہماری حکمت کا تقاضا ہوا آپ کو نجات کی راہ بتا دیں گے اور ان کافروں کی تمام سازشوں اور تدبیروں کو ناکام بنادیں گے۔

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب آپ اٹھیں تو اپنے رب کی پاکی اور حمد و ثنا بیان کریں۔ اس جملہ کے کئی مطلب ہیں مثلاً ایک یہ کہ جب آپ نیند سے بیدار ہوں تو اللہ کی حمد و تسبیح بیان کی جائے۔ دوسرا یہ کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو حمد و تسبیح بیان کیجئے۔ تیسرا یہ کہ جب آپﷺ تبلیغ اور خطاب کے لیے کھڑے ہوں تو اس کا افتتاح حمد و تسبیح سے کیا کیجئے اور چوتھا یہ کہ جب آپﷺ کسی مجلس سے اٹھنے لگیں تو اس وقت اللہ کی حمد و تسبیح بیان کیجئے اور ایسے تمام مواقع پر رسول اللہﷺ حمد و تسبیح بیان فرمایا کرتے تھے اور پانچواں مطلب یہ کہ جب آپ ان کفار کے خلاف قیام کریں تو اپنے رب کی پاکی بیان کرتے رہیں کہ جس سے آپ کو نصرت و مدد ملتی رہے۔ واللہ اعلم باالصواب

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾

اور رات کو بھی اس کی تسبیح کیجئے اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی۔

تفسیر :

بعض علماء و فقہاء کے نزدیک اس سے مراد نماز تہجد اور نماز فجر کی دو سنتیں ہیں، بعض کے نزدیک اس سے مراد نماز پنجگانہ ہے اور کئی علماء نے اس کی تفسیر یوں بیان کی کہ تمام تر عبادات

ہی ذکر الٰہی ہیں تو چاہے اب اس سے ہم ذکر الہٰی مراد لیں ی ا تلاوت قرآن مجید یا کوئی نماز۔ تو ان آخری دو آیات میں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین سے فرمایا کہ آپﷺ کفار و صنم پرستوں کی بے تکی باتوں پر کان نہ دھریں، انکے ظلم و استہزاء پر صبر کریں، ہم یہ سب دیکھ رہے ہیں اور ہم نے آپ کو بلکل بھی اکیلا نہیں چھوڑا بلکہ آپﷺ اپنے رب کو یاد کرتے رہیں ہر وقت، اٹھتے بیٹھتے، سوتے وقت، لیٹتے وقت، صبح کے وقت، دوپہر کے وقت، رات کے وقت اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی، اب چاہے یہ ذکر تسبیح ہو، تلاوتِ قرآن مجید ہو، نفلی نمازیں ہو یا نماز پنجگانہ، ہر صورت درست ہے۔ واللہ اعلم باالصواب

سُوْرَةُ النَّجْمِ

بِسْمِ اللَّـهِ الرَّحْمَـٰنِ الرَّحِيمِ

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى ﴿٢﴾ وَمَا يَنطِقُ عَنِ
الْهَوَى ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى ﴿٤﴾ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ﴿٥﴾ ذُو مِرَّةٍ
فَاسْتَوَى ﴿٦﴾ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ﴿٧﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
أَوْ أَدْنَى ﴿٩﴾ فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى ﴿١٠﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى
﴿١١﴾ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ﴿١٣﴾ عِندَ
سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ﴿١٤﴾ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى ﴿١٥﴾ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى
﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى
﴿١٨﴾ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى ﴿١٩﴾ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى ﴿٢٠﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ
وَلَهُ الْأُنثَى ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَى ﴿٢٢﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاء سَمَّيْتُمُوهَا
أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى
الْأَنفُسُ وَلَقَدْ جَاءهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَى ﴿٢٣﴾ أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّى ﴿٢٤﴾ فَلِلَّهِ
الْآخِرَةُ وَالْأُولَى ﴿٢٥﴾ وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا
إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاء وَيَرْضَى ﴿٢٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنثَى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِن
يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾ فَأَعْرِضْ عَن مَّن
تَوَلَّى عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذَلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِنَّ
رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَى ﴿٣٠﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي
السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاؤُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ
أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴿٣١﴾ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ إِنَّ
رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي

بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى ﴿۳۲﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ﴿۳۳﴾ وَأَعْطَى قَلِيلًا وَأَكْدَى ﴿۳۴﴾ أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَى ﴿۳۵﴾ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ﴿۳۶﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ﴿۳۷﴾ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ﴿۳۸﴾ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ﴿۳۹﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاء الْأَوْفَى ﴿۴۱﴾ وَأَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنتَهَى ﴿۴۲﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى ﴿۴۳﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ﴿۴۵﴾ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَى ﴿۴۶﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَى ﴿۴۷﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَى وَأَقْنَى ﴿۴۸﴾ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَى ﴿۴۹﴾ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى ﴿۵۰﴾ وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَى ﴿۵۳﴾ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّى ﴿۵۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاء رَبِّكَ تَتَمَارَى ﴿۵۵﴾ هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَى ﴿۵۶﴾ أَزِفَتْ الْآزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿۶۰﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿۶۲﴾

تعارف :

سورۃ النجم بھی مکی سورتوں میں سے ہے اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے تئیسویں جبکہ مصحف کی موجودہ ترتیب کے اعتبار سے ترپینویں (۵۳) سورۃ مبارکہ ہے۔ اہل تشیع کے مطابق یہ سورۃ مبارکہ عَزائِمُ یا عَزائِمُ السُجود میں سے ایک ہے، عَزائِمُ السُجود قرآن کی ان سورتوں کو کہا جاتا ہے جن میں مخصوص آیات کے پڑھنے

یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ ان سورتوں کی تعداد چار ہیں سورۃ سجدہ، فُصِّلَت، نَجم اور عَلَق، بعض علماء کے نزدیک سورۃ فصلت کی جگہ سورۃ لقمان ہے شامل ہے۔

(تہذیب الاحکام، ۱۴۰۷ق، ج۲، ص۲۹۱، ح۲۶ و ۲۷)

اہل سنت کے امام محمد بن ادریس الشافعی، امام احمد بن حنبل اور حنفی فقہاء واجب اور مستحب کی تمیز کے بغیر سجدہ والی آیات کی تعداد 14 جبکہ مالکی فقہاء ان سجود کی تعداد 15 بتاتے ہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ۱۴۲۴ق، ج۱، ص۴۲۵)

اکابرین کے نزدیک یہ سورۃ مبارکہ سورۃ القمر کے ساتھ مل کر، موضوع کے حوالے سے ایک جوڑا بناتی ہے، بعض روایات کے مطابق پیغمبر اکرم کی طرف سے اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت دینے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اسی سورت کو بلند آواز کے ساتھ حرم میں تلاوت فرمائی۔ سورہ نجم ۶۲ آیات ۳۵۹ کلمات اور ۱۴۳۲ حروف پر مشتمل ہے۔ اس سورت کا شمار بھی مُفَصلات میں ہوتا ہے اور حجم کے اعتبار سے یہ سورت تقریبا نصف حزب کے برابر ہے۔ اس سورۃ کا نام "نجم" ہے جو کہ اس سورۃ کی پہلی آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے۔

سورۃ نجم کے فضائل :

• سیدنا عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سجدہ والی سورۃ " سورۃ النجم " ہے۔ رسول اللہ نے (اس کی

تلاوت کے بعد) سجدہ کیا اور جتنے لوگ آپ کے پیچھے تھے سب ہی نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا، سوائے ایک شخص کے، میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھائی اور اسی پر سجدہ کر لیا، بعد میں (بدر کی لڑائی میں) میں نے اسے دیکھا کہ کفر کی حالت میں وہ قتل کیا ہوا پڑا ہے اور وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔ (صحیح بخاری : ۴۸۶۳)

• عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے سورۃ النجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے اور تمام مشرکوں اور جنات و انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔ (صحیح بخاری : ۴۸۶۲)

• عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت دینے کے بعد سب سے پہلے سورۃ النجم کو بلند آواز کے ساتھ حرم میں تلاوت فرمایا۔

(روح المعانی : سورۃ النجم : ۱۴/۶۳)

اہل تشیع کے ہاں اس سورۃ کے فضائل یوں بیان ہوتے ہیں کہ

• سورۃ النجم کی تلاوت کرنے والا لوگوں میں محبوب ہو گا۔ (البرہان فی تفسیر القرآن، ۱۳۸۹ش، ج۵، ص۱۸۵)

• اور یہ کہ جو شخص اس سورۃ کی ہر رات یا ہر روز تلاوت کرے گا یہ شخص لوگوں کے درمیان شائستہ زندگی گزارے گا اور وہ لوگوں میں محبوب ہو گا۔ (مجمع البیان، ج۲۳، ص۳۷۰)

زمانہ نزول :

یہ سورۃ مبارکہ ۵ نبوی میں ماہ رجب میں ہونے والی پہلی ہجرت حبشہ کے بعد رمضان المبارک میں نازل ہوئی، رسول اللہﷺ نے اسے حرم میں کفار کے عام مجمع میں پڑھا اور یہ رسول اللہﷺ کی دعوت کا اعلانیہ تھا۔ جب تمام کفار و مشرکین نے اس سورۃ مبارکہ کی آیات سنی، بلکہ یوں کہیں کہ ادھر موجود تمام جن و انس نے جب یہ آیات بینات سنی تو اسکی تاثیر کہ وجہ سے بے ساختہ سجدے میں گر گئے، سوائے امیہ بن خلف کے۔

اس واقعے کی خبر مہاجرین تک اس شکل میں پہنچی کہ اہل مکہ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اس خبر کو سن کر ان میں سے کچھ لوگ شوال کے مہینے میں مکہ واپس آ گئے۔ مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ظلم کی چکی اسی طرح چل رہی ہے جس طرح پہلے چل رہی تھی۔ آخر کار دوسری ہجرت حبشہ واقع ہوئی جس میں پہلی ہجرت سے بھی زیادہ لوگ مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔

اس طرح یہ بات قریب قریب یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ سورۃ مبارکہ رمضان المبارک ۵ نبوی میں نازل ہوئی۔

مضامین :

مضامین کی فہرست لکھنے سے قبل ایک بات واضح کرتا چلوں کہ یہ مضامین سورۃ مبارکہ کی آیات کے ہیں، نہ کہ ان کی تفسیر میں آنے والے ضمنی موضوعات کی فہرست۔

- غار حرا کا واقعہ
- آپﷺ کو وحی کے بغیر لب کشائی کرنے سے مبرا قرار دینا
- واقعہ معراج اور سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ اور دیگر نشانیوں کا مشاہدہ
- بتوں کی پوجا اور فرشتوں کے متعلق غلط عقائد پر مشرکین کی مذمت
- سفارش اور وسیلہ کی حقیقت
- مشرکین کیلئے بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہونا اور ہر ایک کا اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا
- انسان کو وہی کچھ دیا جاتا ہے جس کیلئے تگ و دو کرتا ہے
- حق کے ساتھ عناد اور دشمنی میں اصرار اور لجاجت کرنے والے گذشتہ امتوں کی داستانیں
- معاد اور اس کی دلیل

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿١﴾

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔

تفسیر :

اس سورۃ مبارکہ میں رب کریم قسم ارشاد فرمائی ہے، قسم کے متعلق ہم پچھلی سورتوں میں پڑھ چکے۔ سورۃ الطور کا اختتام اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے ڈوبنے سے کیا اور پھر اس سورۃ مبارکہ کا آغاز بھی ستارے کے ذکر سے کیا۔ اب اس ستارے سے کیا مراد ہے؟

أبو جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبری (ابن جرير طبری) (المتوفیٰ ۳۱۰ھ) جو کہ عہد عباس کے مشہور مفسر مورخ تھے، اپنی تفسیر جامع البيان فی تفسير القرآن میں کہتے ہیں کہ ستارے کے جھکنے سے مراد فجر کے وقت ثریا ستارے (Pleiades) کا غائب ہونا ہے۔ (تفسیر ابن جریر الطبری :۱۱/۵۰۳)

بعض مفسرین کے نزدیک اس سے زہرہ ستارہ (Venus) مراد ہے، اور بعض مفسرین کے نزدیک اس سے عام ستارے مراد ہیں۔
عبدالسلام بن محمد بھٹوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۱۴۴۵ھ) کہتے ہیں کہ جس طرح تمام ستارے اپنے اپنے مدار میں چلتے ہیں، اپنی مقررہ جگہ سے طلوع ہوتے اور مقررہ جگہ غروب ہوتے ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چل

رہے ہیں، اس سے ذرہ برابر ادھر ادھر نہیں ہوتے، حتیٰ کہ وحی الٰہی کے بغیر بولتے بھی نہیں اور ستاروں کے احوال میں سے غروب کا وقت خاص طور پر ذکر کرنے کی مناسبت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ عظیم مخلوق مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے۔ اپنی تمام تر وسعت، روشنی اور چمک کے باوجود اس کی مجال نہیں کہ غروب ہونے اور ڈوبنے سے انکار کر سکے۔ (تفسیر عبدالسلام بھٹوی)

تیسرا قول اس حوالے سے ضحاک بن مزاحم (المتوفیٰ ۱۰۲ھ) کا ہے جو کہ ثقہ راوی بھی ہیں اور مفسر بھی۔ ان کے نزدیک اس آیت سے یہاں شہاب ثاقب مراد ہیں کہ جب شیاطین آسمان پر کوئی بات سننے کے لئے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گرتے ہیں جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں اور اپنے مقاصد کو پورا نہیں کر پاتے۔ قرآن مجید میں ان کے بارے آتا ہے کہ

- إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ (۶) وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ (۷) لَّا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ (۸) دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ (۹) إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (۱۰)

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔ اور حفاظت کی سرکش شیطان سے۔عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لئے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے، بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں۔ بھگانے کے لئے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (فورا ہی) اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔ (الصافات : ۶ تا ۱۰)

• وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا (٨) وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا (٩)

اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پر پایا۔ اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لئے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے، اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔ (الجن : ٨ تا ٩)

رسول کریمﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو سن کر جھکتے ہوئے عاجزی کرتے ہوئے اپنے بازو پھڑپھڑاتے ہیں۔ اللہ کا فرمان انہیں اس طرح سنائی دیتا ہے جیسے صاف چکنے پتھر پر زنجیر چلانے سے آواز پیدا ہوتی ہے (یعنی ہیبت ناک آواز پیدا ہوتی ہے)۔ پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ آپس میں پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ؟ وہ کہتے ہیں کہ حق بات کا حکم فرمایا اور وہ بہت اونچا، سب سے بڑا ہے پھر ان کی یہی گفتگو چوری چھپے سننے والے شیطان سن بھاگتے ہیں، شیطان آسمان کے نیچے یوں نیچے اوپر ہوتے ہیں۔ سفیان نے اس موقع پر ہتھیلی کو موڑ کر انگلیاں الگ الگ کر کے شیاطین کے جمع ہونے کی کیفیت بتائی کہ اس طرح شیطان ایک کے اوپر ایک رہتے ہیں۔ پھر وہ شیاطین کوئی ایک کلمہ سن لیتے ہیں اور اپنے نیچے والے کو بتاتے ہیں۔ اس طرح وہ کلمہ ساحر یا کاہن تک پہنچتا ہے، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ یہ کلمہ اپنے سے نیچے والے کو بتائیں آگ کا گولا انہیں آ دبوچتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ بتا لیتے ہیں تو آگ کا انگارا ان پر پڑتا ہے۔ اس کے بعد کاہن اس میں

سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے (ایک بات جب اس کاہن کی صحیح ہو جاتی ہے تو ان کے ماننے والوں کی طرف سے) کہا جاتا ہے کہ کیا اسی طرح ہم سے فلاں دن کاہن نہیں کہا تھا، اسی ایک کلمہ کی وجہ سے جو آسمان پر شیاطین نے سنا تھا کاہنوں اور ساحروں کی بات کو لوگ سچا جاننے لگتے ہیں۔ (صحیح بخاری : ۴۸۰۰)

ایک اور قول یہ ہے کہ یہاں ستارے سے مراد قرآن مجید ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس کے شاگرد شیخ القرآء و المفسرین مجاہد بن جبیر (المتوفیٰ ۱۰۳ھ)، جو کہ ایک طرح سے امام وقت بھی تھے، انکی پیدائش سیدنا عمر فاروق کے دور خلافت میں ہوئی۔ کئی جلیل القدر اصحاب رسول سے انہوں نے استفادہ کیا، جن میں سیدنا عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، ابو سعید خدری، ابو هریره، سعد بن ابی وقاص اور سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب جیسے اصحاب بھی شامل ہیں، اس کے علاوہ انہوں ام المومنین سیدہ جویریہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ سے بھی علم حاصل کیا۔
(شذرات الذہب : ۱۲۵/۱) مجاہد یہاں فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں جس ستارے کے اترنے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد ہے قسم ہے قرآن مجید کی کہ جب وہ نازل ہو۔ اسی طرح کا قول ایک اور بڑی شخصیت کا بھی ہے جنہیں ہم الامام الشہید زید بن علی بن حسین (المتوفیٰ ۱۰۱ھ) کے نام سے جانتے ہیں، سید الشہداء امام حسین کے پوتے، امام محمد الباقر کے برادر، اسماعیلی شیعوں کے پانچویں امام ہیں اور امام ابو حنیفہ کے استاد گرامی ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اترنے/نازل ہونے کی قسم اٹھائی ہے۔

ایک اور قول اس آیت مبارکہ کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب حافظ اللہ تعالیٰ کا ہے جو اپنی کتاب فلسفہ معراج النبی میں اس آیت کی تفسیر پر بہت لمبی چوڑی بحث کرتے ہیں اور اس آیت مبارکہ کے کئی تراجم اور کئی تفاسیر بیان کرتے ہیں جو کہ بہت کمزور محسوس ہوتی ہیں لیکن صفحہ نمبر ۲۶۱ پر انہوں نے جو ترجمہ پیش کیا، وہ ذرا ہٹ کر اور سمجھ میں آنے والا بھی تھا کہ یہاں سفر اسراء و المعراج کی سرعت رفتاری مراد ہے اور کہتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ستارے محمد مصطفیٰﷺ کی جو زمین سے اور مکان کی ساری وسعتیں اور منزلیں اتنی تیزی سے اور تیز رفتاری سے طے کر گیا اور پھر زمین کی طرف واپس پلٹا کہ جو سفر ہزاروں لاکھوں سالوں میں بھی پورا نہیں ہونا تھا، آنِ واحد میں اس طرح مکمل ہوا کہ اس دروازے کی کنڈی ویسے ہی ہل رہی تھی۔ یعنی ان کے نزدیک رب العالمین نے یہاں رسول اللہﷺ کی قسم اٹھائی ہے کہ وہ اتنی تیز رفتاری سے اپنا سفر اسراء و المعراج مکمل کرکے واپس زمین پر اتر آئے۔

ایک اور قول امام جعفر الصادق بن محمد الباقر بن زین العابدین بن سید الشہداء حسین کا اس آیت مبارکہ کے متعلق ہے کہ اس آیت سے مراد ہے کہ محمد مصطفیٰﷺ کی قسم کہ جب وہ شب معراج کو زمین پر واپس اترے۔ (تبیان القرآن) (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۷۸) (البحر المحیط ج ۱۰ ص ۹) (روح البیان ج ۹ ص ۲۴۹) (روح المعانی جز ۲۷ ص ۷۰)

واللہ اعلم باالصواب

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿۲﴾

تمہارے صاحب نہ تو راہ بھولے اور نہ بے راہ چلے۔

تفسیر :

رسول اللہﷺ کے مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ رسول اللہﷺ تو بہک گئے ہیں، رسول اللہﷺ نے قرآن مجید کے متعلق جھوٹ بولا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، رسول اللہﷺ نے یہ چیز دیگر مذاہب کے ماہرین سے سیکھی اور پھر اپنا نیا دین ایجاد کر لیا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کے اعتراضات آج کے ملحدین بھی کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے عیسائیوں کے عالموں سے انجیل پڑھی اور پھر خود کو نبی declare کردیا اور خود سے ایک کتاب گھڑی جسے وہ وحی الٰہی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے محبوب کے دفع میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے صاحب یعنی محمد مصطفیٰﷺ نہ تو کبھی صراط مستقیم سے بہکے اور نہ ہی کبھی غلط راستے پر چلے۔ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمھارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق وکردار تمہارا جانا پہچانا ہے۔ راست بازی اور امانت داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا ؟ بلکہ یہ مشرکین خود رسول اللہﷺ کی صداقت کی گواہی دیتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں، جب یہ آیت "اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔ " نازل ہوئی تو رسول اللہﷺ باہر تشریف

لائے اور صفا پر چڑھ کر آواز دینے لگے ”یا بنو فہر! بنو عدی!“ آپ نے قریش کے قبیلوں کو آواز دی، حتی کہ وہ سب جمع ہو گئے، اگر کوئی آدمی خود نہیں آ سکتا تھا تو اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تھا تا کہ وہ دیکھے کہ کیا معاملہ ہے، چنانچہ ابو لہب اور قریشی بھی آ گئے، آپﷺ نے فرمایا مجھے بتاؤ، اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آنے والا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اس وادی کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے، کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں، کیونکہ ہم نے آپ کو سچا ہی پایا ہے۔ پھر رسول اللہﷺ نے فرمایا پس پھر میں تمہیں سخت عذاب سے، جو تمہارے سامنے آرہا ہے، تمہیں اس سے ڈراتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۵۸۴۶)

چالیس سال تک یہ لوگ رسول اللہﷺ کو صادق و امین مانتے رہے، اب چالیس سال کے بعد جب وہی صادق و امین نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور تمہیں غلط کاموں سے روک کر اعمالِ صالحہ کی دعوت دے رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے۔ ضلالت، راہ حق سے وہ انحراف ہے جو جہالت اور لاعلمی سے ہو اور غوایت، وہ کجی ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خوبصورت آیت کریمہ میں دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ بیان فرما دی۔

اس آیت میں آج کے دور کے مسلمانوں کیلئے بھی تنبیہ ہے کہ اپنا رول ماڈل اسے بنائیں کہ جو شخص نہ تو کبھی بہکا اور نہ ہی بے

راہ چلا۔ گلی محلے کے نانگے پیر فقیر اور خود ساختہ اولیاء اور اپنے اپنے مسلکوں کے علماء اور مفتیوں کے پیچھے آنکھیں بند کرکے چلنے کے بجائے رسول اللہﷺ کے دامن کو پکڑا جائے۔ جو خود رب العالمین کے لاڈلے نبی ہونے کے باوجود کثرت سے توبہ و استغفار کیا کرتے، نیکی و پرہیزگاری میں کوئی کسر نہ چھوڑتے اگر ہم رسول اللہﷺ کے اسوہ کو چھوڑ اپنے بابوں کی راہ پر چلیں گے تو ہمیں یہی درس ملے گا کہ زندگی میں مزے لوٹو، آرام سکون سے زندگی بسر کرو، آخرت میں ہم آپ کی سفارش کردیں گے یا پھر ہمارے بڑے آپ کیلئے خدا سے سفارش کردیں گے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾

اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے (انکی طرف)۔

تفسیر :

ان آیات مبارکہ کے متعلق مختلف مکاتب فکر کے علماء اکرام میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ رسول اللہﷺ کے تمام تر فرمودات وحی الٰہی ہیں اور ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیات رسول اللہﷺ کے چند فرامین مقدسات پر لاگو ہیں اور کچھ پر نہیں۔ پھر ایک طبقہ آتا ہے منکرینِ حدیث کا، جو کہتے ہیں کہ یہ آیات

صرف اور صرف حدیث اللہ یعنی قرآن مجید کیلئے ہیں نہ کہ رسول اللہﷺ کے فرمودات کے متعلق۔

جو طبقہ رسول اللہﷺ کے تمام تر فرمودات مقدسات کو عین وحی الٰہی مانتے ہیں، وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ

• عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں ہر اس حدیث کو جو رسول اللہﷺ سے سنتا یاد رکھنے کے لیے لکھ لیتا، تو قریش کے لوگوں نے مجھے لکھنے سے منع کردیا، اور کہا کیا تم رسول اللہﷺ سے ہر سنی ہوئی بات کو لکھ لیتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہﷺ بشر ہیں، غصے اور خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں، تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا، پھر رسول اللہﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا ۔

(سنن ابو داؤد : ۳۶۴۶) (سنن الدارمی : ۵۰۱)

• سیدنا ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ آپ ہم سے مذاق بھی فرمال لیتے ہیں، حضور اقدسﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں مگر میں کبھی جھوٹ بات نہیں کہتا۔ (شمائل الترمذی : ۲۲۴)

• سیدنا انس کہتے ہیں، کہ کسی شخص نے حضور اقدسﷺ سے درخواست کی، کوئی سواری کا جانور مجھے عطا فرما دیا جائے۔ حضور اقدسﷺ نے فرمایا کہ ایک اونٹنی کا بچہ تم کو دیں گے۔ سائل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہﷺ میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟

حضور اقدسﷺ نے فرمایا کہ ہر اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہوتا ہے۔ (شمائل الترمذی : ۲۲۵)

اور جو دوسرا طبقہ ہے جو کہتے ہیں کہ ان آیات کا اطلاق بعض فرامین گرامی پر ہوتا ہے اور بعض پر نہیں، ان کی تفصیل بعد میں پڑھتے ہیں، پہلے دیکھتے ہیں منکرینِ حدیث کے معاملے کو۔

ان آیات کے اوّلین مخاطب تو کفار مکہ ہیں، مگر یہ آیات چونکہ رسول اللہﷺ کے اقوال کو وحی اور واجب الاتباع قرار دیتی ہیں، لہٰذا منکرین حدیث ان کو مقید بھی کرتے ہیں اور ان کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ مثلاً ایک منکر حدیث یوں کہنے لگا کہ رسول اللہﷺ اپنے گھر جا کر جب اپنی کسی زوجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ’’میرا جوتا لاؤ‘‘ تو کیا یہ بھی وحی ہوتی تھی؟ اور اکثر منکرین اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ کی طرف جو کچھ وحی کی جاتی رہی وہ سب قرآن میں آ گئی ہے۔ اب انکی یہ باتیں اپنے آپ ہی میں کتنی مضحکہ خیز ہیں کہ اگر ہم احادیث کو ترک کردیں تو جس نماز کو ادا کرنے کا حکم قرآن مجید میں لگ بھگ ۷۰۰ مرتبہ آیا ہے، آخر اس کو ادا کرنے کا طریقہ کہاں سے لائیں ؟ مناسک حج ؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان آیات کی تفسیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بہت عمدہ طریقے سے بیان فرمائی۔ ان کے مطابق ان آیات کا اطلاق قرآن مجید پر بدرجہ اولیٰ ہوتا ہے اور مزید یہ فرماتے ہیں کہ رہیں وہ دوسری

باتیں جو قرآن کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوتی تھیں تو وہ لامحالہ تین ہی قسموں کی ہو سکتی تھیں۔ یعنی :

- تشریعی
- اجتہادی
- طبعی (تفہیم القرآن / تیسیر القرآن)

ایک قسم کی باتیں وہ جو آپ تبلیغ دین اور دعوت الیٰ اللہ کے لیے کرتے تھے، یا قرآن مجید کے مضامین اس کی تعلیمات اور اس کے احکام و ہدایات کی تشریح کے طور پر کرتے تھے، یا قرآن ہی کے مقصد و مدعا کو پورا کرنے کے لیے وعظ و نصیحت فرماتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ یہ باتیں اگرچہ لفظاً لفظاً رسول اللہﷺ پر نازل نہیں کی جاتی تھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں رسول اللہﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرما دیا جاتا تھا۔ اسی فرق کی بنا پر قرآن مجید کو وحی جلی اور ان قسم کے فرمودات مقدسات کو وحی خفی کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم کی باتیں وہ تھیں جو آپﷺ مسلمانوں کی جماعت کے قائد و رہنما کی حیثیت سے مختلف نوعیت کے بیشمار فرائض انجام دیتے ہوئے فرماتے، جن میں بسا اوقات آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ بھی لیا ہے، اپنی رائے چھوڑ کر ان کی رائے بھی مانی ہے، ان کے دریافت کرنے پر کبھی کبھی یہ صراحت بھی فرمائی ہے کہ یہ بات میں خدا کے حکم سے نہیں بلکہ اپنی رائے کے طور پر کہہ رہا ہوں، اور متعدد بار ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے اپنے اجتہاد سے

کوئی بات کی ہے اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے خلاف ہدایت آگئی ہے۔ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ

طلحہ بن عبید اللہ سے مروی ہے، اُنھوں نے بیان کیا کہ نبی کریمﷺ کے ساتھ میرا گزر کچھ لوگوں کے پاس سے ہوا جو مدینہ کے باغات میں کھجوروں کے اوپر چڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے یہ دیکھا تو پوچھا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کھجوروں کو گابھا دے رہے ہیں۔ یہ نر کھجور کا شگوفہ مادہ میں ڈالتے ہیں تو وہ حاملہ ہوجاتی ہے۔ رسول اللہﷺ نے یہ سنا تو فرمایا میرا خیال نہیں ہے کہ اِس سے کچھ فائدہ ہوتا ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ اُن لوگوں کو بتایا گیا تو اُنھوں نے اِسے چھوڑ دیا اور یہ عمل نہیں کیا۔ چنانچہ اُس سال پھل بھی نہیں آیا۔اِس کی اطلاع رسول اللہﷺ کو دی گئی تو آپ نے فرمایا دنیا کے معاملات میں جو چیز تمھارے لیے اچھی ہے، اُسے تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ تمھاری آخرت کا معاملہ مجھی سے متعلق ہے۔ اِس طرح پیوند لگانے سے تمھیں کچھ فائدہ ہوتا ہے تو ضرور لگاؤ۔ بات یہ ہے کہ میں تمھاری طرح ایک انسان ہی ہوں، لہٰذا میں نے بس ایک خیال ظاہر کیا تھا اور خیال ٹھیک بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ سو اِس طرح کے معاملات پر مجھے جواب دہ نہ ٹھیراؤ، لیکن میں کوئی بات اللہ کی طرف سے کہوں تو اُس کو ضرور لو، اِس لیے کہ میں اللہ پر ہر گز جھوٹ نہیں باندھوں گا۔

(صحیح مسلم : ۲۳۶۲) (المعجم الکبیر للطبرانی : ۴۴۲۴)

(صحیح ابن حبان : ۲۳) (مسند احمد بن حنبل : ۱۲۵۴۴) (مسند ابی یعلیٰ : ۳۴۸۰، ۳۵۳۱) (سنن ابن ماجہ : ۲۴۷۱) (مسند بزار : ۲۳، ۶۹۹۲) (مسند شاشی : ۷،۹) (مسند طیالسی : ۲۲۷)

ان معاملات میں آپ نے جو باتیں اپنے اجتہاد سے کی ہیں ان میں بھی آپ کا اجتہاد اللہ کو پسند تھا اور علم کی اس روشنی سے ماخوذ تھا جو اللہ نے آپ کو دی تھی۔ اسی لیے جہاں آپ کا اجتہاد ذرا بھی اللہ کی پسند سے ہٹا ہے وہاں فوراً وحی جلی سے اس کی اصلاح کردی گئی ہے۔ آپ کے بعض اجتہادات کی یہ اصلاح بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے باقی تمام اجتہادات عین مرضی الٰہی کے مطابق تھے۔

تیسری قسم کی باتیں وہ تھیں جو آپ بشری حیثیت سے زندگی کے عام معاملات میں کرتے تھے، جن کا تعلق منصبِ نبوت سے نہ تھا، جو آپ نبی ہونے سے پہلے بھی کرتے تھے اور نبی ہونے کے بعد بھی کرتے رہے۔ اس نوعیت کی باتوں کے متعلق کفار سے کوئی جھگڑا سرے سے نہ تھا۔ کفار نے ان کی بنا پر آپ کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ وہ تو رسول اللہﷺ کو صادق و امین مانتے تھے۔ اور ان باتوں کے متعلق میں ان آیات کی تفسیر کے شروع میں کچھ احادیث پیش کرچکا کہ رسول اللہﷺ تو مزاح فرماتے ہوئے بھی غلط بیانی نہ کرتے اور نہ ہی حالت جلال میں اپنی لسان مبارکہ سے کچھ غلط بیان فرماتے۔

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ﴿٥﴾

اسے پوری طاقت والے نے سکھایا۔

تفسیر :

بعض مفسرین اس آیت سے مراد یہ لیتے ہیں کہ شدید قوت و طاقت والے رب نے اپنے بندۂ خاص کو قرآن مجید کا علم دیا۔ لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اس آیت سے یہ ہے کہ رسول اللہﷺ کو پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا، اس موقف پر قرآن مجید کی آیات واضح ثبوت ہیں کہ

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (١٨) ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ (١٩) مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (٢٠)

کہ بےشک یہ قرآن بزرگ رسول کا قول ہے۔ جو عرش والے کے ہاں بڑی قوت والا اور بلند مرتبہ ہے۔ وہاں (فرشتوں کے درمیان) اس کا حکم مانا جاتا ہے اور وہ بااعتماد ہے۔ (التکویر : ١٨ تا ٢٠)

مزید تفصیلات اگلی آیات کی تفسیر میں درج ہیں۔

ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿۹﴾ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴿۱۰﴾

جو زور آور ہے پھر وہ سیدھا کھڑا ہوگیا۔ وہ بالائی افق پر تھا۔ پھر قریب آیا اور نیچے اتر آیا۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہچانی تھی۔نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔

تفسیر :

یہاں غار حرا کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب رسول کریمﷺ کی عمر مبارک چالیس برس ہوئی اور غار حرا میں خلوت نشینی کو تین برس گزر گئے اور رمضان المبارک یا ربیع الاول کی اکیسویں کی مبارک صبح بروز پیر آئی اور جب رب العالمین نے چاہا کہ روئے زمین پر اس کی رحمت کا فیضان ہو تو اس نے جبرائیل امین کو قرآن مجید کی چند آیات دے کر رحمتہ اللعالمینﷺ کے پاس بھیجا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ آپﷺ غار حرا ہی میں قیام پذیر تھے کہ اچانک جبرائیل آپﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یا محمد! پڑھو آپﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، آپﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے

پکڑ کر اتنے زور سے بھینچا کہ میری طاقت جواب دے گئی، پھر مجھے چھوڑ کر کہا کہ پڑھو، میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس فرشتے نے مجھ کو نہایت ہی زور سے بھینچا کہ مجھ کو سخت تکلیف محسوس ہوئی، پھر اس نے کہا کہ پڑھ**!** میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے تیسری بار مجھ کو پکڑا اور تیسری مرتبہ پھر مجھ کو بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ پڑھو

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (١) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (٢) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (٣)

اپنے رب کے نام کی مدد سے جس نے پیدا کیا اور انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور آپ کا رب بہت ہی مہربانیاں کرنے والا ہے۔ (العلق : ١ تا ٣)

پس یہی آیتیں آپﷺ جبرائیل سے سن کر اس حال میں غار حرا سے واپس ہوئے کہ آپﷺ کا دل اس انوکھے واقعہ سے کانپ رہا تھا۔

(صحیح بخاری : ٣)

یہ تو ہم نے پہلی وحی کے نزول کا محض بیک گراؤنڈ پڑھا تاکہ ان چھ آیات کی تفسیر میں آنے والی باتیں آسانی سے ہمارے دل و دماغ میں اتر سکیں۔ ویسے اگر محض واقعہ جاننے کیلئے ان آیات کا صرف ترجمہ ہی پڑھ لیا جائے تو کافی ہوگا اور اسکی تفصیل کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ یہاں بہت جامع الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ کیسے سیدنا جبرائیل امین بارگاہِ الٰہی سے پیغام الٰہی لے کر افق الاعلیٰ پر اپنی اصل شکل و صورت میں جلوہ افروز ہوئے اور پھر

وہاں سے نیچے اترے اور جبل نور کی چھوٹی سی غار، جسے غار حرا کہا جاتا ہے میں داخل ہوئے اور محبوب کا پیغام محبوب تک پہنچایا۔ لیکن اس واضح بیان کے باوجود چند علماء کرام کو مغالطہ ہوا کہ یہاں سیدنا جبرائیل امین کو نہیں بلکہ رسول اللہﷺ نے رب العالمین کو دیکھا۔ اسی طرح کا مغالطہ ایک تابعی کو بھی ہوا جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ

مسروق (تابعی) کہتے ہیں کہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ کی خدمت میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا کہ سیدہ عائشہ نے فرمایا ابو عائشہ ! (یہ مسروق کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کوئی بات کہی، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا، میں نے پوچھا وہ باتیں کون سی ہیں ؟ تو انہوں نے فرمایا جس نے یہ گمان کیا کہ محمدﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا تو (یہ بات سنتے ہی حیرت انگیز انداز میں) سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہا ام المومنین !مجھے (بات کرنے کا) موقع دیجیے اور جلدی نہ کیجیے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا

وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ (۵)

بےشک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا۔ (النجم : ۵)

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ (۱۳)

اور آپﷺ نے اسے ایک اور بار اترتے ہوئے دیکھا۔ (النجم : ۱۳)

سیدہ عائشہ نے فرمایا میں اس امت میں سب سے پہلی ہوں جس نے اس کے بارے میں رسول اللہﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ

یقیناً جبریل ہیں، میں انہیں اس شکل میں، جس میں پیدا کیے گئے، دو دفعہ کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا، ایک دفعہ میں نے انہیں آسمان سے اترتے دیکھا، ان کے وجود کی بڑائی نے آسمان و زمین کے درمیان کی وسعت کو بھر دیا تھا۔

پھر ام المومنین نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ باریک بین ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے اور کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کسی بشر میں طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے ذریعے سے یا پردے کی اوٹ سے یا وہ کسی پیغام لانے والا (فرشتے) کو بھیجے تو وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرے بلاشبہ وہ بہت بلند اوردانا ہے۔ (صحیح مسلم : ۴۳۹)

مسروق تابعی کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ سے عرض کی اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہوگا ؟

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ (٨) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (٩) فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ (١٠)

پھر وہ قریب ہوا اور اتر آیا اور دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم فاصلے پر تھا۔ پھر اس نے اس کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ (النجم : ۸ تا ۱۰)

سیدہ عائشہ نے فرمایا وہ تو جبریل تھے، وہ ہمیشہ آپ کے پاس انسانوں کی شکل میں آتے تھے اور اس دفعہ وہ آپ کے پاس اپنی

اصل شکل میں آئے اور انہوں نے آسمان کے افق(بالائی حصے) کو بھر دیا۔ (صحیح مسلم : ۴۴۲)

اب ہمیں یہ تو پتہ چل گیا کہ اس صبح کو رسول اللہﷺ نے رب العالمین کو نہیں بلکہ جبرائیل امین کو اصل شکل و صورت میں دیکھا تھا، اب یہ دیکھتے ہیں کہ جبرائیل امین کو رسول اللہﷺ نے کیسا بیان فرمایا ؟

زر بن حبیش سے سورۃ النجم کی آیت کے متعلق سوال کیا گیا

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (٩)

وہ دو کمان کے برابر فاصلے پر تھے یا اس سے بھی زیادہ قریب تھے. (النجم : ۹)

زر نے نواب دیا کہ مجھے عبد اللہ بن مسعود نے خبر دی کہ رسول اللہﷺ نےجبریل کو دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے (جو افق الاعلیٰ پر چھائے ہوئے تھے)۔ (صحیح مسلم : ۴۳۲، ۴۳۴، ۴۳۳)

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ﴿١١﴾ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ﴿١٢﴾

نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ شامل نہ کیا۔ کیا تم اس بات پر جھگڑتے ہو جسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ؟

تفسیر :

اس آیت مبارکہ کے متعلق سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے سیدنا جبرائیل امین کو دیکھا اور ان کے چھ سو پر تھے۔ (صحیح مسلم : ۴۳۳)

یعنی جو کچھ آنکھ نے دیکھا وہ یہ تھا کہ اس نے جبرائیل کو اپنی اصل شکل میں دیکھا۔ دن کی روشنی میں دیکھا، عالم بیداری میں دیکھا، ان کے چھ سو پر ہیں۔ ایک پَر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا۔ اس کو رسول اللہﷺ کے دل سے جھٹلایا نہیں بلکہ اللہ کی اس عظیم قدرت کو تسلیم کیا۔

آج کل کے ملحدین یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے آخری پیغمبر کو ایک دماغی مرض تھا، جسے شیزوفرنیا کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے پیغمبر کا یوں کسی فرشتے کو دیکھنا، آسمانوں کی سیر کے قصے سنانا، جنت و دوزخ دیکھنا وغیرہ وغیرہ، سب اس بیماری کے باعث تھا۔ (معاذ اللہ)

آگے بڑھنے سے پہلے آئیں جانتے ہیں کہ آخر شیزوفرنیا (*schizophrenia*) جسے شقاق دماغی بھی کہا جاتا ہے، اصل میں

ہوتا کیا ہے اور اس بیماری میں مبتلا شخص کی کیفیات کیسی ہوتی ہیں ؟

اب تک کی تحقیق کے مطابق شیزوفرینیا کو ایک ایسی بیماری کہا جاتا ہے جو وراثی (genetic) اور مختلف ماحولیاتی عوامل کے سبب پیدا ہونے والے عصبی قطع ربط (neural disconnection) کی وجہ سے نمودار ہوتی ہے۔ دماغی تفریسہ (scan) اور نسیجیات (histology) کے مطالعے پر اکثر دماغی فضاؤں (بطین ventricule) اور دیگر مقامات پر نقص بھی شناخت کیے جا سکتے ہیں۔ شیزوفرینیا کو کوئی ایک بیماری نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ جس طرح کینسر/سرطان میں مختلف قسم کی بیماریاں شامل ہوتی ہیں اسی طرح شیزوفرینیا بھی کئی اقسام کی دماغی کیفیات کا ایک مجموعہ ہے۔

علامات :

• شیزوفرینیا کا حامل شخص، غیر موجود کو دیکھ سکتا ہے، کوئی بات نا کر رہا ہو تب بھی آوازوں کو سن سکتا ہے جو اس سے گفتگو بھی کرسکتی ہیں۔ یہ تمام علامات اصل میں خطائے حس (*hallucinations*) میں شمار کی جاتی ہیں۔

• اگر آواز دلچسپ ہو تو وہ اس پر ہنس سکتا ہے (جسے عام لوگ بلاوجہ کی ہنسی سمجھتے ہیں)، وہ آوازوں سے بات کر سکتا ہے اور آوازیں اسے خوفزدہ اور پریشان بھی کرسکتی ہیں۔

• شیزوفرینیا میں مبتلا شخصیت کا مرض اگر شدت پر ہو تو عام لوگ اسے پاگل بھی سمجھ سکتے ہیں۔

• فقدان گفتار (*poverty of speach*) یعنی الفاظ کی ادائیگی، انکا تسلسل، ان میں پیش کردہ خیال اور ان کے لیے آواز، ان میں سے ایک چند یا تمام متاثر ہو سکتے ہیں۔

• عدمِ تحریک (*loss of motivation*) یعنی متاثرہ فرد میں کسی کام میں دلچسپی باقی نہیں رہتی، اپنی صحت کو برقرار رکھنے یا اس پر توجہ دینے جیسے معاملات نظر انداز کرتا ہے اور عموما اپنی حالت میں کسی تبدیلی کے امکانات کے بارے میں اپنا ادراک کھو دیتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا ان علامات میں سے کوئی علامت سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ میں پائی جاتی بھی تھی یا نہیں ؟

پہلی علامت یہ پڑھی ہم نے کہ شیزوفرنیا کا مریض *hallucinations* اور حقیقت میں فرق نہیں کرسکتا، طرح طرح کی غیبی آوازیں سنتا ہے۔ اب ملحدین سے یہاں counter question یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو شیزوفرنیا بھی ہو اور پھر وہ ایسا جملہ بھی ارشاد فرمائے کہ

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ (١١)

نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ شامل نہ کیا۔

(النجم : ١١)

یہ دونوں علامات بیک وقت ایک شخص میں نہیں پائی جا سکتی کہ وہ شیزوفرینیا کا شکار بھی ہو اور ساتھ ہی ساتھ غیر معمولی مشاہدات کے متعلق یہ کہے کہ نظروں نے جو بھی دیکھا دل نے اس میں کچھ شامل نہیں کیا کیونکہ شیزوفرنیا کا مریض تو حقیقت اور غیر حقیقت میں فرق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور اس علامت کے رد کیلئے رسول اللہﷺ کے معجزات ہی کافی ہیں کہ جنہیں اس دور کے غیر مسلمانوں نے بھی دیکھا۔

پھر آتی ہے علامت فقدان گفتار، رسول اللہﷺ کے فرمودات مقدسات تو بعد میں، اگر ہم صرف قرآن مجید ہی کا مطالعہ تعصب کی عینک اتار کر کریں تو یہ بات واضح ہو جائے کہ اس کتاب کے مصنف کو شیزوفرنیا ہے یا نہیں، مکمل قرآن مجید تو بعد کی بات ہے اگر صرف اس سورۃ النجم ہی کا مطالعہ کرلیا جائے اور اس کا rhythm اور پھر اس کتاب الٰہی میں سائینسی حقائق کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ دیکھا جائے تو کسی بھی زاویے سے صاحب عقل سلیم کو یہ نہیں لگے گا کہ اس کتاب کو لکھنے والا (جیسا کہ ملحدین کا ماننا ہے کہ یہ قرآن رسول اللہﷺ کی تصنیف ہے) کسی بھی قسم کے دماغی مرض میں مبتلا ہے۔

اگلی علامت ہے عدم تحریک، اس بات کا تو ہمارا بچہ بچہ جواب دے سکتا ہے کہ محمدﷺ تو وہ تھے جنہوں نے ایک ایسی تحریک

چلائی کہ جو مکہ معظمہ کے ریگستانوں سے پھیلنا شروع ہوئی اور رسول اللہﷺ ہی کے زمانے میں ہند اور افریقہ تک جا پہنچی اور پھر بعد ازاں اس سے بھی آگے۔

اس طرح کی باتیں اور ذاتِ محمد مصطفیٰﷺ پر اعتراضات کوئی نئے نہیں ہیں بلکہ یہ شروع سے چلے آرہے ہیں۔ اس زمانے میں ان بے جوڑ بکواسات کا علم قریش نے اٹھا رکھا تھا اور آج کے دور میں وٹس ایپ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ملحدین نے۔

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴿١٣﴾ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ﴿١٤﴾ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ﴿١٥﴾ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ﴿١٧﴾

اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔ جس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے۔ جب اس سدرہ کو وہ چیز ڈھانک رہی تھی جو اسے ڈھانک رہی تھی۔ اور اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی (جس کو تکنا تھا اسی پر جمی رہی)

تفسیر :

سیدنا عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے سیدنا جبریل کو ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ جب آپﷺ نے خود جبریل سے مطالبہ کیا تو انھوں نے اپنی اصلی

صورت دکھائی، جس سے افق بھر گیا اور دوسری بار جب آپﷺ اسراء و معراج کے موقع پر ان کے ساتھ روانہ ہوئے--------جب سیدنا جبریل نے اپنے ربّ کو محسوس کیا تو انھوں نے اپنی اصلی صورت اختیار کر لی اور سجدے میں گر پڑے۔ (مسند احمد : ۸۷۶۵)

ان آیات بینات میں بتایا گیا کہ نبی کریمﷺ نے تو جبرائیل امین کو ایک اور مقام پر بھی اصل صورت میں دیکھا تھا، سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر جو کہ بعض روایات کے مطابق چھٹے اور بعض روایات کے مطابق ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے اور اسکا پھل حجر کے مٹکوں کے مانند تھا اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح۔ یہاں سے چار نہریں بہتی ہیں، جن میں سے دو باطنی ہیں جو کہ جنت میں بہتی ہیں اور دو ظاہری نہریں ہیں جو روئے زمین پر آتی ہیں اور یہ دریا دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔ (صحیح بخاری : ۳۸۸۷) (مشکوٰۃ المصابیح : ۵۸۶۲) (المستدرک الحاکم : ۲۷۲)

یہی وہ مقام ہے جہاں زمین سے اٹھنے والی چیزوں کی انتہاء ہے یعنی مخلوقات کے علم، شہداء کی روحوں اور زمین سے اوپر چڑھنے والے تمام اعمال کی انتہا ہے، یعنی وہ جگہ تمام آسمانوں اور زمین کے اوپر ہے، وہاں مخلوقات کی بلندی کی انتہا ہے یعنی سادہ فہم الفاظ میں کہیں تو اس مقام سے آگے مخلوقات کیلئے ممنوع ہے، اس سے آگے کیا ہے ؟ یہ کوئی نہیں جان سکتا۔ یہیں پر رسول اللہﷺ کو تین ایسے انعامات سے نوازا گیا کہ اس سے قبل کسی نبی و رسل کو نہیں نوازا۔

• رسول اللہﷺ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں

• سورۃ البقرہ کی خواتیم (آخری آیات) نازل کی گئیں

• اور آپ کی امتیوں میں سے جنہوں نے اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا، ان کے مہلک و بھیانک گناہ بھی بخش دیئے گئے

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ

جب اس سدرہ کو وہ چیز ڈھانک رہی تھی جو اسے ڈھانک رہی تھی۔ (النجم : ۱۶)

عبداللہ ابن مسعود نے یہ آیت پڑھ کر کہا السدرہ (بیری کا درخت) چھٹے آسمان پر ہے، سفیان کہتے ہیں کہ سونے کے پروانے ڈھانپ رہے تھے اور سفیان نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے انہیں چونکا دیا (یعنی تصور میں چونک کر ان پروانوں کے اڑنے کی کیفیت دکھائی)۔ (جامع الترمذی : ۳۲۷۶)

عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ (۱۵)

جہاں پاس ہی جنت الماوی ہے۔ (النجم : ۱۵)

اب رہی جنت الماویٰ کی، تو قرآن مجید میں جنتوں کے مختلف نام آئے ہیں یا یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ قرآن مجید میں جنتوں کے مختلف مراتب و درجات بیان ہوئے ہیں، جیسا کہ جنت عدن، جنت الفردوس اور جنت النعیم، اسی طرح سدرۃ المنتہیٰ کے پاس والی جنت کو قرآن مجید میں جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ کہا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر قرآن مجید میں جنت الماویٰ کا تذکرہ آیا ہے کہ

أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (١٩)

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال بھی کیے ان کے لئے جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ ہیں، مہمانداری ہے ان کے اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے۔ (السجدہ : ١٩)

ماویٰ کے معنی ہمیشہ کا ٹھکانا اور آرام کی جگہ، جنت کو ماوی اس لئے فرمایا کہ انسان کا اصل اور ہمیشگی کا ٹھکانا اور مقام یہی ہے، یہیں آدم و حوا (علیہما السلام) کی تخلیق ہوئی ہے، یہیں سے ان کو زمین پر اتارا گیا اور پھر یہیں اہل تقویٰ و ایمان اور شہداء و صالحین کا مقام ہوگا۔

لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴿١٨﴾

یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

تفسیر :

رسول اللہﷺ نے اسراء و المعراج کے موقع پر اپنے رب کی بعض بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ ان بہت بڑی نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی تو جبریل امین ہیں، اس کے علاوہ احادیثِ معراج میں اور بہت سی نشانیوں کا ذکر ہے جنھیں آپﷺ نے اس موقع پر دیکھا۔ ان میں براق، ساتوں آسمانوں کے عجائبات اور ان پر انبیائے کرام کی

ملاقات، دجال، سدرۃ المنتہیٰ، جنت و جہنم، جہنم کا خازن مالک، نہر کوثر، بیت المعمور، چار دریا، وہ بلند ہموار جگہ جس پر چڑھے تو قلموں کے چلنے کی آوازیں سنیں اور دوسری نشانیاں شامل ہیں۔

چونکہ یہاں واقعہ معراج کا تذکرہ ہوا تو میں چاہتا ہوں کہ سفر معراج اور جدید سائنس کے حوالے سے کچھ توجیہات پیش کردوں، آیت کی تفسیر یہاں تک مکمل ہوچکی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ موجودہ سائنس انسانی شعور کے ارتقاء کا عروج ہے لیکن سائنسدان اور دانشور یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں کہ انسان قدرت کی عطا کردہ صلاحیتوں کا ابھی تک صرف پانچ فیصد حصہ استعمال کرسکا ہے، قدرت کی عطا کردہ بقیہ پچانوے فیصد صلاحیتیں انسان سے پوشیدہ ہیں۔ وہ علم جو سو فیصد صلاحیتوں کا احاطہ کرتا ہو، اُسے پانچ فیصدی محدود ذہن سے سمجھنا ناممکن امر ہے۔ واقعہ معراج ایک ایسی ہی مسلّمہ حقیقت ہے کہ جدید علم جس کو ابھی تک مکمل سمجھ نہیں پایا۔ معجزات و کرامات کی حقیقت مشاہدے اور فطری قوانین سے مکمل بیان نہیں جاسکتی کیونکہ یہ مافوق الفطرت ہوتے ہیں لیکن جدید سائنس آج جہاں تک پہنچ چکی ہے ایسے کاموں کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ناممکن اور غیر معقول و محال ہیں۔ واقعہ معراج بعض لوگوں کی سمجھ میں اس لیے نہیں آتا کہ وہ کہتے ہیں کہ ایسے فضائی سفر میں پہلی رکاوٹ کشش ثقل ہے کہ جس پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی وسائل و ذرائع کی ضرورت ہے کیونکہ زمین کے مدار اور مرکز ثقل سے نکلنے کے لیے کم از کم چالیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ رفتار کی ضرورت ہے۔

دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ زمین کے باہر خلا میں ہوا نہیں ہے جبکہ ہوا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

تیسری رکاوٹ ایسے سفر میں اس حصے میں سورج کی جلا دینے والی تپش ہے کہ جس حصے پر سورج کی مستقیماً روشنی پڑ رہی ہے اور اس حصے میں مار ڈالنے والی سردی ہے کہ جس میں سورج کی روشنی نہیں پڑرہی۔

اس سفر میں چوتھی رکاوٹ وہ خطر ناک شعاعیں ہیں کہ فضائے زمین سے اوپر موجود ہیں مثلاً کاسمک ریز (*Cosmic Rays*)، الٹراوائلٹ ریز (*UV Rays*) اور ایکس ریز (*X-Rays*)۔ یہ شعاعیں اگر تھوڑی مقدار میں انسانی بدن پر پڑیں تو اعضائے جسمانی کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں لیکن فضائے زمین کے باہر یہ شعاعیں بہت تباہ کن ہوتی ہیں جبکہ زمین پر رہنے والوں کے لیے زمین کے اوپر موجود فضا کی وجہ سے ان کی تپش ختم ہوجاتی ہے۔

ایک اور مشکل اس سلسلے میں یہ ہے کہ خلا میں انسان بے وزنی کی کیفیت سے دو چار ہو جاتا ہے، اگرچہ تدریجاً بے وزنی کی عادت پیدا کی جاسکتی ہے لیکن اگر زمینی جاندار بغیر کسی تیاری اور تمہید کے خلا میں جا پہنچیں تو بے وزنی سے نمٹنا بہت ہی مشکل یا ناممکن ہے۔

آخری مشکل اس سلسلے میں زمانے کی مشکل ہے اور یہ نہایت اہم رکاوٹ ہے کیونکہ دور حاضر کے سائنسی علوم کے مطابق روشنی کی رفتار ہر چیز سے زیادہ ہے اور اگر کوئی شخص آسمانوں کی سیر کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ ہو۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ روشنی کی رفتار سے بہت کم رفتار پر زمین پر آنے والے شہابئیے ہوا کی رگڑ سے جل جاتے ہیں اور فضاء ہی میں بھسم ہو جاتے ہیں تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ تاجدار کائناتﷺ اتنا طویل سفر پلک جھپکنے میں طے کرسکے۔

مندرجہ بالا اعتراضات کی وجہ سے کچھ بھولے بھالے مسلمانوں نے یہ تاویل کرنی شروع کردی کہ معراج خواب میں ہوئی اور یہ کہ حضورﷺ غنودگی کی حالت میں تھے اور پھر آنکھ لگ گئی اور یہ تمام واقعات عالم رؤیا میں آپﷺ نے دیکھے یا روحانی سفر درپیش تھا۔ جسم کے ساتھ اتنے زیادہ فاصلوں کو لمحوں میں طے کرنا ان کی سمجھ سے باہر ہے۔ حالانکہ اسراء کے معنی خواب کے نہیں جسمانی طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں لفظ "سبحان الذی" سے ابتداء خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غیر معمولی واقعہ تھا، جو فطرت کے عام قوانین سے ہٹ کر واقع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا مقصود تھا۔ لہٰذا رات کے ایک قلیل حصے میں یہ عظیم الشان سفر پیش آیا اور یہ وقت زمان و مکان کی فطری قیود سے آزاد تھا۔ واقعہ معراج اگر خواب ہوتا تو اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ خواب میں اکثر انسان مافوق الفطرت اور محیر العقول باتیں دیکھتا ہی ہے۔

اب آتے ہیں سائنسی توجیہ کی طرف، آئن سٹائن کا نظریہ اضافت یا تھیوری آف ریلیٹویٹی دو حصوں پر مبنی ہے۔ ایک حصہ " نظریہ اضافیت خصوصی" (*Special Theory of Relativity*) کہلاتا ہے جبکہ دوسرا حصہ " نظریہ اضافیت عمومی " (*General Theory*

(*of Relativity*) کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ خصوصی نظریہ اضافیت کو سمجھنے کے لیے ہم ایک مثال کا سہارا لیں گے۔

فرض کیجئے کہ ایک ایسا راکٹ بنا لیا گیا ہے جو روشنی کی رفتار (یعنی تین لاکھ کلومیٹر فی سکینڈ) سے ذرا کم رفتار پر سفر کرسکتا ہے۔ اس راکٹ پر خلاء بازوں کی ایک ٹیم روانہ کی جاتی ہے۔ راکٹ کی رفتار اتنی زیادہ ہے کہ زمین پر موجود تمام لوگ اس کے مقابلے میں بے حس و حرکت نظر آتے ہیں۔ راکٹ کا عملہ مسلسل ایک سال تک اسی رفتار سے خلاء میں سفر کرنےکے بعد زمین کی طرف پلٹتا ہے اور اسی تیزی سے واپسی کا سفر بھی کرتا ہے مگر جب وہ زمین پر پہنچتے ہیں تو انہیں علم ہوتا ہے کہ یہاں تو ان کی غیر موجودگی میں ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے، اپنے جن دوستوں کو وہ لانچنگ پیڈ پر خدا حافظ کہہ کر گئے تھے انہیں مرے ہوئے بھی پچاس برس سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے اور جن بچوں کو وہ حالت شیر خوارگی میں چھوڑ گئے تھے وہ سن رسیدہ بوڑھوں کی حیثیت سے ان کا استقبال کررہے ہیں۔ وہ شدید طور پر حیران ہوتے ہیں کہ انہوں نے تو سفر میں دو سال گزارے لیکن زمین پر اتنے برس کس طرح گزر گئے۔ اضافیت میں اسے " جڑواں تقاقضہ" (*Twins Paradox*) کہا جاتا ہے اور اس تقاقضے کا جواب خصوصی نظریہ اضافیت "وقت میں تاخیر" (*Time Dilation*) کے ذریعے فراہم کرتا ہے۔ جب کسی چیز کی رفتار بے انتہاء بڑھ جائے اور روشنی کی رفتار کے قریب پہنچنے لگے تو وقت ساکن لوگوں کے مقابلے میں سست پڑنا شروع ہو جاتا ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ جب ہماری مثال کے خلائی مسافروں کے لئے ایک سکینڈ گزرا ہو تو

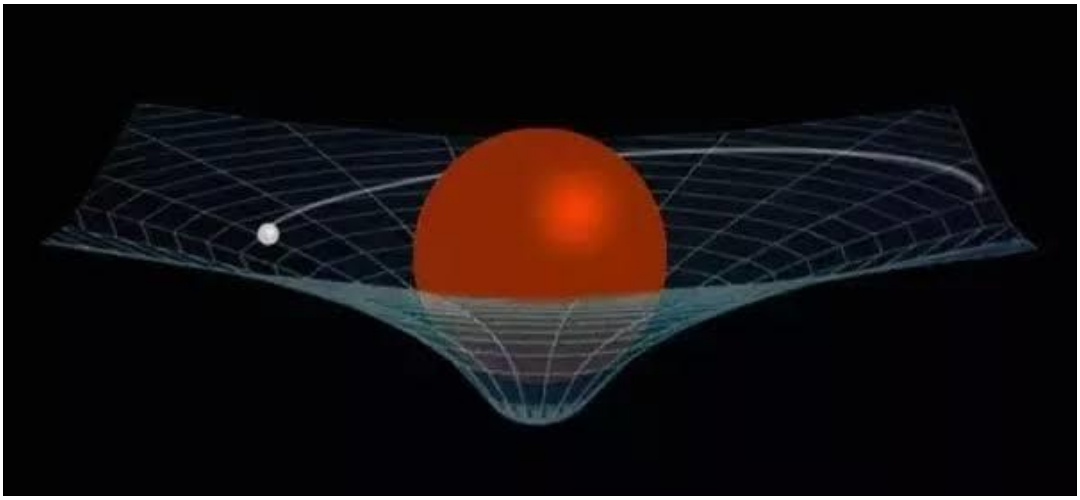
زمینی باشندوں پر اسی دوران میں کئی گھنٹے گزر گئے ہوں۔ اسی مثال کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ وقت صرف متحرک شے کے لئے آہستہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ساکن فرد مذکورہ راکٹ میں سوار اپنے کسی دوست کا منتظر ہے تو اس کے لیے انتظار کے لمحے طویل ہوتے چلے جائیں گے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں آکر ہم نظریہ اضافیت کے ذریعے واقعہ معراج کی توجیہ میں غلطی کر جاتے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ جب آنحضرتﷺ معراج کے سفر سے واپس آئے تو حجرہ مبارک کے دروازے پر لٹکی ہوئی کنڈی اسی طرح ہل رہی تھی جیسے کہ آپﷺ چھوڑ کر گئے تھے۔ گویا اتنے طویل عرصے میں زمین پر ایک لمحہ بھی نہیں گزرا۔ اگر خصوصی نظریہ اضافیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس واقعے کی حقانیت جاننے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہو گا کہ اصلاً زمین پر آنحضرتﷺ کی غیر موجودگی میں کئی برس گزر جانے چاہئیں تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

نظریہ اضافیت ہی کا دوسرا حصہ یعنی "عمومی نظریہ اضافیت" ہمارے سوا ل کا تسلی بخش جواب دیتا ہے کہ عمومی نظریہ اضافیت میں آئن سٹائن نے وقت (زمان) اور خلاء (مکان) کو ایک دوسرے سے مربوط کرکے زمان و مکان (*Time & Space*) کی مخلوط شکل میں پیش کیا ہے اور کائنات کی اسی انداز سے منظر کشی کی ہے۔

کائنات میں تین جہتیں مکانی (*Spatial Dimensions*) ہیں جنہیں ہم لمبائی، چوڑائی اور اونچائی (یا موٹائی) سے تعبیر کرتے ہیں، جب کہ ایک جہت زمانی ہے جسے ہم وقت کہتے ہیں۔ اس طرح

عمومی اضافیت نے کائنات کو زمان و مکان کی ایک چادر (*Sheet*) کے طور پر پیش کیا ہے۔ تمام کہکشائیں، جھرمٹ، ستارے، سیارے، سیارچے اور شہابئیے وغیرہ کائنات کی اسی زمانی چادر پر منحصر ہیں اور قدرت کی جانب سے عائد کردہ پابندیوں کے تابع ہیں۔



انسان چونکہ اسی کائنات مظاہر کا باشندہ ہے لہٰذا اس کی کیفیت بھی کچھ مختلف نہیں ۔آئن سٹائن کے عمومی نظریہ اضافیت کے تحت کائنات کے سی بھی حصے کو زمان و مکان کی اس چادر میں ایک نقطے کی حیثیت سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ اس نظریے نے انسان کو احساس دلایا ہے کہ وہ کتنا بے وقعت اور کس قدر محدود ہے۔

کارل ساگان (*Carl Sagan*) جو ایک مشہور امریکی ماہر فلکیات ہے، اپنی کتاب "کائنات" (*Cosmos*) میں ایک فرضی مخلوق کا تصور پیش کرتا ہے جو صرف دو جہتی (*Two Dimensional*)

ہے۔ وہ میز کی سطح پر پڑنے والے سائے کی مانند ہیں یا شائد یوں جائے کہ میز پر ایک تصویر۔ انہیں صرف دو مکانی جہتیں ہی معلوم ہیں، جن میں وہ خود وجود رکھتے ہیں یعنی لمبائی اور چوڑائی۔ چونکہ وہ ان ہی دو جہتوں میں محدود ہیں لہٰذا وہ نہ تو موٹائی یا اونچائی کا ادراک کرسکتے ہیں اور نہ ہی ان کے یہاں موٹائی یا اونچائی کا کوئی تصور ہے۔ وہ صرف ایک سطح (*Surface*) پرہی رہتے ہیں۔ ایسی ہی کسی مخلوق سے انسان جیسی سہ جہتی (*Three Dimensional*) مخلوق کی ملاقات ہو جاتی ہے، راہ و رسم بڑھانے کے لئے سہ جہتی مخلوق اس دو جہتی مخلوق کو آواز دے کر پکارتی ہے لیکن اس پر دو جہتی مخلوق ڈر جاتی ہے اور سمجھتی ہے کہ یہ آواز اس کے اپنے اندر سے آئی ہے۔ سہ جہتی مخلوق، دو جہتی سطح میں داخل ہو جاتی ہے تاکہ اپنا دیدار کرا سکے مگر دو جہتی مخلوق کی تمام تر حِسیات صرف دو جہتوں تک ہی محدود ہیں۔ اس لیے وہ سہ جہتی مخلوق کے جسم کا وہی حصہ دیکھ پاتی ہے جو اس سطح پر ہے، جس سے وہ مزید خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ اس کا خوف دور کرنے کے لیے سہ جہتی مخلوق دو جہتی مخلوق کو اونچائی کی سمت اٹھا لیتی ہے اور وہ اپنی دنیا والوں کی نظر میں "غائب" ہو جاتا ہے حالانکہ وہ اپنے اصل مقام سے ذرا سا اوپر جاتا ہے۔ سہ جہتی مخلوق اسے اونچائی اور موٹائی والی چیزیں دکھاتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ ایک اور جہت ہے جس کا مشاہدہ وہ اپنی دو جہتی دنیا میں رہتے ہوئے نہیں کرسکتا تھا۔ آخرکار دو جہتی مخلوق کو اس کی دنیا میں چھوڑ کر سہ جہتی مخلوق رخصت ہو جاتی ہے۔ اس انوکھے تجربے کے بارے میں جب یہ دو جہتی مخلوق اپنے دوستوں یا اہل علاقہ کو بتاتی ہے اور کہتی

ہے کہ اس نے ایک نئی جہت کا سفر کیا ہے جسے اونچائی کہتے ہیں، مگر اپنی دنیا کی محدودیت کے باعث وہ اپنے دوستوں کو یہ سمجھانے سے قاصر ہے کہ اونچائی والی جہت کس طرف ہے۔ اس کے دوست اس سے کہتے ہیں کہ آرام کرو اور ذہن پر دباؤ نہ ڈالو کیونکہ ان کے خیال میں اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے یا پھر اسے بھی شیزوفرنیا ہوگیا ہے۔

ہم انسانوں کی کیفیت بھی دو جہتی سطح پر محدود اس مخلوق کی مانند ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہماری طبعی قفس (*Physical Prison*) چہار جہتی ہے اور اسے ہم وسیع و عریض کائنات کے طو پر جانتے ہیں۔ ہماری طرح کائنات میں روبہ عمل طبعی قوانین بھی ان ہی چہار جہتوں پر چلنے کے پابند ہیں اور ان سے باہر نہیں جا سکتے، یہی وجہ ہے کہ عالم بالا کی کائنات کی تفہیم ہمارے لیے ناممکن ہے اور اس جہاں دیگر کے مظاہر ہمارے مشاہدات سے بالاتر ہیں۔

اب ہم واپس آتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف، عالم دنیا یعنی قابل مشاہدہ کائنات اور سماوی کائنات یعنی ہمارے مشاہدے و ادراک سے ماوراء کائنات دو الگ زمانی و مکانی چادریں ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے قریب تو ہو سکتی ہیں لیکن بے انتہاء قربت کے باوجود ایک کائنات میں جو کچھ ہورہا ہے اس کا دوسری کائنات میں ہونے والے عمل پر نہ اثر پڑے گا اور نہ اسے وہاں محسوس کیا جائے گا۔ رسول عربیﷺ زمان و مکان کی کائناتی چادر کے ایک نقطے پر سے دوسری زمانی و مکانی چادر پر پہنچے اور معراج کے مشاہدات کے بعد (خواہ اس کی مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ رہی ہو)

آنحضرتﷺ زمان و مکان کی کائناتی چادر کے بالکل اسی نقطے پر واپس پہنچ گئے جہاں آپﷺ معراج سے قبل تھے اور یہ وہی نقطہ تھا جب نبی کریمﷺ کو دروازے کی کنڈی اسی طرح ہلتی ہوئی ملی جیسی کہ وہ چھوڑ کر گئے تھے۔ معراج کے واقعے میں وقت کی تاخیر کی بجائے زمان و مکان میں سفر (ٹائم ٹریول) والا نظریہ زیادہ صحیح محسوس ہوتا ہے۔

آج کل سائنسی دنیا میں ٹائم ٹریولز یا وقت میں سفر کا تذکرہ عام ہے۔ یہ ایک دلچسپ موضوع ہے جس پر بنی فلمیں عام لوگوں کے لیے سائنس فکشن ہی ہوتی ہیں۔ کیا یہ کہانی سے بڑھ کر بھی کچھ ہے؟ کیا وقت میں سفر ممکن ہے؟ آئیں پہلے آسان لفظوں میں سمجھیں کہ وقت میں سفر *Time travel* کیا ہے۔ ہمیں جو کچھ بھی نظر آتا ہے وہ روشنی کا کسی چیز سے منعکس ہو کر اس کا عکس ہماری آنکھ کے ذریعے اعصاب تک لے جانے کی وجہ سے ہے۔ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل یا تقریباً تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے جس کی وجہ سے ہمیں اطراف کے مناظر فوراً نظر آجاتے ہیں۔ اگر کوئی چیز زمین سے تین لاکھ کلومیٹر دور ہے تو اس سے منعکس ہونے والی روشنی کی کرن ہماری آنکھوں تک ایک سیکنڈ میں پہنچے گی، اس طرح ہمیں وہ چیز ایک سیکنڈ پہلے والی نظر آئے گی۔ سورج کا فاصلہ زمین سے ۱۵۰ ملین کلومیٹر ہے اور اس کی کرن ہم تک تقریباً آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے، دوسرے لفظوں میں ہمیں جو سورج نظر آتا ہے وہ آٹھ منٹ پہلے کا ہوتا ہے۔

ٹائم ٹریول کو سمجھنے کے لیے فرض کریں، اگر ہم روشنی کی دگنی رفتار سے سورج جتنے فاصلے پر موجود کسی ستارے یا

سیّارے پر جا کر پلٹ آئیں تو ہمارا جانا چار منٹ میں اور واپسی بھی چار منٹ میں ہوگی اور کُل سفر آٹھ منٹ میں ہوگا۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہوگی کہ زمین پر پہنچ کر ہم خود اپنے آپ کو واپسی کا سفر کرتے دیکھیں گے! وجہ اس کی یہ ہوگی کہ کیونکہ روشنی کی وہ کرنیں جو ہم سے ٹکرا کے منعکس ہو کر ہماری متحرّک تصاویر لے کر زمین کی طرف آرہی تھیں، اُن کو تو قدرتی طور پر ہماری آنکھ تک پہنچنے میں آٹھ منٹ لگنے ہیں جبکہ ہم اُن سے پہلے (چار منٹ میں) روشنی کی دگنی رفتار کی وجہ سے زمین پر آگئے۔ اس طرح ہمارے متحرّک عکس قدرتی وقت (آٹھ منٹ) میں ہماری آنکھوں میں داخل ہوں گے، جس کی وجہ سے ہم خود کو دیکھ رہے ہوں گے۔ یہی مستقبل یا وقت میں سفر ہے، اسی کو ٹائم ٹریول *Time Travel* کہا جاتا ہے، یعنی روشنی کی رفتار سے زیادہ تیز رفتار سفر جس میں حال *present* پیچھے رہ جاتا ہے۔ جب آپﷺ سفر معراج سے واپس تشریف لائے تو زمین پروقت وہی تھا حالانکہ آپ بہت طویل وقت یہاں سے غیر حاضررہے تھے۔ ظاہر یہی ہوتا ہے کہ آپﷺ نے روشنی کی رفتار سے بھی بہت زیادہ رفتار سے سفر کیا۔ اسی لیئے زمین پر وقت نہیں گزرا اور آپ کی واپسی ہوگئی۔ قرآن میں اس کا تذکرہ اس کے کتابِ الٰہی ہونے کا ثبوت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ انسان وقت میں سفر کرسکے؟ دیکھیے اس دور کے قابل ترین سائنسدان سٹیفن ہاکنگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔

“I do believe in time travel. Time travel to the future. Time flows like a river and it seems as if each of us is

carried relentlessly along by time’s current. But time is like a river in another way. It flows at different in different places and that is the key to travelling into the future. This idea was first proposed by Albert Einstein over 100 years ago” .

” میں وقت میں، مستقبل میں سفر پر یقین رکھتا ہوں۔ وقت ہم سب کو ساتھ میں لیے دریا کی طرح بہتا ہے، لیکن یہ ایک اور طرح سے دریا کی طرح بہتا ہے، یہ مختلف جگہوں پہ مختلف رفتار سے بہتا ہے اور یہی وقت میں سفر کی کلید ہے۔ یہ تصوّر ۱۰۰ سال پہلے آئن اسٹائن نے دیا۔ “

مختصر یہ کہ زمان و مکان میں سفر یعنی وقت کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھنا فی الحال تھیوری میں قابل عمل جدید سائنسی نظریہ ہے جس پر کسی کو اعتراض نہیں، بس انسان کا مسئلہ اس کی علمی اور عملی استعداد ہے جو کہ فی الوقت محدود ہے۔ یعنی اس سفر کے سائنسی لوازمات کے لیے بے حساب علم اور استعداد کی ضرورت ہے۔ اب اس طرف توجّہ دیں کہ اس کائنات کے خالق نے وقت میں سفر کی نہ صرف عملی مثال قائم کی بلکہ اپنے کلام میں اس کا تذکرہ بھی کردیا۔ یہ مثال ۱۴ سو سال قبل سفر معراج میں عملاً دکھائی گئی۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک سپر سائنس یا سپر علم ہمیشہ سے کائنات میں کار فرما ہے جس کی عملی استعداد لامحدود ہے جو ہر کام کر گزرنے کی لامحدود قوّت رکھتی ہے۔ رب العالمین فرماتا ہے کہ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا
الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (۱)

وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصٰی تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بیشک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ (الاسراء : ۱)

جہاں تک معراج کی فضائی سفر کی تمام تر مشکلات کی بات ہے، آج انسان علم کی قوت سے ان پر قابو حاصل کر چکا ہے اور سوائے زمانے کی مشکل کے باقی تمام مشکلات حل ہوچکی ہیں اور زمانے والی مشکل بھی بہت دور کے سفر سے مربوط ہے۔ مسئلہ معراج جو کہ خود اسلام کے مطابق ایک معجزہ ہے جو کہ اللہ کی لامتناہی قدرت و طاقت کے ذریعے ممکن ہوتا ہے اور دیگر انبیاء کرام علیھم السلام کے تمام معجزات اسی قسم کے تھے۔ جب انسان یہ طاقت رکھتا ہے کہ سائنسی ترقی کی بنیاد پر ایسی چیزیں بنالے کہ جو زمینی مرکز ثقل سے باہر نکل سکتی ہیں، ایسی چیزیں تیار کرلے کہ فضائے زمین سے باہر کی ہولناک شعاعیں ان پر اثر نہ کرسکیں اور مشق کے ذریعے بے وزنی کی کیفیت میں رہنے کی عادت پیدا کرلے۔ جب انسان اپنی محدود قوت کے ذریعے یہ کام کرسکتا ہے تو پھر حیرت کی بات ہے کہ کیا اللہ اپنی لامحدود طاقت کے ذریعے یہ کام نہیں کرسکتا؟ چناچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سائنسدان جانتے ہیں کہ ایٹم کے بھی ۱۰۰ چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں (*Sub Atomic Particles*)، ان میں سے ایک نیوٹرینو (*Neutrino*) ہے جو تمام کائنات کے مادے میں سے بغیر ٹکرائے گزر جاتا ہے، مادہ اس کے لیے مزاحمت پیدا نہیں کرتا اور نہ ہی وہ کسی مادی شے سے رگڑ کھاتا ہے، وہ بہت چھوٹا ذرہ ہے اور نہ ہی وہ رگڑ سے جلتا ہے کیونکہ رگڑ تو مادے کی اس صورت میں پیدا ہوگی جب کہ وہ کم از کم ایٹم کی کمیت کا ہوگا۔ سرن لیبارٹری میں تحقیق کرنے والے سائنس دانوں نے ۲۳ ستمبر ۲۰۱۱ کو یہ اعلان کردیا تھا کہ تجربات سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ نیوٹرینو کی رفتار روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ ہے۔

روایات کے مطابق جبرائیل امین نے آپﷺ کو براق پر سوار کیا۔ براق، برق سے نکلا ہے، جس کے معنی بجلی ہیں اور اس کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے۔ اگر کوئی آدمی وقت کے گھوڑے پر سوار ہو جائے تو وقت اس کے لیے ٹھہر جاتا ہے یعنی اگر آپ ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلیں تو وقت رک جاتا ہے کیونکہ وقت کی رفتار بھی یہی ہے، وقت گر جائے گا کیونکہ وقت اور فاصلہ مادے کی چوتھی جہت ہے، اس لیے جو شخص اس چوتھی جہت پر قابو پالیتا ہے کائنات اس کے لیے ایک نقطہ بن جاتی ہے۔ وقت رک جاتا ہے کیونکہ جس رفتار سے وقت چل رہا ہے وہ آدمی بھی اسی رفتار سے چل رہا ہے حالانکہ وہ آدمی اپنے آپ کو چلتا ہوا محسوس کرے گا لیکن کائنات اس کے لیے وہیں تھم جاتی ہے جب اس نے وقت اور فاصلے کو اپنے قابو میں کر لیا ہو۔ اس کے لیے چاہے سینکڑوں برس اس حالت میں گزر جائیں لیکن وقت رکا رہے گا اور جوں ہی وہ وقت کے گھوڑے سے اترے گا وقت کی

گھڑی پھر سے ٹک ٹک شروع کردے گی، وہ آدمی چاہے پوری کائنات کی سیر کرکے آجائے، بستر گرم ہوگا، کنڈی ہل رہی ہوگی اور پانی چل رہا ہوگا۔

اللہ جلّ جلالہ کی قدرتیں لا انتہاء ہیں، وہ ہر بات پر قادر ہے کہ رات کو جب تک چاہے روکے رکھے، اگر وہ روکے تو کوئی اس کی ذات پاک کے سوا نہیں جو دن نکال سکے۔ تو حق تعالیٰ کو پوری قدرت ہے وہ اگر چاہے تو وقت کو روک سکتا ہے۔

اب یہ تو ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک گھر میں بیک وقت بلب جل رہے ہیں، ائیر کنڈیشنر سے ٹھنڈی ہوا آرہی ہے، ٹی وی پر خبریں سُنی جارہی ہیں، فریج میں کھانے کی چیزیں محفوظ کی جارہی ہیں، گرائنڈر میں مسالے پس رہے ہیں، بچے پلے سٹیشن پر گیمز کھیل رہے ہیں وغیرہ وغیرہ اور اتنے میں کسی نے بڑھ کر مین سوئچ آف کردیا، پھر کیا تھا لمحوں میں ہر چیز نے کام کرنا بند کردیا۔ معلوم ہوا کہ یہ تمام کرنٹ کی کار فرمائی تھی۔ پھر جونہی کرنٹ آتا ہے تو ہر چیز پھر سے کام کرنے لگی۔ آج کا انسان ان روزمرہ کے مشاہدات کے پیشِ نظر واقعہ معراج کی روایات کی صداقت کا ادراک کرسکتا ہے۔ روایتیں ملتی ہیں کہ تاجدار کائناتﷺ جب سفرِ معراج سے واپس تشریف لائے تو سب کچھ ویسا تھا جیسا چھوڑ کر گئے تھے۔ چودہ سو سال پہلے اس پر یقین لانا ناممکنات میں سے تھا لیکن آج یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ کرنٹ کی مثال سے یہ سمجھا جاسکتا ہے اس پر قابو پالینے سے کیسے ہر کام معطل ہوسکتا ہے۔ اسی طرح وقت پر قابو پالیا جائے تو ہر چیز ٹھہر جاتی ہے۔ ممکن ہے معراج کی شب نظامِ زمان و مکان معطل

کردیا گیا ہو، وقت رُک گیا ہو۔ کیا یہ خالقِ کائنات، نظامِ زمان و مکان کے بنانے والے کے لیے کچھ مشکل تھا؟ پھر جب انسانی صنعت سے خلائی جہاز چاند، زہرہ اور مریخ تک پہنچ سکتے ہیں تو خدائی طاقت اور لا انتہاء قدرت رکھنے والے کے حکم سے کیا اس کے رسول اللہﷺ شب معراج میں آسمانوں کا سفر طے کرکے سدرة المنتہیٰ تک نہیں پہنچ سکتے؟ ہے کوئی سوچنے والا؟

یہ جدید ذہن کے عقلی اشکالات کے جواب میں معراج کی ممکنہ عقلی توجیہات تھیں کہ آج کے دور میں ایسے معاملات کو سمجھنا مشکل نہیں اور ایسے اعمال کا ہونا محال یا ناممکن نہیں کہا جاسکتا، ورنہ مذہبی عقائد مشاہدات کا نہیں ایمان باالغیب کا تقاضہ کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ خالص یقین و اعتقاد کا ہے۔ جب توحید و رسالت مستند ذرائع سے ثابت ہو جائے تو پھر ان پر ایمان لانا اور اس کی حقیقت و کیفیت کو علمِ الہٰی کے سپرد کردینا ہی عین عبادت ہے، یہ لازمی نہیں ہوتا کہ ایک مافوق الفطرت کی ہر بات فطرت کے مطابق بھی ہو، اس لیے ایمان کا حکم پہلے ہے۔ نبوت، وحی اور معجزوں کے تمام معاملات احاطہ عقل و قیاس سے ماورا ہیں، جو شخص ان چیزوں کو قیاس کے تابع اور اپنی عقل و فہم پر موقوف رکھے اور کہے کہ یہ چیز جب تک عقل میں نہ آئے میں اس کو نہیں مانوں گا ،تو سمجھنا چاہیے کہ وہ شخص ایمان کے اپنے حصہ سے محروم رہا۔ اللہ رب العزت ہمارے دلوں پر دین پر جمائے رکھے۔

(تحریر از ڈاکٹر احید حسن، مجیب الحق حقی)

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰىۙ ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾

کیا تم نے لات اور عزٰی پر غور کیا ہے، اور تیسری منات پر بھی ؟

تفسیر :

ان آیات مبارکہ میں مشرکینِ عرب کی دیویوں کا نام حقارت سے لے کر ان مشرکین کو ملامت کیا جا رہا ہے کہ اللہ کی یہ تو شان یہ ہے کہ جبرائیل جیسے عظیم فرشتوں کا وہ خالق ہے، محمد مصطفیٰﷺ جیسے صادق و امین اور شفیق و کریم اس کے رسول ہیں، جنہیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا اور وحی کے ذریعے ماضی و مستقبل کی خبریں ان پر نازل فرماتا ہے۔ کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں؟ اس ضمن میں عرب کے تین مشہور بتوں کے نام بطور مثال لیے۔ لات (الٰہ کا مؤنث) کا مندر طائف میں تھا اور بنی ثقیف اس کے معتقد تھے۔ عزیٰ (عزیز سے مونث) بمعنی عزت والی یا عزت عطا کرنے والی، یہ قریش کی خاص دیوی تھی اور اس کا مندر مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں حراص کے مقام پر واقع تھا۔ منات کا مندر مکہ اور مدینہ کے درمیان بحر احمر کے کنارے قدید کے مقام پر واقع تھا، نو خزاعہ اور اوس و خزرج اس کے معتقد تھے۔ ان کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بہت سے بت اور بت خانے پھیلے ہوئے تھے۔ رسول الملاحمﷺ نے فتح مکہ کے بعد اور دیگر مواقع پر ان بتوں اور دیگر تمام بتوں کا خاتمہ فرما

دیا۔ ان پر جو قبے عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہ مسمار کروا دیں، ان درختوں کو کٹوا دیا، جن کی تعظیم کی جاتی تھی اور وہ تمام آثار و مظاہر مٹا ڈالے گئے جو بت پرستی کی یادگار تھے، اس کام کے لیے آپﷺ نے سیدنا خالد بن ولید، سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب، سیدنا عمرو بن عاص اور سیدنا جریر بن عبداللہ البجلی وغیرھم کو، جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجا اور انہوں نے جاکر ان سب کو ڈھا کر سر زمین عرب سے شرک کا نام مٹا دیا اور **دین توحید کا علم بلند کیا۔**

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾

کیا تمہارے لئے لڑکے اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہیں۔ یہ تو ایک غیر منصفانہ تقسیم ہے۔

تفسیر :

دیکھیں الطور ۵۲ : ۳۹

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾

یہ (بت) چند ناموں کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ یہ لوگ صرف گمان کے اور ان چیزوں کے پیچھے چل رہے ہیں جو ان کے دل چاہتے ہیں اور بلاشبہ یقیناً ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ مشرکین کی ان دیویوں کی سچائی بتاتے ہیں کہ یہ لات، منات اور عزیٰ وغیرہ تو محض ان کے اپنے بنائے ہوئے قصے کہانیاں ہیں، خدائی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ مشرکین کا ماننا تھا کہ یہ دیویاں تو رب العالمین کی بیٹیاں ہیں اور خدا کے ہاں ہمارے لیے سفارشی بھی، ہمیں جو کچھ ملتا ہے آخر ان دیویوں کے وسیلے اور سفارش سے ہی تو ملتا ہے ! وگرنہ ہماری کیا اوقات کہ سیدھا ہم رب کائنات سے ہی مانگنا شروع کردیں ؟

تو ان مشرکین کے ایسے جھوٹے افسانوں کے متعلق اس آیت مبارکہ میں آتا ہے کہ یہ سب باتیں محض ان کے آباؤ اجداد کے مونہوں سے نکلی ہیں، پھر وقتاً فوقتاً ان مشرکین نے اپنی مرضی سے یا دلی

خواہشات کے مطابق یا پھر بت پرستی کا کاروبار چلانے کیلئے ان بتوں سے متعلق نئے سے نئے عقیدے گھڑنا شروع کردیے۔

اسی طرح کا حال آج کے پاکستان اور بھارت کے تقریباً آدھے سے زیادہ مسلمانوں کا ہے، رتی برابر بھی فرق مجھے نظر نہیں آتا۔

مشرکین مکہ نے خدائی صفات کو اپنی دیویوں کے ساتھ منسوب کیا اور مسلمانوں نے اولیاء کے ساتھ یعنی مشکل کشاء، غوث الاعظم، گنج بخش، داتا وغیرہ وغیرہ۔

مشرکین مکہ نے بتوں کا طواف کیا اور مسلمانوں نے اولیاء اللہ کی قبور کا۔ مشرکین مکہ کا یہ ماننا تھا کہ اللہ تعالیٰ بغیر سفارش اور وسیلے کے دعا کو قبول نہیں کرتا بلکہ انسان کو اس کے اعمال کی بنیاد پر عطا کرتا ہے اور گنہگار کو اپنی بارگاہ سے بالکل دھتکار دیتا ہے۔ بالکل یہی عقیدہ، بلکہ مزید زیر زبر شد و مد کے ساتھ آج کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اور اولیاء اللہ کی قبروں پر جاکر ان سے دعا کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ یہ فوت شدگان ہماری مرادیں اللہ تک پہنچا دیں گے۔ بلکہ آج کل کیا دیکھنے کو ملتا ہے کہ اکثر و بیشتر لوگوں نے فوت شدہ بزرگوں ہی سے دعائیں کرنا شروع کردی ہیں جو کہ سراسر شرک ہے اور شرک کبھی نہ معاف کیا جانے والا جرم کبیر ہے۔ رہی بات سفارشیوں کی تو ان کے متعلق لمبی چوڑی بحث کے بجائے میں قرآن مجید ہی سے ایک آیت پیش کیے دیتا ہوں۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (١٨)

اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ فرما دیجیے **کیا تم اللہ کو ان چیزوں کی خبر دیتے ہو جنہیں وہ خود نہیں جانتا** نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں ؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے ان چیزوں سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔ (یونس : ۱۸)

أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿۲۴﴾ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿۲۵﴾

کیا انسان جو کچھ چاہے اسے وہی مل جائے گا ؟ دنیا اور آخرت کا مالک تو اللہ ہے۔

تفسیر :

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ تم دنیاوی زندگی بھی اپنی مرضی کی گزارو اور پھر آخرت میں بھی اپنی ہی مرضی چاہو ؟

یہاں رب العالمین نے کنایتاً مشرکین مکہ اور ان جیسے دیگر دلی بیماریوں کے مریض کی اصل بیماری کی وجہ بتائی ہے، وہ یہ کہ یہ لوگ ایسا خدا چاہتے ہیں کہ جو ان سے حلال و حرام کی قید اٹھا لے تاکہ یہ لوگ من چاہی زندگی گزاریں اور پھر اپنے بتوں یا دیگر سفارشیوں کو آگے کردیں کہ ہمیں بخشوا دیں پلیز۔ تاکہ یہ لوگ اس

طرح دنیا میں بھی مزے لوٹیں اور آخرت میں بھی، تو ایسا تو ہرگز ممکن نہیں دنیا میں مزے کرنے ہیں تو آخرت داؤ پر لگانی پڑے گی اور اگر آخرت میں مزے کرنے ہیں تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مزے چھوڑنے پڑیں گے کیونکہ دنیا کا بھی مالک وہی ہے اور آخرت کا بھی، نہ کہ یہ بت اور فوت شدہ اولیاء اللہ۔

وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ﴿٢٦﴾

آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں ان کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی مگر جسے اللہ اجازت دے اور اس کی مرضی ہو۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جو کہ اللہ تعالی کی مقرب ترین مخلوق ہیں اور ان کی سفارش بھی بروز محشر انسان کے کچھ کام نہ آئے گی، خصوصاً مشرکین کو تو بالکل بھی کوئی سفارشی نصیب نہ ہوگا۔ اس آیت میں فرشتوں کی مثال دے کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب فرشتے سفارش نہیں کر سکتے تو یہ بت اور دیویاں یا پھر مسلمانوں کے غوث کتب اور ابدال تو کسی گنتی میں ہی نہیں اتے ہاں صرف وہی سفارش

کریں گے جن کو اللہ تعالی اجازت دے گا اور صرف اس ہی کی سفارش ہوگی جس کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف اجازت ہوگی۔

سیدنا انس بیان کرتے ہیں، رسول اللہﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو لوگ اضطراب کا شکار ہوں گے وہ مل کر آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اپنے رب سے سفارش کرو، وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں، لیکن تم ابراہیم کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کے خلیل ہیں، وہ ابراہیم کے پاس جائیں گے، وہ بھی کہیں گے، میں اس کا اہل نہیں ہوں، لیکن تم موسی کے پاس جاؤ کیونکہ وہ کلیم اللہ ہیں، وہ موسی کے پاس آئیں گے، وہ بھی یہی کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں، لیکن تم عیسیٰ کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، وہ عیسیٰ کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے میں اس کے اہل نہیں ہوں، لیکن تم محمدﷺ کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا میں اس کے لیے تیار ہوں، میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت دے دی جائے گی، وہ مجھے حمد کے الفاظ الہام فرمائے گا تو میں ان (کلمات و الفاظ) کے ذریعے اس کی حمد بیان کروں گا، ان کلمات کا اس وقت مجھے علم نہیں، میں ان حمدیہ الفاظ کے ساتھ اس کی حمد بیان کروں گا اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، مجھے کہا جائے گا، سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا اور سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، میں کہوں گا رب جی! میری امت، میری امت! -----

------(مشکوٰۃ المصابیح : ۵۵۷۳)

سیدنا ابوہریرہ نبیﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپﷺ نے فرمایا روزِ قیامت میری شفاعت کے لحاظ سے سب سے زیادہ سعادت مند شخص

وہ ہو گا جس نے خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا ہوگا۔
(مشکوٰۃ المصابیح : ۵۵۷۴)

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس کلمہ طیبہ کے اقرار کے بعد بتوں کی پوجا یا درباروں اور مزاروں پر جانے یا پیروں فقیروں سے مرادیں مانگنے یا قبروں پر حاضری دینے یا قبروں پر سجدے کرنے یا غیر اللہ کے نام کی نیازیں اور سبیلیں لگانے کا جواز بچتا ہے ؟ **ہر گز نہیں !!**

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنثَىٰ ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾

بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقیناً وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے ناموں کی طرح رکھتے ہیں۔ اور اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی اور ذریعہ تحقیق وعلم نہیں، محض اپنے گمان پر چل رہے ہیں اور راہ ظن وتخمین کا یہ حال ہے کہ وہ حقیقت و علم کے سامنے کچھ کارآمد نہیں۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، انبیاء و رسل اور آخرت کو جھٹلاتے ہیں

واضح نشانیوں کے بعد بھی تو ایسے بندوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، کیونکہ یہ حضرات واضح نشانیوں کے بعد بھی اپنی روش پر قائم رہتے ہیں، محض اپنی ضد اور آنا کے باعث۔

ایسے لوگوں کیلئے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو پھر یہ تمہارا مقدر ہے اب کہ تم راہ ہدایت کو چھوڑ کر مختلف قصے کہانیوں میں پڑ جاؤ۔ (دیکھیں سورۃ ق : ۵)

بالکل ایسے ہی جب آج کا مسلمان بھی قرآن و سنت کو چھوڑ کر اپنے بزرگوں اور بابوں کی اندھا دھند تقلید میں پڑتا ہے تو اس کے نصیب میں بھی فقط من گھڑت قصے کہانیاں رہ جاتی ہیں جیسا کہ شیخ عبد القادر جیلانی کے دھوبی کا واقعہ، دوبی ہوئی برات صحیح سلامت دریا سے نکالنا، لوٹے کی ٹوٹی کا واقعہ، انکا چھلانگ لگا کر چاند سے آگے نکل جانا، جنید بغدادی کا دریائے دجلہ کی سطح پر چلنا، عثمان بن علی ہجویری کی تسبیح کا دوربین میں بدل جانا، لعل شہباز قلندر کا ہوا میں اڑتے پھرنا اور تیل کے گرم کراہوں میں چلا کاٹنا بلکہ یہ تو کچھ بھی نہیں، کتاب تذکرۃ الاولیاء میں باقاعدہ بایزید بسطامی صاحب کا واقعہ معراج درج ہے۔

جب انسان قرآن و حدیث کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دے گا اور اپنی عقل پر کوسوں پردے ڈال لے گا تو ایسے مضحکہ خیز اور قابل تمسخر عقیدے اسے آ دبوچتے ہیں۔ یہ چیزیں انہیں فائدہ تو دیں گی نہیں، الٹا آخرت کی خرابیاں لا کر انکی جھولی میں ڈالے گیں۔ ان لوگوں نے جیسے جیسے قصے کہانیاں گھڑ لیے ہیں، انہیں اندازہ نہیں کہ یہ کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوسکتا ہے، یہ لوگ اپنے

اپنے گمان کے پیچھے ہیں اور بیشک گمان و تصورات حق سچ کے سامنے بلکل ناکارہ ہیں۔

فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾

لہٰذا جو شخص ہماری یاد سے منہ موڑتا ہے آپ اس کی پروا نہ کیجئے، ایسا شخص دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا.

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوبﷺ سے فرماتے ہیں کہ جو شخص ہماری وحی کے ذریعے سے آنے والی نصیحت کی طرف توجہ دینے کے لیے تیار ہی نہیں یا پھر اسے دنیاوی امور سے فرصت نہیں تو اے نبیﷺ آپ ان کے پیچھے نہ پڑیں اور نہ ہی ان پر وقت ضائع کریں۔ کیونکہ ان لوگوں کو محض دنیاوی عیش و عشرت محبوب ہے، نہ کہ جنت کی ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتیں۔ یہی اگر رسول اللہﷺ وحی کے بجائے دنیاوی عیش و عشرت کے ٹوٹکوں کی بات کرتے تو ان جاہلوں کی دلچسپی اور توجہ بھری سماعتیں حیرت انگیز ہوتیں۔

اس آیت کا آج کے نوجوانوں پر بھی ہوتا ہے اور ان کے والدین پر بھی کہ جنہوں نے اپنی اولاد کو عصری علوم کی تعلیم تو بخوبی دلوائی لیکن دینی تعلیمات کا کچھ حصہ بھی نہ سکھایا، دینی ادب و اخلاق ان کو نہ سکھایا بلکہ یہی وجہ تھی کہ ساری زندگی میرا میرے گھر والوں کے ساتھ سخت ترین اختلاف رہا کہ میرے والد صاحب نے مجھے کبھی دینی تعلیم حاصل کرنے ہی نہ دی، وہ چاہتے تھے کہ بس صوم و صلوٰۃ کی پابندی کی جائے اور میری پوری پوری توجہ صرف اور دولت کمانے پر ہو، میں چاہتا تھا کہ اپنے دن کا کچھ حصہ دینی تعلیم پر بھی صرف کروں جو کہ ہمارا اصل مقصدِ حیات ہے، اس اختلاف کے باعث مجھے بہت آزمائشوں سے گزرنا پڑا، میں نے جب اونلاین مطالعہ شروع کیا تو ایک شوق پیدا ہوا اور ایک ایسی کیفیت بھی پیدا ہوئی کہ جسے قلمبند کرنا ممکن نہیں کہ مالک کل، خالق ارض و سما، رب العالمین نے میرے لیے اپنے نبی کے ذریعے کیا پیغام بھیجا ہے؟ آخر اس کتاب میں ایسا کیا لکھا ہے کہ جس کی تبلیغ کے لیے کائنات کے تاجدار محمد مصطفیٰ ﷺ نے اتنی سختیاں جھیلیں، ان کے اصحاب نے اپنی جانوں کی قربانیاں دیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ کیفیت مجھے قرآن مجید کے مطالعہ سے روک نہ سکی اور میں اپنے گھر والوں سے چھپ چھپ کر مطالعہ شروع کیا اور یہی وجہ ہے کہ میں کھل کر کسی استاد سے براہ راست علم نہ حاصل کرسکا بلکہ گھر بیٹھے کئی مختلف مکاتب فکر کے علماء اکرام سے علوم التفسیر و الحدیث سیکھا۔
اونلاین طریقے سے تو میں نے کئی علماء سے علم حاصل کیا لیکن ایک شوق تھا کہ اہل علم حضرات سے بالمشافہ ملاقات کی جائے۔
میں اپنے گھر دوست احباب کے ساتھ سیر و تفریح کا بہانہ لگا کر

علماء کرام سے ملاقات کیلئے جاتا بلکہ آج میرے شیخ نے مجھے دعوت دی تھی قاری خلیل الرحمٰن جاوید صاحب مدظلہ العالی سے ملاقات کی لیکن گھریلو سختیوں کے باعث یہ شرف حاصل نہ کرسکا۔

ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٣٠﴾

یہی ان کے علم کی انتہا ہے۔ آپ کا رب اس سے خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب واقف ہے اس سے بھی جو راہ یافتہ ہے۔

تفسیر :

یعنی وہ اپنے دنیا کے مفادات سے آگے کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔ ان کا تمام تر علم اسی مقصد میں صرف ہوتا ہے کہ دنیا میں وہ زیادہ مال و دولت کیسے کماسکتے ہیں جیسا کہ مشرکینِ مکہ عزیٰ کی پرستش اس لیے کرتے تھے کہ انکا ماننا تھا کہ یہ عزتیں بخشتی ہیں اور لات کی پوجا سے زرخیزی اور خوشحالی ملتی ہے اور منات کی پوجا سے آفات و بلیات اور حادثاتی موت سے نجات ملتی ہے۔

ہمارے مسلمان برادران جو کہ مزاروں اور درگاہوں پر یقین رکھتے ہیں، اگر ہم ان کی زندگیوں پر غور کریں تو کوئی نہ کوئی مصیبت

میں مبتلا ضرور ہوتے ہیں، کوئی بے اولادی سے دوچار ہے تو کوئی امراض و حادثات کا شکار، کسی کو غربت کا خوف ہے تو کسی کو اپنے دنیاوی مخالفین کا۔ مختصر یہ کہ انہیں درباروں مزاروں تک ان کے الام ومصائب کی سختیاں لائی ہیں، یہاں اب ایک انسانی نفسیات کا ایک نقطہ قابل ذکر ہے کہ انسان کیلئے غیب پر ایمان لانا قدرتاً بہت کٹھن ہے اور انسان جب کسی بھی مشکل میں ہو تو اس کی تمنا ہوتی ہے کہ کسی کو اپنے دکھ درد سنائے، اور سننے والا بھی آسانی سے میسر نہ آ جائے بلکہ ایک مخصوص جگہ پر جا کر اسے اپنے حالاتِ زندگی سنائے جائیں، تب جا کر انسان کو تسلی ہو گی۔ حیرت ہے کہ خدا نے اتنی آسانیاں دی کہ تمہاری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہوگیا، اس نے وعدہ کیا کہ مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا لیکن انسان اسے ترک کرکے شرک کے اندھیروں میں جاکر اپنی مرادیں پوری کرنے کی امید لگاتا ہے۔

صحابہ کرام کو بھی تو مصائب و الام پیش آتے تھے تو کیا وہ قبروں اور مزاروں کا رخ کرتے؟ نہیں ! بلکہ رسول اللہﷺ کی حیات مبارکہ میں ان کے پاس آتے تھے لیکن جب رسول کریمﷺ اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئے تو کیا وہ رسول اللہﷺ کی قبر انور پر گئے اور مرادیں مانگی؟ نہیں بلکہ بخاری و مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ

جب کبھی سیدنا عمر کے زمانہ میں قحط پڑتا تو وہ سیدنا عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ ! پہلے ہم تیرے پاس اپنے نبیﷺ کا وسیلہ لایا کرتے تھے۔ تو، تو پانی برساتا تھا، اب ہم اپنے نبی کریمﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو، تو ہم پر

پانی برسا۔ سیدنا انس نے کہا کہ چنانچہ بارش خوب ہی برسی۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۱۵۰۹)

اب یہاں سیدنا عمر سے سوال ہے کہ کیا انہیں قبروں سے وسیلہ لینے کے بارے میں معلوم نہ تھا؟ یا پھر وہ بھی وہابی تھے؟ نعوذباللہ۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ دین محمدی میں اس طرح کے وسیلے کا کوئی وجود نہیں، بلکہ یہ عقیدہ مسلمانوں میں سکھ مت سے آیا ہے۔

بہرحال، موضوع پر واپس آتے ہیں کہ ان کفار و اصنام پرستوں اور اسلام میں شرک پھیلانے والوں کے علم کی انتہاء محض آباؤ اجداد سے سنے ہوئے قصے کہانیاں ہیں، جن کی دلیل/سند نہ تو ہمیں قرآن میں ملتی ہے، نہ حدیث میں اور نہ صحابہ و تابعین کے آثار میں۔ پھر بھی اگر یہ لوگ خود کو حق پر سمجھیں تو یہ فیصلہ نہ ان کے اختیار میں ہے اور نہ ان کی صواب دید پر منحصر ہے بلکہ یہ فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے، وہی اپنی مخلوق کے حالات کو سب سے بہتر جان سکتا ہے، وہی عزتیں بخشنے والا ہے، وہی مشکل کشاء ہے، وہی حاجت روا ہے، وہی گنج بخش ہے اور وہی غوث الاعظم ہے۔

مختصر یہ کہ راہِ حق سے بھٹکنے والوں کے علم کی انتہاء محض آباؤ اجداد کے اقوال و افعال ہیں کیونکہ انکے عقائد و نظریات کو تقویت دینے والی کوئی مضبوط سند نہیں ہے، پھر بھی اگر یہ لوگ خود کو راہ راست پر سمجھتے ہیں تو اللہ بہتر جاننے والا ہے کہ یہ راہ راست پر ہیں یا طاغوت کے پیچھے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴿۳۱﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ برے عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے۔

تفسیر :

اللہ تعالیٰ ہر شخص کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ ہدایت کے راستے میں گامزن ہے یا گمراہی کے راستے کو اختیار کیے ہوئے ہے اس لیے کہ زمین و آسمانوں کی ہر جاندار اور غیر جاندار چیز اس کی مملوک ہے۔ تو رب العالمین اپنے مملوک سے کیسے ناواقف ہوسکتا ہے، قرآن مجید میں رب العالمین کے علم کے بارے میں آتا ہے کہ

أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کئے دیتے ہیں تاکہ اپنی باتیں (اللہ) سے چھپا سکیں، یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بالیقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے۔ (هود : ۵)

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اور یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی چیز کو تم پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اور (یہ حقیقت) اللہ ہی خوب جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ (البقرہ : ۲۱۶)

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا علم ہے۔ تم اس سے ڈرتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا‘ حلم والا ہے۔ (البقرہ : ۲۳۵)

قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) جو میں جانتا ہوں تم(فرشتے) نہیں جانتے۔ (البقرہ : ۳۰)

وَعِندَهُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ

اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ دریاؤں میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانا زمین کے تاریک حصوں میں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔ (الانعام : ۵۹)

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ

وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے۔ (المؤمن : ۱۹)

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ

کیا آپ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ آسمان و زمین کی ہر بات کو جانتا ہے، بیشک یہ بات کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے، بیشک یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ (الحج : ۷۰)

فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

پس تم لوگ اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو، بیشک اللہ جانتا ہے اور تم لوگ (کچھ بھی) نہیں جانتے ہو۔ (ہود : ۷۴)

اللہ تعالیٰ سورۃ النجم کی اس آیت مبارکہ میں اپنے علم کی وسعتوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کے علم کی ان وسعتوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جزا و سزا کے دن نیک و بد میں فرق ہرے اور برے اعمال والے کو انکا بدلہ دے اور نیک حضرات کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿٣٢﴾

جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں، سوائے اس کے کہ کچھ غلطیاں سرزد ہوجائیں، بلاشبہ تمہارا رب بڑی مغفرت کا مالک ہے۔ وہ اس وقت سے جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو، وہ پرہیزگار کو بہتر جانتا ہے۔

تفسیر :

إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا

جن بڑے بڑے گناہ کے کاموں سے تمہیں منع کیا گیا ہے اگر تم ان سے بچتے رہے تو ہم تمہاری (چھوٹی موٹی) برائیوں کو تم سے (تمہارے حساب سے) محو کردیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔ (النساء : ٣١)

ان آیت مبارکہ میں گناہوں کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں، گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ۔

بعض اکابرین کے مطابق گناہِ کبیرہ وہ ہیں جن پر توبہ لازم ہو جائے، بعض کے نزدیک گناہِ کبیرہ سات ہیں، بعض کے نزدیک نو، بعض کے نزدیک ستر اور بعض کے نزدیک سات سو۔ عبداللہ بن عباس کا قول جو کہ المعجم الکبیر للطبرانی میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے اور امام اسماعیل بن عمر (امام ابن کثیر) نے بھی اپنی تفسیر میں بیان فرمایا وہ یہ کہ

كُلُّ مَا نُهِىَ عَنْه فَهُو كَبِّير

ہر وہ چیز جو شرعاً منع ہے وہ گناہِ کبیرہ ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ج۱۸، رقم۲۹۳)

اس قول مبارکہ میں ایمان کی وہ حلاوت موجود ہے کہ جسے قلمبند کرنا آسان نہیں۔ آخر جس شخص نے اللہ کی طرف جانا ہو، اس کی رضا و خوشنودی پانی ہوں، اس کی قربتیں حاصل کرنی ہوں اور اس کے دل میں اپنے خالق و مالک کیلئے محبت و عقیدت بھی ہو تو اپنے رب کے حکم صغیرا کیسے کہہ سکتا ہے؟ محبتوں کا تقاضا تو یہ نہیں ہے، ادب و احترام کا تقاضا تو یہ نہیں ہے۔ کبائر و صغائر کا تعین اپنی جگہ بجا، میں اس کی نفی ہرگز نہیں کرتا اور نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کی تردید کرتا ہوں بلکہ وہ تو محض ہماری آسانی کیلئے ہیں لیکن جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کیلئے محبت و عقیدت ہو اور وہ اللہ کی رضا و خوشنودی اور اسکی قربتیں بھی چاہتا ہو تو اس فقیر کیلئے کیسے ممکن ہے کہ اللہ اسے کسی چیز سے منع فرما دے اور وہ بات اس کیلئے صغیر ہو جائے؟ بلکہ اس کیلئے تو صغیرہ گناہوں کا بوجھ بھی اتنا وزنی ہوگا گویا اس کی پیٹھ پر پہاڑ لاد دیا گیا ہو جیسا کہ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ عبداللہ بن

مسعود فرماتے ہیں کہ مومن اپنے گناہوں کو ایسا محسوس کرتا ہے جیسے وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں وہ اس کے اوپر نہ گرجائے اور بدکار اپنے گناہوں کو مکھی کی طرح ہلکا سمجھتا ہے کہ وہ اس کے ناک کے پاس سے گزری اور اس نے اپنے ہاتھ سے یوں کرکے اڑا دی۔ (صحیح بخاری : ۶۳۰۸)

اب آتے ہیں گناہِ کبیرہ پر، آخر یہ کون سے گناہ ہیں کہ جن کی معافی توبہ کے بغیر ممکن نہیں۔ گناہِ کبیرہ کے متعلق مشکوٰۃ المصابیح میں آتا ہے کہ

• رسول اللہﷺ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک بنانا ، والدین کی نافرمانی کرنا، قتل نفس اور جھوٹی قسم اٹھانا/جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۵۰، ۵۱)

• رسول اللہﷺ نے فرمایا :سات مہلک چیزوں سے اجتناب کرو۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اسے ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر فرار ہونا اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۵۲)

• رسول اللہﷺ نے فرمایا آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ صحابہ کہنے لگے یا رسول اللہﷺ! کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو گالی دیتا ہے؟ فرمایا ہاں ! انسان کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ خود کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ جب یہ کسی

کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ خود کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ (صحیح مسلم : ۲۶۳)

• رسول اللہﷺ نے فرمایا بیشک کبیرہ گناہوں میں ایک بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کی ناحق ہتک اور توہین کر دے۔ (سنن ابو داؤد : ۴۸۷۷)

• رسول اللہﷺ نے فرمایا مسلمان سے لڑنا کفر اور اسے گالی دینا فسق (کبیرہ گناہ) ہے۔ (سنن نسائی : ۴۱۰۹)

• سالم بن عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب اور رسول اللہﷺ کے کچھ صحابہ رسول اللہﷺ کی وفات کے بعد بیٹھے سب سے بڑے کبیرہ گناہ کا تذکرہ کر رہے تھے۔ ان کے پاس اس بارے میں کوئی حتمی علم نہیں تھا۔ (جس پر وہ سب متفق ہوسکیں) انہوں نے مجھے عبداللہ بن عمرو بن عاص کی طرف بھیجا کہ میں ان سے اس بارے میں سوال کروں، انہوں نے مجھے بتایا کہ سب سے بڑا کبیرہ گناہ شراب پینا ہے۔ میں ان کے پاس آیا اور انہیں بتایا تو انہوں نے اس بات کا انکار کر دیا اور سب کے سب ان کی طرف چل پڑے۔ (اور ان کے گھر آگئے) عبداللہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ نے ایک آدمی کو پکڑا اور اسے اختیار دیا کہ وہ شراب پئے یا بچے کو قتل کر دے۔ یا زنا کرے یا خنزیر کا گوشت کھائے۔ اگر اس نے انکار کیا تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ اس نے شراب کو اختیار کیا، جب اس نے شراب پی لی، تو جن کاموں کا اس سے مطالبہ ہوا تھا کسی سے بھی باز نہیں رہا، اس وقت رسول اللہﷺ نے ہم سے فرمایا جو شخص شراب پیتا ہے چالیس دن تک اس

کی نماز قبول نہیں ہوتی اور جو شخص مرجائے اور اس کے مثانے میں کچھ (تھوڑی سی ہی) شراب ہو تو اس پر جنت حرام ہے اور اگر وہ چالیس دن کے اندر مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (سلسلہ الصحیحہ : ۳۱۲۷)

• رسول اللہﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں معروف کبیرہ گناہوں کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی کو اس حال میں موت آئے کہ وہ مقروض ہو اور اس نے اسے ادا کرنے کے لئے ترکہ بھی نہ چھوڑا ہو۔ (مسند احمد بن حنبل : ۶۰۲۷)

• سیدنا نعمان بن مرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے صحابہ سے فرمایا تم شراب نوش، زانی اور چور کے بارے میں کیا گمان کرتے ہو؟ راوی کہتے ہیں، یہ ان کے بارے حدود نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے، صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپﷺ نے فرمایا سہ کبیرہ گناہ ہیں اور ان پر سزا ہے اور سب سے بڑی چوری وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ کے رسول ! وہ اپنی نماز کی کیسے چوری کرتا ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا رکوع و سجود مکمل نہیں کرتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ۸۸۶) (المؤطا امام مالک : ۴۰۳)

• رسول اللہﷺ سے پوچھا گیا کہ گناہِ کبیرہ کون سے ہیں تو رسول اللہﷺ فرمانے لگے کہ گناہِ کبیرہ نو ہیں، شرک، کسی مومن کو ناحق قتل کرنا، میدان جنگ سے بھاگ جانا، یتیم کا مال ہتھیانا، سود خوری، پاکباز پر زنا کی تہمت لگانا، مسلمان ماں باپ کی نافرمانی کرنا، حرم میں شکار کرنا، زندہ یا مردہ۔ جو شخص ان کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے اور نماز روزے کی پابندی کرے، کل قیامت کے دن

وہ نبی اکرمﷺ کے ہمراہ ایسے محل میں رہے گا جس کے دروازے سونے کے بنے ہوئے ہیں۔ (المستدرک الحاکم : ۱۹۷)

گناہ کبیرہ کی تعریف میں اکابرینِ اسلام نے چار اقسام بیان فرمائی ہیں :

۱. ایسے اعمال کہ جن کے ارتکاب کرنے والے پر دنیا میں بھی حد مقرر کی گئی ہو، مثلاً شراب نوشی، زنا اور قتل وغیرہ

۲. ایسے اعمال کہ جن کے ارتکاب کرنے والے پر آخروی عذاب کی وعید بھی سنائی گئی ہو، مثلاً جھوٹ، شراب نوشی، والدین سے بدسلوکی، بدکلامی وغیرہ

۳. ایسے اعمال جنہیں قرآن و حدیث میں حرام قرار دیا گیا ہو مثلاً یتیموں کا مال کھانہ، چوری وغیرہ

۴. . ایسے اعمال کہ جن کے ارتکاب کرنے والے پر اللہ اور اس کے رسول نے لعنت کی ہو مثلاً مردوں کا عورتوں کی مشابہت کرنا اور عورتوں کا مردوں کی مشابہت کرنا، مصنوعی بال استعمال کرنا، *Tattoo* بنوانا وغیرہ وغیرہ

شیخ عبد القادر جیلانی اپنی کتاب غنیتہ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ گناہِ کبیرہ ۱۷ اقسام کے ہیں، اور پھر ان ۱۷ سے ان کی آگے مزید شاخیں قائم ہیں۔ ان ۱۷ کی تقسیم بھی شیخ یوں فرماتے ہیں کہ ان ۱۷ میں سے

۱. چار ایسے ہیں جنکا تعلق دل سے ہے یعنی شرک کرنا، اللہ کی نافرمانی اور معصیت پر اصرار، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور ناشکری کرنا اور اللہ کے عذاب سے بے فکر ہونا۔

۲. چار کا تعلق زبان سے ہے یعنی جھوٹی گواہی دینا، پاکباز شخص پر تہمت، جھوٹی قسم کھانا اور جادو کرنا/جادوئی منتر بکنا۔

۳. تین کا تعلق پیٹ سے ہے یعنی حرام کھانہ یا پینا، حق تلفی کرکے مال پڑہنا، سود کی لین دین کرنا۔

۴. پھر آتے ہیں پورے جسم کے گناہ یعنی میدان جنگ سے فرار ہونا، والدین کی نافرمانی، قتل ناحق، چوری، زنا و بدکاری وغیرہ وغیرہ

(غنیۃ الطالبین از شیخ عبد القادر جیلانی)

اس میں شیخ نے آنکھ اور ہاتھ اور شرمگاہ سے سرزد ہونے والے گناہوں کا تذکرہ نہیں ہوا یعنی

۱. نظروں کا زنا

۲. مسلمانوں کیساتھ مار پیٹ

۳. کفار کے ساتھ ناحق مار پیٹ

۴. زنا و بدکاری

(قابل توجہ : زنا کبیرہ گناہوں میں بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم : ۳۲ میں کبیرہ گناہوں کے تذکرے سے علیحدہ اس کا ذکر فرمایا)

۵. مسلمان بھائی کی عزت پامال کرنا

۶. ہر قسم کا جھوٹ

۷. غیبت و چغلی

۸. ملاوٹ کرنا

۹. نوکر کو اس کے مالک کے خلاف بھڑکانا

۱۰. میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنا وغیرہ وغیرہ

گناہِ کبیرہ کے بارے میں تفصیل سے پڑھنے کیلئے دیکھیں امام محمد بن احمد ذہبی (المتوفیٰ ۷۴۸ھ) کی کتاب، کِتَابُ الْکَبَائِر، جس میں انہوں نے ستر گناہِ کبیرہ کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا۔

گناہِ صغیرہ کون سے ہیں ؟ یہاں میں ایک نقطہ پیش کرتا چلوں، جو مجھے اس آیت کی تفسیر میں شروع ہی میں بیان کر دینا چاہیئے تھا۔ بہر حال، مطلق گناہ نام ہے ہر ایسے عمل و فعل کا جو حکمِ باری تعالیٰ اور تعلیماتِ محمدیﷺ کے خلاف ہو، اس سے پتہ چلا کہ اصطلاح میں جس گناہ کو صغیرہ کہا جاتا ہے درحقیقت وہ بھی صغیرہ نہیں، اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہر حال میں نہایت سخت و شدید جرم ہے، جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اپنے آپ کو ان گناہوں سے

بچانے کی خاص طور پر کوشش کرنا جن کو معمولی اور حقیر سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر بھی باز پرس ہونے والی ہے۔ (سنن ابن ماجہ : ۴۲۴۳)

تو ہمیں اس کبائر و صغائر کی تفریق میں پڑنے کے بجائے ہر وقت اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ جیسا کہ رب کریم کا ارشاد ہے کہ

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ

البتہ جن لوگوں نے لاعلمی کی بنا پر کوئی برا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو اس کے بعد آپ کا پروردگار یقیناً معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (النحل : ۱۱۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ایمان داروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں کامل نور عطا فرما اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (التحریم : ۸)

اب جب اللہ تعالیٰ اتنے غفور الرحیم ہیں، تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ انسان ایک گناہ کا کام کرے اور پھر توبہ کرے اور پھر وہ کام کے اور توبہ کرے اور اس طرح یہ سائکل چلتا رہے ؟ ہرگز نہیں، صرف توبہ ہی ضروری نہیں بلکہ توبہ کے ساتھ ساتھ اصلاح بھی ضروری ہے۔ میرے استاد محترم انجینئر محمد علی مرزا صاحب ایک مثال یہاں بیان کرتے ہیں کہ توبہ ایسی ہو جیسے کسی شخص کا ہاتھ گرما گرم استری پر جا لگے اور بری طرح جل جائے۔ اگلی بار جب وہ شخص استری کو دیکھے گا تو بھول کر بھی ہاتھ آگے نہیں بڑھائے گا کہ کہیں پھر سے یہ گرم ہی نہ ہو۔ یعنی گناہ کے بعد اگر سچے دل سے توبہ کرلی جائے تو اس عملِ قبیح سے اتنی نفرت ہو جائے اور اس عوض ملنے والے عذاب سے اتنا خوف پیدا ہوجائے کہ دوبارہ اسے کرنے کا وہم بھی نہ ہو۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (١٧) وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (١٨)

اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔ ان کی کوئی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے کہ میں نے توبہ

کی اور جو کفر پر ہی مر جائیں ان کی توبہ بھی قبول نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء : ١٧،١٨)

اب اگر انسان نے سچے دل سے توبہ و استغفار کیا ہو اور دوبارہ وہ غلطی نہ دوہرانے کا عہد بھی کیا ہو اور پھر اس پر پورا بھی اترا ہو تو ایسے شخص کو رب کریم کیا انعام عطا فرمائے گے ؟ (ویسے بہت بہت بہت زیادہ انعامات کا ذکر ہے آیات قرآنیہ میں بھی اور حدیث نبویہ میں بھی)

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا

(اللہ تعالیٰ داخل کرے دوزخ میں مجرموں کو) سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے، اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ (الفرقان : ٧٠)

سبحان اللہ! سچے دل سے توبہ کرنے والے کے گناہوں کو نہ صرف معاف کیا بلکہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا جائے گا، یعنی ان کے گناہوں کو جن پر توبہ کرکے ڈٹ گئے تھے، ان گناہوں کو بھی نیکیوں کی گنتی میں شمار کردیا جائے گا۔

پھر آگے سورۃ النجم کی اس آیت مبارکہ میں تنبیہ ہے ان لوگوں کیلئے جو دوسروں کے سامنے بہت نیک و پرہیزگار بنتے ہیں،

انکے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے تم اپنی یہ پرہیزگاری کے دعوے مت کرو میں تو اس زمین سے نکلی ہوئی اس خوراک کا بھی علم رکھتا ہوں کہ جسے کھا کر تمہارے والدین نے توانائی حاصل کی اور پھر انکے جسم میں اس سے جو قوتِ باہ بنی اور پھر اس کے سپرم سیل کے کس خلیے سے تمہارا جنین بنا، یعنی جو خدا تمہیں اس وقت سے جانتا ہے کہ جب تم کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھے تو تمہاری خلوتیں اس سے کیسے پوشیدہ ہوسکتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہماری خلوت و جلوت تو کیا ہمارے دلوں میں آنے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾ أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ﴿٣٥﴾

اے نبی کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے۔ جس نے روگردانی کی اور تھوڑا سا مال دے کر رک گیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے؟

تفسیر :

ان آیاتِ مبارکہ کے بارے میں مفسرین میں تین مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ ان سے مراد ہے کہ کوئی شخص جو ایک وقت تک نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے اور پھر آہستہ

آہستہ کم کرتا جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں وہ حضرات مراد ہیں جو اس ڈر خوف سے صدقہ نہیں کرتے کہ کہیں انکا مال ختم نہ ہو جائے اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان آیات میں سیدنا خالد بن ولید کے والد ولید بن مغیرہ مراد ہیں۔ اب آئیں ان تینوں اقوال کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

شیخ عبد القادر جیلانی، امام اسماعیل بن عمر بن کثیر، شیخ عبد الرحمن بن ناصر سعدی، حافظ عبدالسلام بن محمد بھٹوی اور حافظ صلاح الدین یوسف، ان تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت سے مراد ہے کہ یہاں کمزور ایمان والے لوگوں کا تذکرہ ہورہا ہے جو اطاعت خداوندی بجا لاتے ہوئے درمیان میں تھک جائے، عبادت سے بیزار ہو جاتے ہیں یا دین و مذہب کی پیروی کرنا ان کے لیے وبال جان بن جاتا ہے یوں کہیں کہ وہ ان صوم و صلوٰۃ اور ذکر و اذکار اور صدقہ و خیرات سے بور ہو جاتے ہیں اور پھر ان معاملات کو آہستہ آہستہ کم کر دیتے ہیں اور *parallel* میں دنیاوی تغ و دو کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور پھر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ دین سے بالکل cut off ہو جاتے ہیں۔ یہ سب ان ہی کی غلطی کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ یہ حضرات صوم و صلوٰۃ کی پابندی تو کرتے ہیں کہ لیکن انہیں نہیں معلوم ہوتا کہ وہ یہ کر کیوں رہے ہیں؟ مقصد کے فلسفے کو چھوڑیں، انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ نماز میں جو عربی عبارات یہ پڑھ رہے ہیں آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ بس رٹی رٹائی سطریں پڑھتے ہیں اور نماز کا سا قیام، رکوع اور سجدہ کرکے چلتے بنتے ہیں، آخر یہ لوگ اس روش ایمان کی حلاوت کیسے چکھ سکتے تھے؟ ذکر و اذکار کی روحانیت کو کیسے پہنچ سکتے تھے؟ اور پھر یہ حضرات دعوے کرتے ہیں کہ ہم بروز حشر شفاعت کے

ذریعے بخشوائے جائیں گے، ہمیں ہمارے پیر فقیر بچا کر لے جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ یہاں ان سے یہ پوچھ رہا ہے کہ کیا تمہارے پاس یا تمہارے پیروں بابوں کے پاس غیب کا علم ہے کہ جس کو دیکھ کر تم اتنے یقین سے یہ بات کہہ رہے ہو؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ سورۃ النجم کی اس سے اگلی آیات اس موقف کو مزید واضح کردیں گی کہ صحفِ موسیٰ اور صحفِ ابراھیم میں بھی یہی لکھا ہے کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

یہ قول ایک طرح سے پہلے قول ہی کی شاخ ہے۔ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری، امام اسماعیل بن عمر بن کثیر، حافظ صلاح الدین یوسف، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی اور میرے استاد محترم ابو احمد فرحان الٰہی کے نزدیک ان آیات سے مراد وہ شخص ہے جو ایک زمانے میں صدقہ و خیرات کرے اور پھر دوبارہ اس کو اتنی دولت نصیب نہ ہو یعنی دولت کے کم پر جانے کے ڈر سے صدقہ و خیرات ترک کردے۔ ایسے بندے سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرا جو یہ وہم و گمان ہے کہ تجھے دوبارہ اتنی دولت نصیب ہو یا نہ، کیا تیرے پاس غیب کا علم ہے؟ آخر اللہ نے رزق و کاروبار میں برکتیں عطا کرنی ہیں اور ایسا انسان اللہ ہی کی راہ میں خرچ کرنے سے کتراتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نے فرمایا

صدقہ مال کو گھٹاتا نہیں ہے، بندہ کے عفو و درگزر سے کام لینے سے اللہ اس کی عزت کو مزید بڑھاتا ہے اور جو آدمی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالی اسے بلندیوں سے نوازتا ہے۔
(صحیح مسلم : ۲۵۸۸)

تو جیسے اللہ تعالیٰ کے نبیﷺ بتا رہے ہیں کہ صدقہ مال کو گھٹاتا نہیں ہے، بلکہ اسے بلا و مصیبت سے محفوظ رکھتا ہے اور بدلے میں صدقہ کرنے والے کو بڑی بھلائی عطا کرتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو مال میں اضافہ ہوا، کمی نہیں۔

تیسرا قول ہے ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، مولانا عبد الرحمن کیلانی، شاہ ولی اللہ دہلوی کے بیٹے شاہ رفیع الدین، غلام رسول سعیدی، مولانا مودودی اور پیر کرم شاہ الازہری کا کہ ان آیات سے مرد ولید بن مغیرہ ہے اور تو اور اہل تشیع کے علامہ شیخ محسن علی نجفی کا بھی یہی ماننا ہے۔

تابعی مجاہد بن جبیر اور ابو الحسن مقاتل بن سلیمان کے مطابق ان آیات مقدسات کا شان نزول یوں ہے کہ جب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ایک شخص کا اس بات پر سودا ہوگیا کہ اگر تو مجھے اپنے مال و دولت کا ایک مخصوص حصہ دے تو میں یہ زمہ داری اٹھاتا ہوں کہ میں قیامت کے دن تجھے اس عذاب سے بچاؤں گا جس کا تذکرہ مسلمان کرتے ہیں۔ ابوجہل سے پہلے ولید بن مغیرہ ہی اہل مکہ کا سردار سمجھا جاتا ہے یہ زیرک اور سمجھدار انسان تھا، قریب تھا کہ مسلمان ہو جاتا۔ (دیکھیں سورۃ ق : ۵) اس کے مشرک دوست کو اس بات کا علم ہوا تو وہ ولید کے پاس آکر کہنے لگے کہ جس آخرت سے ڈر کر تو مسلمان ہونا چاہتا ہے اس کا فکر نہ کر۔ میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں بشرطیکہ تو اتنا مال مجھے دے۔ ولید نے اس سے معاملہ طے کرلیا کہ میں تجھے اتنا مال دوں گا اور تو میری آخرت کا ذمہ دار ہوگا۔ معاملہ طے ہونے کے بعد ولید نے اسے کچھ مال دیا، اس اثناء میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ جب ولید کے

دوست نے باقی مال کا مطالبہ کیا تو ولید نے انکار کردیا۔ اس پر یہ فرمان جاری ہوا کہ کیا آپﷺ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے قیامت کا انکار کیا اور تھوڑا سا مال دیا پھر باقی دینے سے منحرف ہوگیا۔ کیا آخرت کی ذمہ داری لینے والے کے پاس غیب کا علم ہے؟ جس بنا پر اس نے یہ ذمہ داری لی۔ انہیں اور سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات صرف قرآن میں نہیں بلکہ موسیٰ کی توریت اور ابراہیم کے صحائف میں واضح طور پر بیان کی ہے کہ قیامت کے دن کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ توریت اور ابراہیم کے صحائف کا اس لیے نام لیا ہے کہ اہل مکہ کا ایمان تھا کہ سیدنا موسیٰ اور سیدنا ابراہیم خدا کے بھیجے ہوئے نبی تھے اور ان کی کتب کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

ان آیات کے بارے میں ایک چوتھا قول بھی ہے علامہ ابو القاسم محمود بن عمر المعروف علامہ زمخشری کا کہ ان آیات سے سیدنا عثمان بن عفان مراد ہیں۔ سید قطب شہید المصری فی ظلال القرآن میں انکا قول نقل کرتے ہیں کہ ان آیات میں جس کا تذکرہ ہورہا ہے وہ سیدنا عثمان بن عفان ہیں، سیدنا عثمان کار خیر میں بلا حساب و کتاب خرچ کرتے تھے، عبداللہ ابن سعد ابن ابو سرح جو کہ ان کے رضاعی بھائی تھے۔ انہوں نے کہا عثمان! جس طرح تم خرچ کررہے ہو اس طرح تو تمہارے پاس کچھ نہ رہے گا۔ سیدنا عثمان نے کہا کہ میں نے بہت گناہ کئے ہیں اور میں اللہ کی راہ میں خرچ کرکے معافی چاہتا ہوں تو عبداللہ نے کہا مجھے اپنی ناقہ اس کے کجادے کے ساتھ دے دو اور میں تمہارے تمام گناہ اپنے سر لیتا ہوں چناچہ اس کو انہوں نے ناقہ دے دی اس سودے پر انہوں نے گھواہ بھی ٹھہرائے اور سیدنا عثمان فی سبیل اللہ خرچنے سے رک گئے، اس پر

یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت ظاہراً باطل ہے کیونکہ یہ قرآنی اصول کے خلاف ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد ایک متعین شخص ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے مراد ہو لوگوں کا ایک نمونہ جو اس قسم کے ہوتے ہیں مثلاً وہ لوگ جو اسلامی نظریہ حیات کی راہ میں خرچ کریں اور پھر رک جائیں تو اللہ کے نزدیک ایسا شخص قابل تعجب ہے۔ واللہ اعلم باالصواب

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿٣٧﴾ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾

کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے۔ اور اس ابراہیم کے صحیفہ میں بھی ہے جس نے (اپنے رب کے ساتھ) وفا کی۔ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کابوجھ نہیں اٹھائے گا۔

تفسیر :

پچھلی آیات میں مخاطب شخص سے یہاں کہا جارہا ہے کہ اگر وہ رسول کریمﷺ پر ایمان لانے کے لیے بھی تیار نہیں اور اس بندے کے پاس علمِ غیب بھی نہیں تو کیا پہلے انبیاء کی کتابوں میں جو بنیادی اصول لکھے ہیں وہ بھی کسی نے اسے نہیں بتائے؟ ان انبیاء میں سے سیدنا ابراہیم اور سیدنا موسیٰ کا خاص طور پر ذکر اس لیے فرمایا کہ مشرکینِ مکہ سیدنا ابراہیم و اسماعیل اور سیدنا موسیٰ سے

محبت و عقیدت رکھتے تھے، جس کے باعث انہوں نے ان انبیاء کرام کی تصاویر بھی کعبۃ اللہ کی دیواروں پر لٹکا رکھی تھیں جنہیں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہﷺ نے مٹوا دیا، نیز سیدنا ابراہیم کے دین پر چلنے کا وہ دعویٰ رکھتے تھے اور سیدنا ابراہیم کے بعد احکام کی بنیادی کتاب سیدنا موسیٰ پر نازل ہونے والی توریت ہی تھی جس پر بعد کے تمام انبیاء عمل کرتے تھے اور جو اس وقت بھی موجود تھی اور قریش یہودیوں سے اس کے متعلق پوچھتے رہتے تھے۔

اب اس آیت میں عیسائیوں کے باطل عقیدہ کی نفی بھی ہوگئی، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح ان کے گناہوں کا متحمل ہو کر کفارہ ہوگیا، ان آیات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ عقیدہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا موسیٰ کی تعلیمات کے سراسر بر خلاف ہے۔

پھر اس آیت میں مسلمانوں کے ایصالِ ثواب کے عقیدے کی نفی بھی ہوگئی۔ سابقہ شریعتوں میں یہ حکم عام تھا کہ کسی کے کوئی عمل سے دوسرے کو فائدہ نہیں ہوسکتا لیکن ہماری شریعت میں اس میں کچھ مستثنیات ہیں مثلاً گنہگاروں کے لیے رسول اللہﷺ کی شفاعت اور اس کے علاؤہ صدقہ جاریہ، جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث میں بیان ہوا ہے۔

• سیدنا ابوھریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جب انسان فوت ہو جائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے (وہ منقطع نہیں ہوتے)، صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم : ۴۲۲۳)

صدقہ جاریہ یعنی جاری رہنے والی نیکی مثلاً کسی شخص نے اگر اپنی زندگی میں کوئی مسجد، کوئی سبیل، کنواں، مسافر خانہ، سرائے تعمیر کرائی تھی یا قرآن مجید کا مصحف خرید کر کسی مسجد میں رکھوایا تاکہ لوگ اسے پڑھ سکیں یا اسطرح کا کوئی رفاہِ عامہ کا کام اللہ کے لئے کیا تھا تو جب تک لوگ اس کے اس فعل سے مستفید ہوتے رہیں گے اس شخص کو اس کا ثواب برابر ملتا رہے گا حتیٰ کہ وفات کے بعد بھی کیونکہ یہ کسی اور کے اعمال نہیں بلکہ یہ تو اس کا اپنا عمل ہے یا پھر اگر کسی دوسرے کا عمل بھی ہے تو وہ اس کے عمل کی وجہ سے ہے۔

علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یعنی کسی مومن نے اپنی زندگی میں کوئی ایسی تحریر لکھی یا کوئی ایسا علمی کام کیا کہ جس کو پڑھ کر لوگوں نے اپنا عقیدہ و عمل درست کر لیا اور ہدایت کی راہ کو پا لیا، یا اس نے لوگوں کو، اپنی اولاد کو، رشتہ و قرابت داروں کو قلم کے علاوہ اپنی زبان سے اللہ کی طرف دعوت دی ہو، ایمان خالص و عمل صالح کی طرف بلایا ہو، انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا ہو، قرآن وحدیث کا انہیں علم دیا ہو تو جب تک یہ لوگ اس کی بتائی ہوئی یا لکھی ہوئی باتوں پر عمل پیرا رہیں گے تو اسے بھی اس کا ثواب ملتا رہے گا حتیٰ کہ وفات کے بعد بھی کیونکہ یہ ساری اسکی اپنی کوشش تھی۔

نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یعنی اگر اولاد کی تربیت قرآن وحدیث کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کی ہو اور اس کی یہی کوشش ہو کہ اس کی اولاد مومن و متقی بن کر زندگی گذارے تو یہی اولاد اپنے والدین کی وفات کے بعد اگر ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے

دعا کرے تو انکو بیشک اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ دیگر احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ اولاد کو صالح عمل کا جتنا اجر ملتا ہے اتنا ہی ان کے مومن والدین کو بھی ملتا ہے کیونکہ ان کی تعلیم و تربیت وغیرہ سب امور ماں باپ کے خود اپنے عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ وہ تمام اعمال خیر جو اوپر بیان کردہ طریقے کے مطابق ایک مومن کے کھاتے میں اس کی موت کے بعد جمع ہوتے رہتے ہیں، انہیں کہیں بھی اللہ تعالیٰ یا اس کے رسولﷺ نے ایصالِ ثواب کے نام سے بیان نہیں کیا اور نہ ہی کہیں کوئی ایسا طریقہ بتایا ہے کہ ایک نیک عمل کرکے کوئی اپنے فوت شدہ والدین کو بخش دے جیسے یہ لوگ فاتحہ خوانی، قلوں کا ختم، تیجے پانجے اور نویں کا ختم، چالیسواں جسے ہم ایزی لوڈ سے تشبیہ دے سکتے ہیں مثال کے طور پر اگر میں ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھوں اور پھر دعا کروں کہ اے اللہ اس درود شریف کو پڑھ کر جو ثواب مجھے ملا ہے میں وہ اپنے فلانے دھمکانے مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کرتا ہوں اسے اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرما۔

اور تو اور اگر ہم ان کے بتائے ہوئے طریقے پر نہ چلیں تو یہ جاہلوں کی جماعت کہتی ہے مرگیا مردود نہ فاتحہ نہ درود، ان جاہلوں کو علم نہیں کہ ان کی یہ بکواس کہا تک جاتی ہے، کیا صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین یا اولیاء کرام کی بھی کبھی فاتحہ خوانی ہوئی ہے؟ ان کے ختم کی محفلیں بھی ہوئی ہیں؟ اگر ہاں تو لاؤ ثبوت لاؤ اور اگر نہیں تو پھر کیا یہ لوگ اپنا یہ شعر ان پر بھی فٹ کریں گے کہ مرگیا مردود نہ فاتحہ نہ درود۔

ان گمراہ لوگوں نے قرآن مجید کو محض اپنے مردے بخشوانے کا ذریعہ سمجھا ہے، کاش یہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتے۔

صحیفہ ابراہیمی :

قرآن مجید میں دو مقامات پر سیدنا ابراہیم پر نازل کردہ صحیفوں کا تذکرہ ہوا ہے۔

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿٣٧﴾ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾

کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے۔ اور اس ابراہیم کے صحیفہ میں بھی ہے جس نے (اپنے رب کے ساتھ) وفا کی۔ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کابوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(انجم : ٣٦-٣٨)

• بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (١٦) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (١٧) إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ (١٨) صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ (١٩)

لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے۔ یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں۔ (الاعلیٰ : ١٦-١٩)

قرآن مجید واحد آسمانی کتاب ہے جس نے صحف ابراھیم کی طرف اشارہ کیا، ورنہ دوسری کتب سماوی میں اس سے متعلق کچھ بھی نہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ان صحیفوں کی تعداد ۱۰ تھی جیسا کہ سیدنا ابوذر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائی؟ رسول اللہﷺ نے فرمایا ایک سو چار کتابیں، پچاس صحیفے شیث پر، تیس صحیفے ادریس پر، دس ابراھیم پر، دس صحیفے توریت کے نزول سے پہلے موسیٰ پر اور پھر انجیل، زبور اور قرآن مجید۔ (قصص الانبیاء ثعلبی، ص۱۰۶) (حیات ابراھیم از احمد شلبی، ص۴۲۸) (کتاب المعارف، ابن قتیبہ، ص۱۶) (کتاب التیجان، ابن ہشام، ص۲)

ممکن ہے کہ یہ صحف حادثاتِ زمانہ کے نظر ہوگئے یا پھر کچھ اور، لیکن یہ بات تو حقیقت ہے کہ صحیفہ ابراھیمی کا وجود آج کے دور میں نہیں ہے لیکن کئی کتب ایسی ملتی ہیں کہ جنہیں سیدنا ابراہیم سے منسوب کیا جاتا ہے، جنہیں *The Testaments of Abraham* یا پھر *The Book of Abraham* کہا جاتا ہے۔ کئی تاریخی روایات میں ان صحیفوں ہے متعلق معلومات آئی ہیں لیکن میرے نزدیک وہ مستند و معتبر نہیں۔

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿۳۹﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿۴۱﴾ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿۴۲﴾

اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔ اور یہ کہ یقیناً اس کی کوشش جلد ہی اسے دکھائی جائے گی۔ پھر اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا، پورا بدلہ۔ اور یقیناً آخر کار تیرے رب کے پاس پہنچنا ہے۔

تفسیر :

اس دنیا کی حیثیت ایک کمرہ امتحان سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے اور ہمارے استاذ ہیں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر و رسل، ہماری یہ دنیاوی زندگی ایک امتحان سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں اور اس امتحان کے نتائج ہمیں آخروی زندگی میں ملے گے اور ہمیں پتہ چلے گا کہ ہم پاس ہوگئے یا فیل، لیکن یہ امتحان دنیاوی امتحانات کی طرح نہیں ہیں کہ ہم ساتھ والے طالب علم کے پرچے کی نقل کرلیں یا پھر پیپر چیک کرنے والے کے کسی قریبی کی سفارش ڈلوا کر پاس ہرجائیں بلکہ یہ امتحان تو ایسے ہیں کہ کسی بھی قسم کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہم برے اعمال کریں اور پھر رب تعالیٰ کی گرفت سے بھی بچ نکلیں۔

ان امتحانات کے نتائج میں ہمیں وہی کچھ ملے گا جس کی کوشش ہم نے خود کی ہوگی۔ ہمارے اپنے ذاتی اعمال و افعال ہی کا بدلہ ہمیں دیا جائے گا۔ اگر ہم اعمال کیلئے جد و جہد چھوڑ دیں اور دعا کریں کہ اے اللہ ہم جو کچھ بھی ہیں جیسے بھی ہیں بس تو ہمیں اپنے نبی کے وسیلہ سے بخش دے تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص جس نے دین کے لئے مال و دولت اور وقت کی قربانیاں دے کر جنت حاصل کی ہو اور دوسرا شخص کہ جس نے سال بھر میں ایک آدھ نماز ادا کی ہو، دین کی اسے کوئی سمجھ نہ ہو، احکامات دین سے اسکا کوئی واسطہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ اسے بھی جنت میں داخل کردیں، بیشک انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کے لیے اس نے کوشش کی ہوگی۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿۴۳﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿۴۴﴾

اور وہی ہنسانے والا اور وہی رلانے والا ہے۔ وہی موت دینے والا اور وہی زندہ کرنے والا ہے۔

تفسیر :

ان آیات مقدسات میں رب کریم فرماتے ہیں کہ یہ میرے قبضہ میں ہے کہ میں چاہے تو کسی کو خوش کر کے ہنسا دوں اور چاہے تو کسی کو غم و اندوہ میں مبتلا کر کے اسے رلا دوں۔ مسرتیں اور غم

اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسی کی بندگی کا قلادہ گلے میں ڈال کر اس کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ اس سے خوشی کی بھیک مانگو اور حزن و ملال سے اسی کی پناہ طلب کرو۔ اس کے در کو چھوڑ کر ادھر ادھر خوشیوں کی تلاش میں بھٹکتے پھرنا محض جہالت اور نادانی ہے، کیونکہ عقل سلیم کا یہ تقاضا نہیں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسی ہی کی ذات ہے جو قادر مطلق ہے اور پھر بھی وہ شخص اسے چھوڑ کر مزاروں، درباروں اور آستانوں پر اپنی مرادیں لے کر جائے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر آتا ہے کہ

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔ (البقرہ : ۱۵۵)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ الام و مصائب ہماری آزمائش کیلئے آتے ہیں، تاکہ دیکھا جائے کہ جس توحید کا اقرار ہم اپنی زبانوں سے کرتے ہیں آیا کہ وہ ہمارے دلوں میں بھی ہے یا نہیں۔ اب اس کا تعین ہم کیسے کرسکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب سورۃ البقرہ کی اس سے اگلی آیت میں درج ہے اور وہ ہے کہ

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۱۵۶) أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (۱۵۷)

جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (البقرہ : ۱۵۶-۱۵۷)

اس سے ہمیں پتہ چلا کہ سخت سے سخت دکھ درد اور مصیبت میں بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرکے صبر کرنے والے ہی اصل ہدایت پانے والے ہیں، نہ کہ وہ لوگ کہ جو دکھ پریشانی میں درباروں پر جائیں، چادریں چڑھائیں، منتیں مانیں، ضریح کی جالیوں کو پکڑ کر رو رو کر فوت شدگان کو پکاریں، تعویذ گنڈے شروع کردیں اور طرح طرح کی جھاڑ پھونک شروع کردیں۔ جیسا کہ سورۃ القیامہ میں آتا کہ جب انسان کا آخری وقت آن پہنچے گا، پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی اور روح ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائے گی اور اس کے گرد بیٹھے لوگوں کو جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ نہیں بچے گا تو

وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ

لوگ چلا اٹھیں گے کہ کوئی جھاڑنے والا ہے؟ (القیامہ : ۲۷)

بلکہ میں اپنے ایک قریبی عزیز کا واقعہ آپ کو بتاتا ہوں، ان کیلئے ایک فرضی نام لکھ لیتے ہیں تاکہ واقعہ بیان کرنے میں آسانی ہوسکے، ان کا نام تھا رابعہ، ان کا تعلق اس مسلک سے تھا کہ جنہوں نے اس وقت توحید کا علم اٹھایا ہوا ہے اور اپنے سوا بقیہ تمام مسالک و مذہب کے افراد کو مشرک سمجھتے ہیں، رابعہ آپاں کا مزاج ایسا نہ تھا۔ رابعہ آپاں کے میاں کی وفات کو دو سال ہوچکے تھے، وہ اپنے اکلوتے بیٹے اور چار بیٹیوں کے ساتھ بہت مشکل سے

محنت مزدوری کرکے گزر بسر کرتی تھیں۔ پچھلے سال ہوا یوں کہ ان کے بیٹے کو فالج کا اٹیک ہوگیا جس کے باعث ان کے گھر میں ایسی کیفیت پیدا ہوگئی کہ جو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ ظاہری بات ہے گھر کا ایک اکلوتا مرد تھا اور وہ بھی بیمار ہوگیا اور بیماری بھی کوئی چھوٹی موٹی نہیں۔ رابعہ آپاں کیلئے یہ وقت، وقتِ آزمائش تھا۔ لیکن وہ اپنے کچھ رشتہ داروں کے بہکاوے میں آگئیں اور پوری کی پوری بدل گئیں۔ انہیں گمان ہوا کہ یہ روحانی مرض ہے، جو روحانی علاج ہی سے ٹھیک ہوگا لہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے تعویذ گنڈے پہنا دیے، تعویذ والا پانی پلانا شروع کردیا، مختلف تعویذات کو جلا کر اس کی دھونیاں دینی شروع کردی، مختلف عاملوں کے چکر وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

بلآخر وقتِ آزمائش ختم شد، یقین بر تعویز کرد !! یعنی وقتِ آزمائش ختم ہوا اور تعویذ گنڈوں پر یقین پختہ ہوگیا۔ میں نے انکی اصلاح کی کوشش کی لیکن وہ جواباً کہنے لگیں کہ اس میں مجھے شفاء ملی ہے، اس میں اللہ ہی کا پاک کلام ہے، اگر یہ سب سچ نہیں تو بھلا میرے بیٹے کو شفاء کیسے مل گئی؟ اب ان آپاں کے ساتھ میرے تعلقات کچھ ایسے ہیں کہ ڈائریکٹ انہیں جواب دیتا تو شاید وہ مایوس ہو جاتیں۔ میں جی چاہا کہ انہیں یہ حدیث سناؤں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی نومولود بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، انگلی لگاتا ہے تاکہ وہ رو دے۔ (صحیح بخاری : ۳۲۸۶) (صحیح مسلم : ۲۳۶۶) (مشکوٰۃ المصابیح : ۵۷۲۳)

جب یہ چھیڑ چھاڑ بڑھتی ہے تو بچے کے والدین اسے لے کر جھاڑ پھونک والے کے پاس جاتے ہیں، جب جھاڑ پھونک کی جاتی ہے تو

شیطان اپنا یہ عمل بند کردیتا ہے، جس سے ان والدین کو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ حضرت صاحب بہت پہنچی ہوئی شخصیت ہیں کہ جن کے جھاڑ پھونک یا نظر کے جن کے تعویذ سے ہمارا بچہ بالکل ٹھیک ہوگیا۔ اسی طرح کی ایک روایت مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے جو کہ ابھی مجھے صحیح سے یاد نہیں۔

اور رہی بات کہ ان تعویزات کی تو ان کے بقول تعویذ پر بھی تو پاک کلام ہی لکھا ہوتا ہے تو پھر یہ شرک کیسے؟ اس کا تفصیلی جواب دینے سے بہتر ہے کہ اس سوال کا جواب قارئین کرام خود تلاش کریں، خود ان تعویذات کو کھولیں اور دیکھیں کہ وہاں Numerical digits ہیں یا پھر کوئی آیت قرآنی، اور اگر کوئی آیت ہے تو تلاش کریں کہ کون سی سورۃ کی کون سی آیت ہے، اگر وہ آیت قرآن مجید میں مل جائے تو دیکھیں کہیں کوئی تبدیلی تو نہیں اور اگر نہیں تو پھر آپ اس لکھی ہوئی آیت پر غور کریں اور جن سے تعویذ لیا ہے ان کے پاس جائیں اور نہایت ادب سے پوچھیں کہ اس آیت میں شوشے اور "ط،ظ،غ،ص،ض،ہ،ع،و،ق،ف،م" کے دائرے اتنے کھلے اور عام لکھائی کی نسبت زیادہ واضح کیوں ہیں۔ آپ کو آپ کے تمام تر سوالات کا جواب اس وقت ہی مل جائے گا جب حضرت صاحب چلا کر بولیں گے کہ ارے اوہ بے عقل! تم نے اس کو کھول کر کیوں دیکھا؟

بہرحال، جب ایک انسان کو معلوم ہے کہ قادر مطلق کون ہے، تو عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ پھر اسی قادر مطلق کو ہی اپنی تمام تر مرادیں پیش کی جائیں اور توہم پرستی اور شرکیہ عقائد سے خود بھی بچا جائے اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی بچایا جائے۔

وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٤٥﴾ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٤٦﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٤٧﴾

اور بے شک اسی نے ایک بوند سے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔ نطفہ سے جب ٹپکایا گیا۔ اور یہ کہ بے شک اسی کے ذمہ دوسری دفعہ پیدا کرنا ہے۔

تفسیر :

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میں نے نے آدم و حوا کو پیدا کیا اور پھر ان سے نسل آگے بڑھائی، میں نے ہی تمہیں ایک منی کے قطرے سے انسان بنایا اور اب تم اس بات پر شک کر رہے ہو کہ تمہیں دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا؟ اس کی فکر تم مت کرو، یہ ہماری زمہ داری ہے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا۔ یعنی جو خدا ہمیں بے جان پانی کے ایک قطرے سے جیتا جیتا جاگتا انسان بنا سکتا ہے، اس کے لیے کوئی مشکل نہیں کہ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کردے پھر چاہے ہمارے مردہ اجسام کو مٹی کھا گئی ہو، آگ نے جلا کر راکھ بنا دیا ہو یا پھر کسی جانور یا پرندے یا کیڑے کی خوراک بن کر اس کے خون میں شامل ہوگئے ہوں، وہ ہماری انگلیوں کی پوڑ پوڑ پہلے جیسی کرکے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ (دیکھیں سورۃ ق، آیت ۳-۴)

وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿۴۷﴾

اور یہ کہ وہی غنی بناتا ہے اور مفلس کرتا ہے۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہی ہے جو گنج بخش ہے، غنی ہے، داتا ہے، وہی ہے جو عطا کرتا ہے اور وہی ہے جو مفلس کرتا ہے۔ اس آیت کی کا مفہوم عام لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہی ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو دے کر آزماتا ہے اور وہ ہی ہے جو کسی سے لے کر آزماتا ہے۔

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ ﴿۴۹﴾

اور یہ کہ وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی ہے جو شعری یمانی ستارے کا رب ہے، اس کے مختلف نام ہیں، مرزم الجوزاء، الفاکینس میجورس (*Alpha Canis Majoris*) یا ستارہ کلب (*Dogstar*)۔ یہ رات

کے دوران آسمان پر طلوع ہونے والا سب سے چمکدار اور دوہرا ستارہ (بائنری سٹار) ہے۔ اس کی روشنی نیلی اور سفید ہے جو سورج سے چوبیس گنا زیادہ ہے۔



نظام شمسی سے اس کا فاصلہ 8.61 نوری سال ہے جو سورج سے قریب ترین ستارے کے مسافت سے بھی دوگنی ہے۔ اس کا یہ نام یونانی زبان کے ایک لفظ سے آیا ہے جس کے معنی چمکتا ہوا یا ابلتا ہوا کے ہیں۔ قدیم مصری لوگ شعریٰ یمانی ستارے کو سوتھیس کے نام سے جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ یہ ستارہ ہر صبح طلوع ہوتا ہے نیز انہیں ایک عرصے تک اس بات پر اعتقاد تھا کہ دریائے نیل میں آنے والے سیلاب اسی ستارے کی وجہ سے آتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ لوگ اس ستارے کی پرستش بھی کرتے

تھے۔ قدیم روم میں گرمیوں کے شدید ایام اسی ستارے سے منسوب تھے اور وہ ان ایام کو ایام سگ کہتے تھے۔ اسی طرح اہل عرب میں سے خصوصاً قریش اور خزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ باطلہ کی تردید کی اور سورۃ النجم کی اس آیت مبارکہ میں فرمایا کہ تمہاری قسمتوں کا مالک شعریٰ نہیں بلکہ وہ اللہ ہے جو شعریٰ کا بھی مالک ہے۔ اسی طرح آج کے مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کہ اپنی قسمتوں کو مختلف ستاروں کی گردشوں سے منسوب کرتے ہیں اور فال نکلواتے ہیں، بلکہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہ کام سرکارہ لیول پر بھی ہوتا ہے، اخباروں میں " جانیئے آج کا دن کیسا رہے گا " کے نام سے کالم چھپتے ہیں اور نیوز چینلز پر اس سے متعلق کئی پروگراموں کو نشر کیا جاتا ہے۔ یہ کھلم کھلا شرک ہے اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سارا دھندہ فراڈ کا ہے، کتنی ہنسی کی بات ہے کہ بڑے بڑے اجرام فلکی کو اس سے کیا غرض ہو گی کہ نارووال کے رہنے والے شیدے یا پتوکی کی شگفتہ کا دن کیسے گزرے گا؟

بہرحال، موضوع پر واپس آتے ہیں۔ سیریس کے دوہرے ستارہ ہونے کا علم سب سے پہلے جرمن ماہر فلکیات فریڈریک ولہم بیسل کو 1844 میں ہوا۔ انھوں نے اپنے مشاہدے میں اخذ کیا کہ یہ ستارہ آسمان پر اپنے ہمسائیوں میں ایک لہری راستے پر گامزن ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا ایک ساتھی ستارہ بھی موجود ہے۔ **اسکا چکر لگانے کا دورانیہ 49 برس تک محیط ہے۔**

اب اس سورۃ مبارکہ میں قرآن مجید کا ایک ایسا معجزہ بیان ہوا ہے کہ جس سے ہم پر قرآن مجید کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے۔

• شعریٰ یمانی ستارہ وہ واحد ستارہ ہے کہ جس کا نام قرآن مجید میں آیا ہے اور اس کا مدار 49 برس پر محیط ہے اور کتنے اتفاق کی بات ہے کہ رب العالمین نے اس ستارے کا تذکرہ جس آیت مبارکہ میں کیا، وہ بھی سورۃ النجم کی انچاسویں آیت ہے۔

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ (۴۹)

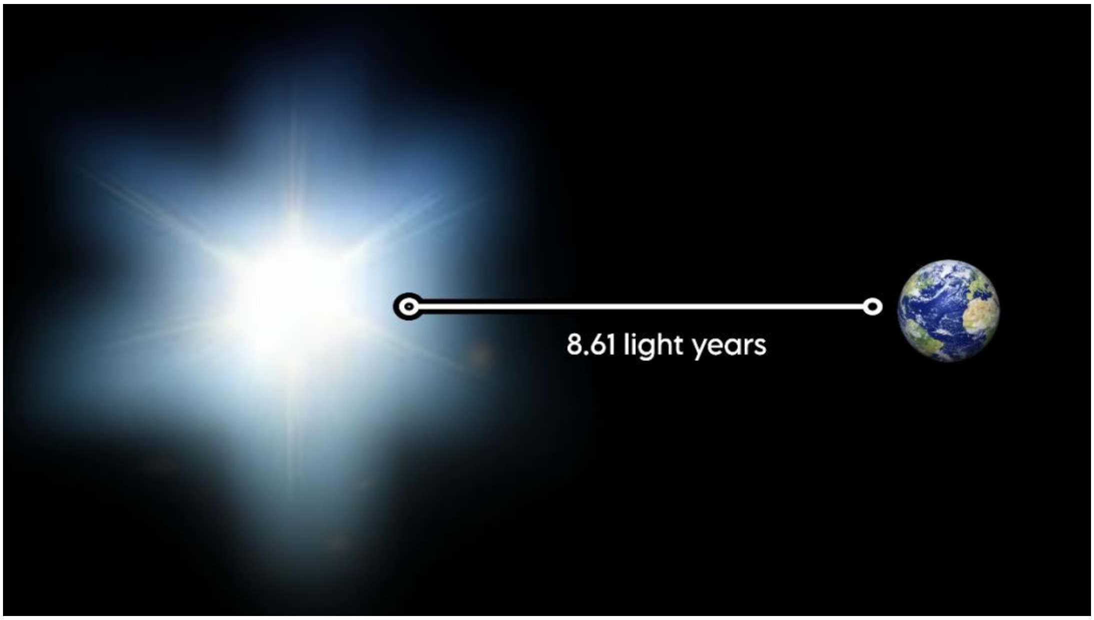
اور یہ کہ وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے۔ (النجم : ۴۹)

• اب جیسا کہ ہم پڑھ چکے کہ شعریٰ ستارہ ہمارے سورج سے حجم کے اعتبار سے تقریباً 1.716 زیادہ بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ستارے کا تذکرہ سورۃ النجم میں فرمایا، جو موجودہ مصحف کی ترتیب کے لحاظ سے ۵۳ نمبر پر ہے اور سورۃ الشمس (سورج) ۹۱ نمبر پر۔

اب اگر ہم 91 کو 53 پر تقسیم کریں تو جواب آئے گا 1.716۔ سبحان اللہ وبحمدہ

• جیسا کہ ہم نے پڑھا کہ شعریٰ یمانی ستارے کا ہماری زمین سے فاصلہ 8.61 نوری سال ہے اور سورۃ النجم میں ستارے کا تذکرہ پہلی آیت میں آیا اور پھر زمین کا تذکرہ آیت ۳۲ میں۔ پہلی آیت کے **أَلْنَّجْمُ** سے لے کر آیت ۳۲ میں **الْأَرْضِ** تک کے حروف کی تعداد بھی 861 ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ


SIRIUS A AS
COMPARED TO
OUR LOCAL SUN
ستارہ سیریس اے ہمارے سورج کے مقابلے میں
Sirius A
Sun


8.61 light years

وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿٥٠﴾

اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کردیا تھا۔

تفسیر :

(دیکھیں سورۃ الذاریات : ۴۱-۴۲)

وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ ﴿٥١﴾

اور ثمود کو بھی اور ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا۔

تفسیر :

(دیکھیں سورۃ الذاریات : ۴۳-۴۵)

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ﴿٥٢﴾

اور ان سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کرڈالا، بلاشبہ وہ بڑے ہی ظالم اور سرکش تھے۔

تفسیر :

(دیکھیں سورۃ الذاریات : ۴۶-۴۷)

وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ﴿۵۳﴾ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ﴿۵۴﴾

اور اسی نے الٹائی ہوئی بستی کو دے پٹکا۔ پھر ان کی بستیوں کو اس (پتھر یا پانی) نے ڈھانک لیا جس نے انہیں ڈھانک لیا۔

تفسیر :

(دیکھیں سورۃ الذاریات : ۳۱-۳۷)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ﴿۵۵﴾

پس تو (اے انسان!) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں میں شک کرے گا ؟

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں میں رب کریم نے فرمایا کہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی اے انسان تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں شک کرکے جھگڑتا رہے گا۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہاں انبیاء کرام کو نعمت کہا گیا کہ اے انسان آخر تم کتنے نبیوں کی صداقت پر شک میں مبتلا رہو گے؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ ان کے بارے میں شک میں مبتلا ہونے والوں یا جھگڑنے والوں کا کیا انجام ہوا، پھر بھی تم اپنی یہ روش نہیں چھوڑ رہے اور بعض مفسرین کے نزدیک یہاں سابقہ اقوام کی تباہیوں کو ہمارے لیے نعمت قرار دیا گیا ہے۔ تفسیر تیسیر القرآن میں مولانا عبد الرحمن کیلانی فرماتے ہیں کہ اللہ کی بنی نوع انسان پر سب بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ ظالم اور سرکش قوموں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دے۔ تاکہ باقی لوگوں کو ان کے ظلم و ستم سے نجات ملے اور وہ بھی دنیا میں چین سے زندگی بسر کرسکیں۔ گویا سب ظالم قوموں کی تباہی بھی اللہ کی نعمتیں تھیں اور انسانیت پر احسانات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کا ذکر ایک دوسرے مقام پر بڑے واشگاف الفاظ میں یوں بیان فرمایا

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَہُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰہَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے۔ (البقرہ : ۲۵۱)

هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿۵۶﴾

یہ تو پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے۔

تفسیر :

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہﷺ کو نَذِيرٌ کہا یعنی ڈرانے والا، عذاب الٰہی سے ڈرانے والا، قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرانے والا، نارِ جہنم کی وحشتوں سے ڈرانے والا۔ قرآن مجید میں رسول اللہﷺ کو اور بھی مقامات پر نَذِيرٌ کہا گیا۔

قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے اور تمہارے ساتھ کیا میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف واضح طور ڈرانے والا ہوں۔ (الاحقاف : ۹)

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ

تو کہہ کہ میں تمہیں صرف ایک ہی نصیحت دیتا ہوں یہ کہ تم دو دو اور ایک ایک اللہ کے لئے اٹھ کھڑے ہو پھر فکر کرو کہ تمہارا صاحب مجنون نہیں ہے۔ وہ تو تم کو ایک سخت عذاب سے ڈرانے والا ہے۔ (سبأ : ۴۶)

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور جہنمیوں کے بارے میں آپ سے پرسش نہیں ہوگی۔ (البقرہ : ۱۱۹)

رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

ایسے رسول جو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے، تاکہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہ جائے اور اللہ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۶۵)

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں تو صرف اس لیے (بھیجتے ہیں) کہ لوگوں کو بشارت دیں اور ڈرائیں، پھر جو کوئی ایمان لے آیا اور اس نے اپنی اصلاح کرلی تو ایسے لوگوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ (الانعام : ۴۸)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا

اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے، بشارت دینے اور ڈرانے والابنا کر بھیجا ہے۔ (الاحزاب : ۴۵)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں۔ (سبأ : ۲۸)

إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ

(اے نبیﷺ) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ (فاطر : ۲۳)

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ

ہم نے ہی آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔ (فاطر : ۲۴)

أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿۵۷﴾

آنے والی گھڑی قریب آگئی ہے۔

تفسیر :

پچھلی آیت میں ہم نے یہ تو پڑھ لیا کہ رسول اللہﷺ ڈرانے والے ہیں، کس چیز سے ڈرانے والے ہیں؟ اس سوال کا جواب اس آیت مبارکہ میں آگیا کہ وہ اس چیز سے ڈرانے والے ہیں جو قریب آپہنچی۔ اس آیت میں قیامت کا ایک صفاتی نام آیا ہے "ازفه" جس میں وقت کی قلت کا مفہوم پایا جاتا ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر آتا ہے کہ

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ

اور انہیں بہت ہی قریب آنے والی (قیامت سے) آگاہ کر دیجئے جب کہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہونگے ظالموں کا کوئی دلی دوست ہوگا نہ سفارشی، کہ جس کی بات مانی جائے گی۔ (غافر : ۱۸)

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ

(قیامت کی) گھڑی قریب آگئی۔ (القمر : ۱)

اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ (الأنبياء : ۱)

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا (۶) وَنَرَاهُ قَرِيبًا (۷)

بیشک یہ اس (قیامت) کو دور سمجھ رہے ہیں۔

اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔ (المعارج : ۶-۷)

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سیدنا سہل بن سعد ساعدی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کے قریب والی انگلی (شہادت کی انگلی) کے اشارے سے فرما رہے تھے کہ میں ایسے وقت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف ان دو کے برابر فاصلہ ہے۔ (صحیح بخاری : ۴۹۳۶)

نبی کریمﷺ نے فرمایا مسلمانو ! گزری امتوں کی عمروں کے مقابلہ میں تمہاری عمر ایسی ہے جیسے عصر سے سورج ڈوبنے تک کا وقت ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری : ۵۰۲۱)

یعنی سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہﷺ کی بعثت تک جتنا وقت گزر چکا ہے، یہ دنیا اب اتنا وقت اور نہیں لے گی کہ قیامت واقع ہو جائے گی۔

لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾

اسے اللہ کے سوا کوئی ظاہر کرنے والا نہیں ہے۔

تفسیر :

قیامت کا علم ایک ایسا غیب ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا، جیسا کہ اس بات پر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی دلالت موجود ہے کیونکہ قیامت کا علم ان امور میں سے ہے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے ساتھ خاص کر رکھا ہے اور اس کی اطلاع نہ تو کسی مقرب فرشتے کو دی ہے اور نہ ہی کسی نبی و مرسل کو۔ لہٰذا اللہ تعالی کے علاوہ کوئی بھی یہ بات نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔ رسول اللہﷺ کثرت سے قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا کرتے تھے لہٰذا لوگ آپ سے قیامت کے آنے کے وقت کے متعلق دریافت کیا کرتے تھے، اس وقت آپ انہیں یہ

بتایا کرتے تھے کہ یہ ایسا غیب ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور قرآنی آیات اس چیز کا بیان کرنے کے لیے نازل ہوا کرتی تھی کہ قیامت کا علم ان امور میں سے ہے جنہیں اللہ تعالی نے اپنی ذات کے لیے خاص کر رکھا ہے۔ محمود بزرنجی کی طرح آج کے کئی مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہﷺ جانتے تھے کہ قیامت کب آئے گی لیکن انہیں یہ بتانے سے منع کیا گیا تھا، یہ عقیدہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن مجید میں علم الساعۃ کے بارے میں آتا ہے کہ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا، آپ فرما دیجئے اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اس کے وقت پر اس کو سوائے اللہ کے کوئی ظاہر نہ کرے گا وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری (حادثہ) ہوگا، وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی۔ وہ آپ اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کرچکے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (الاعراف : ۱۸۷)

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ ۚ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے! کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، آپ کو کیا خبر؟ شاید قیامت بالکل ہی قریب ہو۔ (الاحزاب : ۶۳)

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا

(قیامت کے واقع ہونے) کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے۔ (النازعات : ۴۴)

قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں کئی علماء نے اپنی اپنی آرا پیش کیں، جو کہ سراسر جھوٹ اور غلط معلومات ہیں۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے کہا کہ دنیا میں امتِ مسلمہ کا بقا نبی کریمﷺ کے وصال کے سے ایک ہزار سال کے بعد کے پانچ سو سال سے آگے متجاوز نہیں ہوگا۔ (مظاہر الحق، ج۵، ص۱۰۰)

ایسے ہی احمد رضا خان بریلوی نے کہا کہ ۱۸۳۷ھ میں کوئی اسلامی سلطنت باقی نہ رہے گی اور ۱۹۰۰ھ میں امام مہدی ظہور پائیں گے۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے معلوم کیا؟ کیا آپ نے علم الجفر کے ذریعے معلوم کیا؟ تو وہ آواز دبا کر کہنے لگے کہ آم کھائیں گھٹلیاں نہ گنیں، پھر کچھ لمحوں بعد خود ہی کہنے لگے کہ میں نے ابن العربی کے کلام سے جانا ہے۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت)

اس طرح کی باتیں بنانا یا پھر ان کی ٹوہ میں لگنا سراسر غلط ہے۔ جس بارے میں اللہ تعالی نے اپنے محبوبﷺ کو نہیں بتایا تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنی حدود میں رہیں، اپنی اوقات سے آگے نہ بڑھیں۔ جیسا کہ سورۃ الحجرات میں ہم نے پڑھا تھا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۱)

اے ایمان والوں ! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔ (سورة الحجرات : ۱)

أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾

کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟

تفسیر :

تعجب ہے کہ تم قرآن کے سچا ہونے پر شک کرتے ہو، اس کی تکذیب کرتے ہو۔ یعنی کفار و مشرکین اللہ کے کلام پر شک کرتے تھے اور کرتے تھے کہ یہ تو محمدﷺ کا اپنا کلام ہے۔ تو اللہ نے انہیں اس وقت کے حساب سے یہ چیلنج دیا کہ جتنے ماہر ترین عربی دان تم اکٹھا کرسکتے ہو، کرلو !! اور اس کلام جیسا، بلکہ اس کی سب سے چھوٹی سورة جیسی ایک سورة بنا لاؤ جو قرآن مجید ہی کی فصاحت و بلاغت کی عمده مثال ہو، غیبی خبروں سے آگاہ کرے، سائینسی حقائق بیان کرے، عالم برزخ کی باتیں بتائے۔ اگر تم نہیں لا سکتے تو اپنی ہار قبول کرو۔

وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾

اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔ اور غفلت میں مبتلا کھیل کود رہے ہو۔

تفسیر :

قرآن مجید کی حقانیت جان لینے کے بعد بھی اگر تم اس پر ایمان نہیں لاتے، تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کلامِ الٰہی، بعث بعد الموت اور قیامت کی باتیں سب جھوٹ ہیں؟ کفار و مشرکین طنزیہ لہجے میں رسول کریمﷺ سے پوچھا کرتے تھے کہ آخر وہ عذاب کب آئے گا جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں اور قرآن مجید کا بھی مزاق بنایا کرتے تھے، قرآن مجید اور آخرت کو کبھی سنجیدہ نہ لیتے تھے۔ تو قرآن مجید نے انہیں یہاں کہا کہ تمہیں تو اپنی جہالت اور تاریک عاقبت پر رونا چاہیئے تھا، الٹا تم ان وعظ و نصیحت کی باتوں کا مزاق اڑانے میں لگے ہو۔

اس انتہائے غفلت سے تم اللہ اور اس کے رسولﷺ کا تو کچھ نہیں بگاڑ رہے بلکہ اپنے لیے ہی نارِ جہنم کو تقویت دے رہے ہو۔

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿۶۲﴾

پس اللہ کو سجدہ کرو اور (اس کی) بندگی کرو۔

تفسیر :

جیسا کہ ہم نے اس سورۃ مبارکہ کے تعارف میں پڑھا کہ یہ پہلی سورۃ ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی نیز یہی وہ پہلی سورۃ ہے جسے رسول اللہﷺ نے مجمع عام میں اور بعض روایات کے مطابق حرم میں کافروں اور مسلمانوں کے مشترکہ مجمع میں سنایا۔ قرآن کی اثر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ جب رسول اللہﷺ نے اس سورۃ مبارکہ کی آخری آیت

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿۶۲﴾

تو اللہ کو سجدہ کرو اور (اس کی) بندگی کرو۔ (النجم : ۶۲)

پڑھی تو مسلمانوں کے ساتھ کافر بھی بے اختیار سجدہ ریز ہوگئے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے

سیدنا عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سجدہ والی سورۃ "سورۃ النجم" ہے۔ رسول اللہﷺ نے (اس کی تلاوت کے بعد) سجدہ کیا اور جتنے لوگ آپ کے پیچھے تھے سب ہی نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا، سوائے ایک شخص کے، میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھائی اور اسی پر سجدہ کر لیا، بعد میں (بدر کی لڑائی میں) میں نے اسے دیکھا کہ کفر کی

حالت میں وہ قتل کیا ہوا پڑا ہے اور وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔ (صحیح بخاری : ۴۸۶۳)

عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے سورۃ النجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے اور تمام مشرکوں اور جنات و انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔ (صحیح بخاری : ۴۸۶۲)

عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت دینے کے بعد سب سے پہلے سورۃ النجم کو بلند آواز کے ساتھ حرم میں تلاوت فرمایا۔ (روح المعانی : سورۃ النجم : ۱۴/۶۳)

اسی موقعہ سے متعلق مشہور ہے کہ جب رسول اللہﷺ نے یہ آیات پڑھیں

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ (۱۹) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ (۲۰)

پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ پر غور کیا۔ اور تیسری منات پر۔ (النجم : ۱۹-۲۰)

تو شیطان نے رسول اللہﷺ کی آواز جیسی آواز میں آگے یہ الفاظ پڑھ دئیے۔

تِلْکَ الغَرَانِیْقُ العُلٰی وَإِنَّ شَفَاعَتُهُنَّ لَتُرْجٰی

یہ تینوں بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت متوقع ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن)

اور بعض کے نزدیک یہ واقعہ یوں ہوا کہ جب قریشیوں نے بھی مسلمان کے ساتھ مل کر سجدہ کرلیا تو بعد میں انہیں اپنی غلطی کا

احساس ہوا کہ ہم سے یہ کیا حماقت سرزد ہوگئی تب انہوں نے یہ الفاظ اپنی طرف سے گھڑے اور کہہ دیا کہ ہم نے محمدﷺ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تھے اور سمجھے کہ اب وہ بھی ہمارے دین کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کے ساتھ مل کر سجدہ کیا تھا۔ (تیسیر القرآن)

یہ واقعہ جو کچھ بھی تھا، یہ خبر یا افواہ اتنی مشہور ہوئی کہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں نے، جنہوں نے رجب ٥ نبوی میں ہجرت کی تھی۔ جب انہوں نے ایسی خبر سنی تو شوال ٥ نبوی میں مکہ واپس آگئے۔ مگر مکہ آکر انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو سب کچھ ایک غلط فہمی تھی۔ چنانچہ وہ دوبارہ ہجرت کرکے حبشہ کی طرف واپس چلے گئے۔

یہ ناپاک اور گنہگار بندہ انتہائی ندامت و عاجزی سے اپنی اس معمولی سی کاوش کو ان پاک ہستیوں کی بارگاہِ مقدس میں ھدیہ کرنا چاہتا ہے، جنہیں بارگاہِ رسالتﷺ کے اولین شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے یعنی اہل بیت اکرام اور صحابہ اکرام، خصوصاً باالخصوص ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدنا و مولانا علی بن

ابی طالب، سیدنا امام حسن بن علی، سیدنا امام حسین بن علی، سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا ابی بن کعب، سیدنا ابوہریرہ، سیدنا انس بن مالک اور سیدنا ابو موسیٰ الاشعری علیہ السلام اجمعین۔

ان کے بعد، یہ ناچیز اپنی اس کاوش کو پیش کرنا چاہتا ہے ان تابعین اکرام کی بارگاہ میں کہ جن کی زندگیاں قرآن مجید کو سیکھنے سکھانے میں گزریں۔ بالخصوص حضرت مجاہد بن زید، عکرمہ مولی بن عباس، عطاء بن ابی رباح، زید بن اسلم، ابو عالیہ ریاحی، محمد بن کعب قرظی، قتادہ بن دعامہ سدوسی، علقمہ بن قیس اور امام الشعبی عامر بن شراحیل رحمتہ اللہ علیہم۔

بے عمل اور تاریک قلب ہونے کے باوجود پُرامید ہوں رب کریم میری اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمارے دلوں کو امام اعظم، امام کائنات، سید الاولین و الآخرین، امام الانبیاء و المرسلین، شفیع المذنبین، رحمتہ اللعالمین، سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کے عشق سے پُرنور کردے اور ہمارے تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو معاف کردے اور ہمارا خاتمہ حالت ایمان پر کردے۔
آمین یارب العالمین

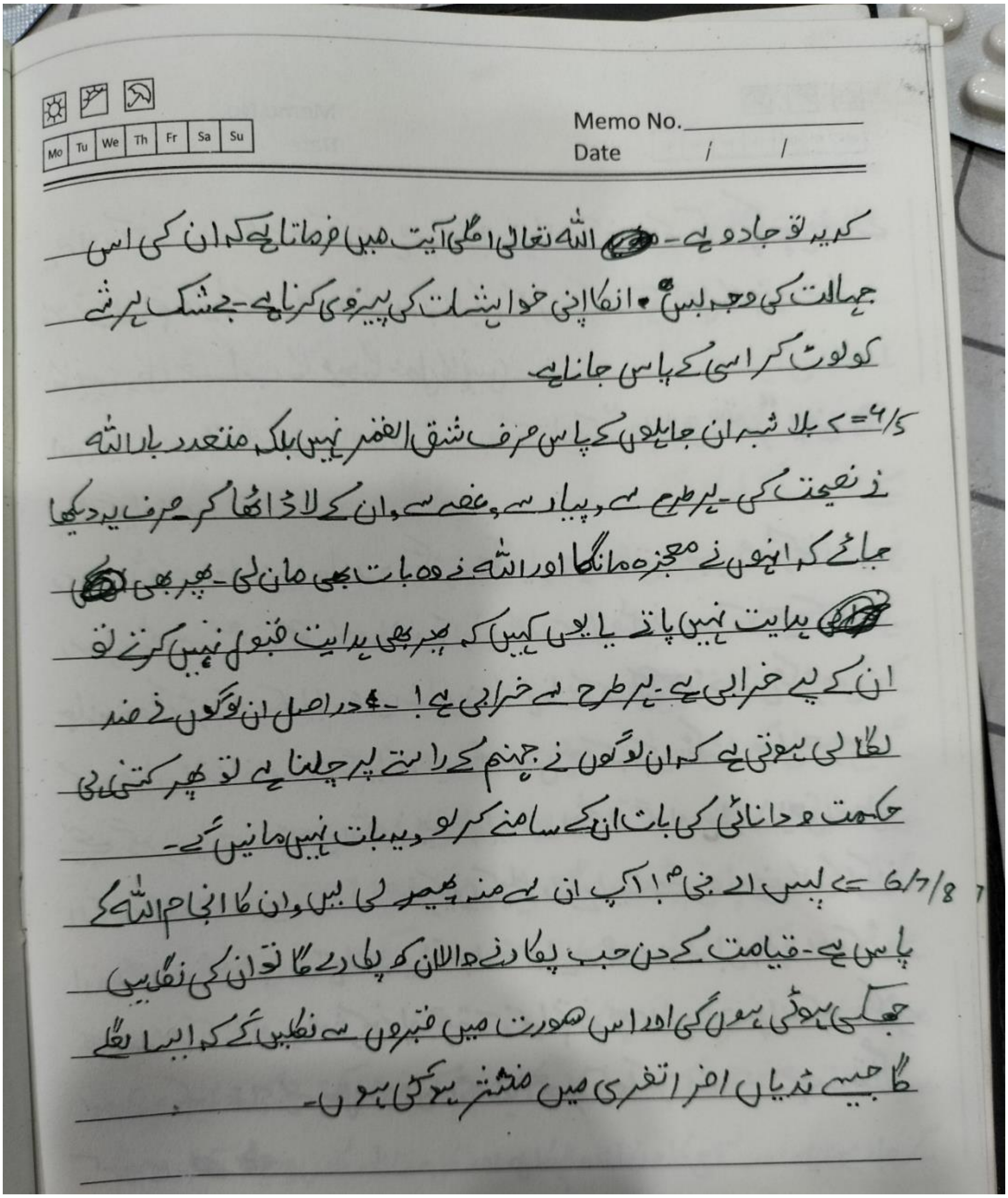
محمد نعمان رضا بابر

فہرست

۱۶	سورة النجم، آیت ۲۹	۴۱۰	۱۷۱	سورة النجم، آیت ۴۹	۴۴۷
۱۶۲	سورة النجم، آیت ۳۰	۴۱۲	۱۷۲	سورة النجم، آیت ۵۰-۵۲	۴۵۲
۱۶۳	سورة النجم، آیت ۳۱	۴۱۵	۱۷۳	سورة النجم، آیت ۵۳-۵۴	۴۵۳
۱۶۴	سورة النجم، آیت ۳۲	۴۱۸	۱۷۴	سورة النجم، آیت ۵۵	۴۵۳
۱۶۵	سورة النجم، آیت ۳۳-۳۵	۴۲۹	۱۷۵	سورة النجم، آیت ۵۶	۴۵۵
۱۶۶	سورة النجم، آیت ۳۶-۳۸	۴۳۴	۱۷۶	سورة النجم، آیت ۵۷	۴۵۷
۱۶۷	سورة النجم، آیت ۳۹-۴۲	۴۴۰	۱۷۷	سورة النجم، آیت ۵۸	۴۵۹
۱۶۸	سورة النجم، آیت ۴۳-۴۴	۴۴۱	۱۷۸	سورة النجم، آیت ۵۹	۴۶۲
۱۶۹	سورة النجم، آیت ۴۵-۴۷	۴۴۶	۱۷۹	سورة النجم، آیت ۶۰-۶۱	۴۶۳
۱۷۰	سورة النجم، آیت ۴۸	۴۴۷	۱۸۰	سورة النجم، آیت ۶۲	۴۶۴

اس بندہ ناچیز نے بہت محنت، لگن، توجہ اور ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کتاب ھذا کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے، ایک ایک سطر بہت لگن کے ساتھ لکھی، پھر بھی اگر کوئی غلطی کوتاہی آپ کی نظر میں آئے تو معاف کیجئے گا اور دیے گئے رابطہ نمبر پر لازمی بتائیے گا۔ آخر میں رب العالمین سے یہی دعا ہے کہ جو حق بات میں نے کہی، اللہ اسے ہمارے دلوں میں راسخ فرمائے اور جانے انجانے میں یا جذبات کی زد میں اگر کوئی غلط بات بیان کردی ہو تو اللہ اس سے معاف فرمائے اور ہمارے دل و دماغ سے وہ بات مٹا دے/ بُھلا دے۔

آمین برحمتک یا ارحم الراحمین



القول الجمیل فی تفسیر القرآن العظیم کا قلمی نسخہ

سورۃ القمر، آیت ۳ تا ۸



شیخ ابو احمد فرحان الٰہی حفظہ اللہ تعالیٰ کے
ساتھ بادشاہی مسجد میں لی گئی یادگار تصویر